

وسيجنبها الاتقى' الایه

دوم

# عمدة التحقيق

افضليت ابو بكر صدیق  
در  
زبدة التحقيق

<https://it.mektehqiqat>



مجلس علماء اہلسنت

مصنّف

استاذ العلماء قاضی محمد عظیم نقشبندی

For more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

# عُمْدَةُ التَّحْقِيقِ

در

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

بجواب

## زبدۃ التحقیق

حصہ دوم

مصنّف

مناظر اسلام اہل سنت و جماعت کی پہچان

محافظ عقائد اہل سنت

استاذ العلماء والفضلا

قاضی محمد عظیم نقشبندی مجددی مدظلہ العالی

کتاب کانام.....عمدة التحقیق در افضلیت ابوبکر صدیق ﷺ  
مصنف.....استاذ العلماء قاضی محمد عظیم نقشبندی  
پروف ریڈنگ.....مجلس علمائے اہلسنت  
کمپوزنگ.....صغیر احمد قادری / محمد عدیل  
سال اشاعت.....ذوالحجہ 1432ھ جری بمطابق نومبر 2011ء

### ضروری نوٹ

پروف ریڈنگ دقت نظر سے کی گئی ہے مگر خطا فطرت انسانی کا حصہ ہے غلطی نظر آنے پر ضرور مطلع فرمائیں، انشاء اللہ درستگی کی جائے گی،

۲: کتاب میں مکررات ہیں بندہ ناچیز پر بارگراں بن کر گرے، زبان و قلم نے اکتاہٹ محسوس کی، مگر ہم نے یہ تحریری ذمہ داری لی تھی کہ ہر دلیل کا رد دلیل سے کیا جائے گا سید صاحب نے چونکہ ایک بات اور ایک روایت کا تکرار در تکرار کیا ہے اس لئے بامر مجبوری جواب بھی اسی نہج پر دیا گیا ہے تکرار میں جدت اور ادب کو بھی شامل کیا گیا ہے، امید ہے کہ آپ ضرور بہرہ ور ہوں گے۔

طالب عفو، بندہ گنہگار

قاضی محمد عظیم نقشبندی

## ﴿عرض مصنف﴾

☆ اگر خوف ناراضگی دامنگیر، اور نام کو صیغہء راز میں رکھنے کا عہد و پیمانہ نہ ہوتا تو میں ان شخصیات مقدسہ کو صفحہ اول کی پیشانی کا جھومر بناتا جن کی جان، مال، فکر و دانش مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کیلئے وقف ہے ☆

بندۂ گنہگار

قاضی محمد عظیم نقشبندی عفی عنہ

### فہرست مضامین

مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے ہے مکمل بحث

ابن حزم اندلسی کے قول معارض کا جواب

اجماع سکوتی بھی حجت شرعیہ ہے، مگر ابوبکر صدیق پر اجماع غنصی تام ہوا ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے قول سے معارضہ اور اس کا جواب

افضلیت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے معارضہ

حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں حضرت علی افضل تھے؟ جواب

واقعہ ہجرت اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا والہانہ کردار

حضرت عبداللہ بن مسعود اور افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے معارضے کا جواب

حضرت عباس کے قول سے اجماع کا معارضہ اور اس کا جواب

حسین کریمین اور افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم

اجماع غنصی یا سکوتی ابوبکر صدیق کی افضلیت پر ہوتا تو اس کا منکر کافر ہوتا؟ اجماع غنصی ہوا ہے اس کا تفصیلی جواب

امام حسن اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ خیر البریہ ہیں؟

مقام علی ابوبکر کی نظر میں (رضی اللہ عنہما)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول معارض کا جواب

حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے اجماع پر معارضہ اور اس کا جواب

ابو الطفیل صحابی کے قول سے معارضہ اور اس کا جواب

رسول اللہ ﷺ کا فرمان علی امام المتقین ہیں، تحقیق کے اجالے میں

علی رضی اللہ عنہ خیر البریہ ہیں؟ جو خیر البشر، خیر البریہ نہ مانے وہ کافر ہے، منافق ہے (نعوذ باللہ) تحقیق کی

سکوٹی پر

افضلیت علی کرم اللہ وجہہ صحابہ کی نظر میں

امام بھاص رازی رحمہ اللہ کے اقتباس کا جواب، اور ایک منطقی دلیل

اجماع سکوتی شوافع کے ہاں حجت ہے مگر مفید قطعیت نہیں،

شرح مقاصد کے اقتباس سے معارضہ اور اس کا جواب

امامت صفری میں افضل کی موجودگی میں مفضل امام نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ امامت کبریٰ میں امام بنے،

امام ابوالحسن اشعری کے نقل فرمودہ اقوال سے سید صاحب کی دھوکہ دہی

افضلیت ابو بکر صدیق اور آئمہ اربعہ

حضرت امام ابو حنیفہ زید بن علی کے مرید تھے اور نہ ہی تفضیلی تھے

سید سند شریف جرجانی کا نظریہ

ابوزہرہ مصری کے اقتباس کا تجزیہ

آل بیت النبی ﷺ کون ہیں؟

علی خیر امام خیر ہادی کی توضیح

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تفضیلی نہ تھے

امت محمدیہ میں آل محمد ﷺ جیسا کوئی نہیں کا مفہوم

اہل بیت بھی امتی ہیں

حضرت عمر، حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بارش کیلئے دعا کرانے کیوں حاضر ہوئے؟

طبرانی کبیر کی حدیث سے معارضہ اور اس کا جواب

حضرت عباس کی افضلیت سے معارضہ اور اس کا جواب

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ

• امام ابوالحسن اشعری پر وارد شدہ اعتراض کا جواب

اہل بیت جنت میں رسول اللہ ﷺ کے ہم مجلس ہوں گے لہذا وہ شیخین سے افضل ہیں اس کا تحقیق اور تفصیلی جواب  
 کیا مسئلہ تفصیل اجتہادی ہے؟ اس کی تحقیق و تشریح  
 تفصیل شیخین سنی ہونے کی علامت ہے  
 امام رازی کے قول امام ابو بکر و امام علی سے مغالطہ دہی کی کوشش  
 کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث، وہم، غلط اور لغزش ہے (نعوذ باللہ) اس کی تحقیق  
 علامہ تفتازانی پر سید صاحب کا الزام اور اس کا تفصیلی جواب  
 امام اور خلیفہ میں فرق ہے تفصیل  
 معصومیت نبی کیلئے ہے امام کیلئے نہیں  
 اہل سنت کے نزدیک امام کا مفہوم  
 حضرت شہاب الدین سہروردی کا قول اور اس کی وضاحت  
 اہل تشیع اہل اہواء ہیں اہل اہواء کے پیچھے نماز درست نہیں  
 تفصیلیہ اور امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ  
 امام شعرانی اور شیخ ابن العربی کے اقوال سے مغالطہ دہی اور اس کا جواب  
 شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی توقف کا نہیں بلکہ انضیلت قطعہ اور ترتیب خلافت کا عقیدہ رکھتے ہیں  
 سواد اعظم قانون ساز ادارہ ہے عقیدہ قول، عمل میں اسکی اتباع واجب ہے  
 انضیلت اور انضیلت کیا ہے؟ تحقیق کے اجالے میں  
 سید سند شریف جرجانی کے اقتباس سے مغالطہ آفرینی  
 کیا انضیلت علی المرتضیٰ کا منکر کافر ہے؟ نعوذ باللہ اس کا جواب  
 علامہ سید سند شریف جرجانی کا عقیدہ  
 الاتقی صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، نفیس علمی بحث

☆ بسم الله الرحمن الرحيم ☆

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش لفظ

”عمدۃ التحقیق“ درافضیت ابوبکر صدیقؓ بجواب زبدۃ التحقیق کی دوسری جلد کا آغاز اسی ذات وحدہ لاشریک کے مقدس اور برتر نام سے کرتے ہیں جس نے عمدۃ التحقیق کی پہلی جلد مکمل کرنے اور ہدیہ ناظرین کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ اسی ذات وحدہ لاشریک کا فضل بیکراں ہے کہ بوسیلہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ”عمدۃ التحقیق“ پوری دنیا میں شہرت اور عظمت کی سند حاصل کر چکی ہے اور ہر سامع اور قاری کی مانگ ہے اللہ وحدہ لاشریک کی بارگاہ بے کس پناہ میں یہ عاصیانہ، عاجزانہ التجا ہے کہ وہ عمدۃ التحقیق کو اپنی بارگاہ ذوالجلال میں شرف اجابت عطا فرمائے، راقم اور دیگر شرکاء کا رکیلئے ذریعہ نجات بنائے، اور ہر سنی کو اس کے مندرجات سے استفادہ کرنے کی توفیق جمیل عطا فرمائے، امین

ہم بارگاہ ایزدی میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے محبوب، یار غار، یار مزار اور حشر و نشر کے ساتھی اور حوض کوثر کے معاون ساقی جناب صدیق اکبر کا دامن صدق و صفا، تقام کر دست بدعا ہیں کہ وہ عمدۃ التحقیق کی جلد ثانی کی تکمیل و تدوین میں اپنے فضل و احسان کی برسات فرمائے، فلک بوس بلکہ عرش رسیدہ جناب صدیق اکبر کی عظمتوں کو زبدۃ نے اعترافی اور شیعہ اقوال و دلائل سے زمین بوس اور دانداز کرنے کی جو سعی لا حاصل کی ہے ان کو برقرار اور بر محل رکھنے کا حوصلہ، ہمت، جرأت، اور علم بلیغ عطا فرمائے۔

ہمیں نہ تو علم و دانش کے رموز و اسرار پر گرفت رکھنے کا اظہار و اقرار ہے نہ ہی حسب و نسب کے بلند اقدار ہونے پر انحصار ہے، نہ ہی لہادۂ شریعت و طریقت شعار اور ذریعہ افتخار ہے ہمارے

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

لیے طرہ امتیاز اور وجہء ناز صرف یہ ہے کہ ہم بادۂ عظمت صدیق کے میخوار، جذبہء صدق و یقین سے سرشار، کاسہء گدائی لیے در صدیق پر حاضری اور گدائی کیلئے گنبدِ حضرتؑ کی جانب رواں بہ سفر ہیں بلند ہمتی اور سعادتوں کے سائے میں طے ہونے والے اس سفر میں کوئی کاٹ کھائے، ذاتیات کی قہر مذلت میں گر کر نسبت صدیقیت کے نیچے ادھیڑ دے، خدا دادہ عزت و ناموس کے برنجے اڑائے، خفت بھرے الفاظ سے آوازے کسے، دشنام طرازی اور بد تمیزی کے تیر چلائے گھٹیا اور خسیس رکاوٹوں سے سدا راہ کرے ہم ڈرنے والے پیچھے ہٹنے والے اور پلٹ کر دیکھنے والے نہیں بلکہ جرأت اور استقلال، ثبات اور استقام سے مسلح ہو کر دیوانہ وار آگے بڑھنے والے اور اس آوازِ مقدس پر لیک کہنے والے ہیں، جو عظمت صدیق کی پاسداری کیلئے گنبدِ حضرتؑ سے آ رہی ہے۔

جناب صدیق اکبر کی زندگی کا فلسفہ توجہ الی اللہ اور ذات رسول اللہ ﷺ سے ہر پہلو و اہنگی، شیفنگی اور فریفنگی ہے، اخوت اسلامی اور مودت ایمانی کیلئے دل پر نور میں ایثار و قربانی کے بے پناہ جذبات اور احترام و تکریم کے احساسات ہیں مخالفت و خصامت کی چیرہ دستیوں کے لئے نرمی اور شفقت کے رجحانات ہیں بفضل اللہ تعالیٰ ہمیں جناب صدیق اکبر اور صدیقوں کی غلامی کا شرف حاصل ہے تادمِ زیست اس اعزاز کا دفاع ہماری گفتار اور ہمارے کردار کا لازمی حصہ ہے، ذاتیات کی جنگ کیلئے میدان سجالینا ہمارا مذہبی شعار ہے نہ اصول حیات جمہور علمائے امت کے ان گنت قافلہء جاں گداز کی راہ چلنا اس کے سایہء عاطفت میں رواں با منزل رہنا ہمارا عہد و پیمانہ ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ تمام صحابہ کرام، خلفائے اربعہ، بالخصوص جناب صدیق اکبر اور صدیقوں کی رحمت بیکراں کا سائبان میسر ہے، جو دنیا اور آخرت میں ہماری سرخروئی اور نجات کی پختہ ضمانت ہے اس لئے بخشش اور شفاعت کیلئے کسی اور کے حضور سرنگوں ہونے کی

ضرورت ہی کیا ہے؟

ہم اللہ وحدہ لا شریک کی بارگاہ اقدس میں یہ التجا بھی کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے قلم کو اپنی حفاظت اور امان میں رکھے، زبان اور قلم کی آوارگی ہمارے منشور کا حصہ نہیں، کیونکہ سوقیانہ انداز تکلم اور سطحی طرز تخاطب اسلام کی خدمت ہے نہ فکر اسلامی، خواہ شب دیجور کے جھر مٹ میں ہو یا دن کے اجالے میں، اگر کوئی زبان کے تیروستان چلا کر ہمارے قلوب و اذہان سے نسبت صدیقی، یا عظمت صدیقی چھیننا چاہے تو یہ اس کی بھول ہے اگر بڑا بننے کیلئے عظمت یافتہ خدا دادہ کسی کے منصب کو فکر فاسد اور عمل کا سد سے داغدار کرنے کیلئے بے راہ روی کی راہ چل دیا جائے تو یہ فکر ناہنجار اور زجلی خسٹ ہے، بدوں امتیاز عالم اور جاہل یہ علم ہونا چاہیے کہ انبیاء کرام کی ذوات مقدسہ ظیبہ طاہرہ پر ان کے ذاتی اور شخصی کردار پر حملہ آوار ہونے والے کون اور کیا تھے؟

اس ناپاک اور نازیبا حملے کا آغاز کب ہوا؟ اور اختتام کا سلسلہ کہاں رکا؟ وہ کون سی آیت ہے جو ذاتی شخصی کردار اور خاندان پر حملہ کرنے والوں کی مذمت میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے جلوہ آرائے منبر ہو کر اعلان فرمایا جن شریکوں نے میرے حسب و نسب پر طعن کیا ہے وہ دل کے کان کھول کر سن لیں پوری انسانیت اور پوری اولاد آدم میں حسب و نسب کے لحاظ سے بے مثل اور بے مثال ہوں رسول اللہ ﷺ کا یہ جارحانہ اور معجزانہ انداز جواب اس بات کی دلیل ہے کہ عدم حاضری اور غیبت میں کسی کی تنقیص شان کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہرگز پسند نہیں۔

”فتفکرو تدبر ما علینا الا البلاغ“

ہم اپنی اس مختصری گفتگو اور عندیہ کے بعد رواں بمنزل ہوتے ہیں پہلی جلد میں ہم نے سید صاحب کو سید صاحب ایسے عظمت بھرے لقب سے موسوم اور مخاطب کیا اور باور کرایا تھا کہ ہم دلیل کا مقابلہ دلیل، اور موقف کے مقابلہ نقیض پیش کریں گے جو طریقہ سلف و خلف چلا

آ رہا ہے، عزت نفس کو مجروح کریں گے نہ ذاتیات پر اتریں گے، ہماری تحریر کردہ یہ سند تو صیغہ ان کو راس نہ آئی اور اپنے ارادتمندوں کے سامنے اپنی شیخی بگاڑنے کیلئے شان سادات سے حد درجہ نیچے اترے آئے لیکن ہم بایں ہمہ ان کے موقف کی تردید اور ان کے دلائل کی تکسیر انشاء اللہ ضرور کریں گے مگر ان کی عزت نفس کو مجروح کرنے کے لئے بازاری زبان نوک قلم پر نہیں لائیں گے، عظمت صدیق پر برسنے والے تیروں کیلئے اپنا سینہ اور جگر پیش کرتے ہوئے کہیں گے،

آؤ پیارے ہنر آزمائیں      تم تیرا ماؤ ہم جگر آزمائیں

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں:

## مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے ہے

سید صاحب کا کہنا کہ مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے نہیں، اس کا جواب سید صاحب: کیا مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے ہے؟ یعنی اس کے نزدیک ضروریات دین میں سے نہیں،

جواب: خلیفہ کا تقرر اور اس کا اہل زماں سے افضل ہونا ضروریات دین میں سے ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے؛

ابو منصور عبد القاہر بن طاہر تمیمی بغدادی متوفی ۴۲۹ھ اپنی کتاب اصول دین کے ص: ۲۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں: "فقال ابو الحسن الا شعری (المتوفی ۳۳۳ھ) یحب ان یکون الامام افضل اهل زمانه فی شروط الامامة ولا یعتقد الامامة لاحد مع وجود من هو افضل منه فیها فان عقدها قوم للمفضول كان المعقود له من الملوک دون الائمة ولهد اقال فی الخلفاء الاربعة افضلهم ابو بکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم

علی“ (زبدۃ . ص . ۲۲۰)

ترجمہ : امام ابوالحسن اشعری نے کہا، کہ شرائط امامت سے ہے کہ امام (خليفة) کا اہل زمان سے افضل ہونا ضروری ہے، اگر قوم غیر افضل کو خلیفہ بنالے تو وہ بادشاہ ہوگا خلیفہ نہیں ہوگا بشرطیکہ بوقت انتخاب افضل موجود ہو، اسی قانون اور قاعدہ کے تحت امام ابوالحسن اشعری نے فرمایا کہ خلفاء اربعہ میں سے ابو بکر صدیق افضل ہیں۔ اس قاعدے کی بنیاد اور اصل اجماع صحابہ ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

﴿واما الخليفة فليس لهم ان يولوا الخلافة الا افضلهم وهذا في الخلفاء خاصة

وعليه اجماع الامة﴾ [شرح فقہ اکبر، ص: ۷۵ مطبع سعیدی کراچی]

سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں صحابہ نے لازم سے افضل شخص (ابو بکر صدیق) کو ہی خلیفہ بنانا خلیفۃ المؤمنین کیلئے سب سے افضل ہونا اس کی ماہیت کیلئے خاصہ ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے معلوم ہوا اسلام میں خلیفہ کی حقیقت اور ذات کیلئے افضلیت خاصہ لازمہ بینہ ہے کہ وہ اپنے تمام معاصرین سے بہر صورت اور بہر پہلو افضل ہو۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں اسی قانون اور قاعدے کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام صحابہ بشمول انصار مہاجرین نے تاج خلافت حضرت ابو بکر صدیق کے سر پر رکھا۔ الصواعق المحرقة اور التہدید کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے نام کی جگہ، حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی پیش کیے، اور خود خلیفہ بننے سے انکار کیا، مگر ہر سہ حضرات نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے بلکہ سب صحابہ سے افضل قرار دیتے ہوئے ان کا نام تجویز کیا، جس پر تمام صحابہ نے اتفاق کیا اور بیعت کی، اس سے یہ بات ثابت اور محقق ہو گئی کہ خلافت کی شرط اولین یہی ہے کہ وہ اپنی ذات، صفات اور شناخت میں مکتائے روزگار ہو، کسی

جہت اور کسی وصف کے حوالے سے اس کی افضلیت اور انفرادیت کے مقابل کوئی معارض قول اور مخالف چیز سامنے نہ آئے، سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق کی ہمہ صفت موصوف شخصیت پر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے دلائل دیئے صحابہ کرام کے اتنے بڑے مجمع عام میں کسی طرف سے ان دلائل کی تردید، یا تنقیص سامنے نہ آئی، جس سے یہ محقق ہو گیا کہ خلیفہ کیلئے بالا جماع یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اہل زمان سے افضل ہو،

یہاں تک تو یہ واضح ہو گیا کہ اسلام میں خلیفہ کا اپنے اہل زمان سے افضل ہونا ضروری ہے اور اس پر اجماع صحابہ کی تائیدی مہر ثبت ہے اجماع صحابہ دلیل قطعی ہے، محبت طبری رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿فان الاجماع قطعی، اجماع جواد لہ شرعیہ میں تیسرے نمبر پر ہے دلیل قطعی ہے۔

(الریاض النضرہ: ۱: ص: ۲۲۰)

امام موصوف مزید فرماتے ہیں کہ: ﴿ام کیف یحل اعتقاد خلاف ذالک والاجماع

علی خلافہ وهو قطعی﴾ [الریاض النضرہ: ۱: ص: ۲۲۹]

اجماع کے خلاف یہ عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس کے خلاف اجماع صحابہ ہے جو دلیل قطعی ہے، ان اقتباسات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اجماع دلیل قطعی ہے تو گویا خلیفہ کے افضل الناس ہونے پر دلیل قطعی موجود ہے اور یہی دلیل قطعی تقاضا کرتی ہے کہ خلیفہ، اسلام افضل الناس ہو، جس طرح اجماع دلیل قطعی سے خلیفہ اسلام کا افضل الناس ہونا ثابت ہے اسی طرح اجماع جو دلیل قطعی ہے خلیفہ کے تقرر کا تقاضا کرتا ہے۔

اور صحابہ کا عمل اس پر شاہد عدل ہے امام ابو شکور سالمی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو سقیفہ بنی ساعدہ خزر جی میں صحابہ کرام مہاجرین و انصار نے جمع ہو کر کہا کہ ہم نے

آنحضرت ﷺ سے [www.morebooks.clickbhere.tk](http://www.morebooks.clickbhere.tk) سے <https://archive.org/details/@zobaibhasanattari>

ایک دن بھی، بغیر امام کے رہنا پسند نہیں کرتے۔

صحابہ کرام جمع ہوئے اور سب نے بالاتفاق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کیا اور کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ (التمہید ابو شکور سالمی بحث خلافت و امارت: ص: ۳۵۱)

ملا علی قاری، محبت الدین طبری، اور امام شکور سالمی رحمہم اللہ کی توضیحات سے واضح ہوا کہ اسلام میں خلیفہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام اہل زمان سے افضل ہو اور اس افضلیت پر اجماع امت ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع امت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع امت ہے، اور اسی طرح آپ کی افضلیت آپ کی خلافت پر بھی اجماع امت ہے، اجماع امت دلیل قطعی ہے، جس طرح آپ کی خلافت پر ایمان رکھنا اجماع امت کی بنیاد پر واجبات شرعیہ میں سے ہے۔ اسی طرح آپ کی افضلیت پر ایمان رکھنا بھی واجب ہے اسلام میں خلافت اور افضلیت کے درمیان تلازم ہے سید صاحب کا یہ تحریر کرنا کہ افضلیت ضروریات دین میں سے نہیں غلط ہے جب افضلیت اور خلافت دونوں کا وجود اور صدور اجماع امت سے ہے اجماع دلیل قطعی ہے کیا اجماع دلیل قطعی نہیں؟ اور دلیل قطعی سے جو حکم اور اثر مرتب ثابت ہے ضروریات دین میں سے نہیں؟ اگر خلیفہ کا انتخاب اور اس کی افضلیت ضروریات دین میں سے نہ ہوتے تو سیفہ بنی ساعدہ خزرجی میں انصار کے اجماع جو انتخاب خلیفہ کیلئے منعقد ہوا تھا کاسن کر شیخین کریمین بعجلت وہاں کیوں پہنچتے؟ خدشہ تو یہی تھا کہ کہیں عجلت میں انصار خلافت کیلئے کسی ایسے شخص کی نامزدگی نہ کر بیٹھیں جو اسلام کی مقرر کردہ شرط افضلیت پوری نہ کرتا ہو، کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو گلشن اسلام کی ہر شاخ تنے سے الگ، ہر پتہ ٹہنی سے جدا، اور ہر پھول اپنی شاخ سے کٹ کر ضائع اور برباد ہو جائے گا، اور ہر شجر کے برگ و بار افراتق و تشتت کی بادخزاں کی چیرہ دستیوں سے نیست و نابود ہو جائیں گے اور گلشن اسلام کی نکبت و بہار باہمی رنجش

وچپقلش کے ہاتھوں تاخت اور تاراج ہو جائے گی، رسول اللہ ﷺ کی شانہ روزِ محنت اور کاوش سے اسلام کا جو نور عرب و عجم کو منور کر رہا ہے وہ بجھ جائے گا صحرائے عرب اور خطہ ہائے عجم کے جن جن علاقوں میں عظمت اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے ذرا سی غفلت اور غلت سے وہاں شرک و کفر کے پھریرے اڑنے لگیں گے شیخین کریمین کی سوچ اور فکر کا بنیادی اور مرکزی نکتہ یہ تھا کہ امکانی حد تک قصر اسلام کی جلالت شان کو اینٹ، اینٹ ہونے سے بچایا جائے، کیونکہ اس کی بنیادوں میں تیس سالہ خونِ نبوت کا فرما ہے، شیخین کریمین کے سقیفہ بنی ساعدہ پہنچنے پر خلیفہ کے تقرر کا باضابطہ اعلامیہ جاری ہونے سے رک گیا، کیونکہ انصار تو حضرت سعد بن عبادہ کا انتخاب بحیثیت خلیفہ کر چکے تھے، صرف اعلامیہ جاری کرنا باقی تھا، اگر شیخین کریمین اس نازک اور فیصلہ کن وقت میں سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف فرمانہ ہوتے تو فتنہ و فساد کی آگ نہ صرف حاضرین اور مجتہدین کو متاثر کرتی بلکہ اس کے زوردار اور منہ مار شعلے نہ صرف خطہ عرب بلکہ نوآباد اسلامی ریاستوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے، اور کفر کو پھر سے اپنے پر پھیلانے اور نوع انسانی کو یرغمال بنانے کا موقع مل جاتا، اور دنیا کے کسی بھی خطے سے صدائے توحید و رسالت بلند ہوتی اور نہ کوئی مسلمان ڈھونڈنے سے ملتا، سقیفہ بنی ساعدہ خزر جی میں شیخین کریمین کی تشریف آوری کو غرضِ خلافت، طلبِ خلافت کا نام دینا اس لئے غلط ہوگا کہ شیخین کریمین تو وحدتِ اسلامی کی بقا اور تحفظ کیلئے وہاں تشریف فرما ہوئے تھے، اگر مقصودِ خلافت کا حصول ہی ہوتا تو جناب صدیق اکبر اجماع صحابہ کی قوت سے خلیفۃ النبی ﷺ منتخب ہونے کے بعد خلافت سے دستبردار ہونے کا اعلان کیوں فرماتے؟

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو انصار کے نامزد خلیفہ تھے انہوں نے انصار کی افضلیت اور استحقاق بارے ایک جامع اور بلیغ خطاب فرمایا، اگر شیخین کریمین وہاں موجود نہ ہوتے، جناب

for more books click on the link

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس تردیدی دلیل نہ ہوتی تو قبیلایٰ معرکہ برپا ہوتا، تلواریں نیام سے نکل کر صحابہ کے خونِ آب سے رنگین ہوتیں لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے، خون کی ندی بہہ نکلتی، فرشتوں کا وہ خدشہ اور استدلال بامِ صدق کو پہنچ پاتا جو انہوں نے اللہ رب العزۃ کے حضور ﴿اتجعل فیہامن یفسد فیہا﴾ کے الفاظ میں پیش کیا تھا، جن کی گردنیں تلواریں کی دھار، جبر اور تشدد سے بچ نکلتیں وہ آنے والی نسلوں کو درس انتقام دیتیں اس طرح تیس سالہ محنت و مشقت کا یہ مجموعی ثمرِ نختِ لخت ہو جاتا جس کے حصول کیلئے آقائے دو جہاں ﷺ نے جاں نثاری اور جانگدازی کے ایسے معرکہ دکھائے تھے کہ چشمِ فلک خیرہ اور کائنات کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، حضرت سعد بن عبادہ کے جواب میں جناب صدیق اکبر نے الآئمہ من قریش سے استدلال کیا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی جامع تقریر کے جواب میں جناب صدیق اکبر نے ایک فصیح و بلیغ خطاب فرمایا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے حدیث الآئمہ من قریش کی صحت اور سماعت پر توثیق اور معاونت چاہی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کی تائید و توثیق کرتے ہوئے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے موقف کو درست تسلیم کیا، پھر نامور شخصیات کا مقام و مرتبہ زیر بحث آیا، نکر اور بحث کے بعد تمام صحابہ نے بیعت کی اگر خلیفہ کیلئے افضلیت شرط اور لازم ماہیت اور فرد کیلئے خاصہ لازمہ بینہ نہ ہوتی تو انصار و مہاجرین کے درمیان خلافت کے حصول کیلئے دلائل، اور فضائل کا تبادلہ اور ٹکراؤ کیوں ہوتا؟ اس پورے منظر کو تحقیق اور تقابلی جائزے کے سانچے میں ڈھال کر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ اجماع صحابہ ہے جس نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلیفہ المسلمین کیلئے معاصرین سے افضل ہونا ضروری ہے، یعنی افضلیت ماہیت خلافت من حیث ہی کیلئے، اور اس کے فرد متحقق فی الخارج کیلئے خاصہ لازمہ بینہ ہے، عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اجماع شریعت مطہرہ کی دلیل ثالث ہونے کی بنیاد پر ضروریات دین سے نہیں  
 پھر اجماع صحابہ کی قوت سے ثابت ہونے والا حکم ضروریات دین سے نہیں؟ اگر اجماع اور اس  
 سے ثابت ہونے والا حکم ضروریات دین سے نہ ہوتا تو صحابہ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں  
 شریک ہوتے امر خلافت کی ایک سوئی کیلئے سقیفہ بنی ساعدہ میں ہرگز جمع نہ ہوتے، رسول اللہ  
 ﷺ نے اجماع پر اعتقاد رکھنے اور اجماع کے مقتضی پر عمل کرنے کا سختی سے حکم فرمایا ہے،  
 ﴿اتبعوا السواد الاعظم﴾ میری امت کی جماعت کثیرہ کی پیروی کرو، ﴿من شذذ شد فی  
 النار﴾ جو اجماع امت سے الگ ہو اوہ جہنم رسید ہوا، کیا جہنم میں جانا ضروریات دین میں سے  
 ہے؟ بلکہ جنت میں جانا ضروریات دین میں سے ہے اگر جنت کی طلب اور داخلہ ضروریات  
 دین میں سے نہ ہوتا تو صحائف و کتب کا نزول ہوتا نہ انبیاء اور مرسلین کو بھیجا جاتا، نبی کریم ﷺ  
 نے ضروریات دین کی پوری اور مکمل تفصیل، اور اس کے اعداد و شمار اپنے اس فرمان ذی شان میں  
 بند کر دیئے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا جنتی گروہ کون ہوگا؟ فرمایا ﴿ما انا علیہ واصحابی﴾ ترجمہ  
 : جو میرے اور میرے صحابہ کے طریق ہدایت پر ہوگا، سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کا اجتماع کیا اس  
 حدیث کی علمبراری نہیں؟ جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو بغیر امیر مرادہ جاہلیت کی موت مرا، رسول  
 اللہ ﷺ کے سانحہ ارتحال کے بعد وحی کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا مسلمانوں پر خلیفہ کا تقرر لازمی  
 شرعی ضرورت ٹھہرا اس لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں نبی کریم ﷺ کے فرمان عالی قدر کو رو بہ عمل لانے  
 کیلئے اجتماع صحابہ ہوا جس میں افضلیت کی شرط پر خلیفہ کا انتخاب ہوا، صحابہ نے چونکہ رسول اللہ  
 ﷺ کے منہ مبارک سے عظمت صدیق کے چھڑتے ہوئے گلہائے عطر ریز اپنے قلوب و اذہان  
 میں محفوظ کر رکھے تھے، اور ہر صحابی کی طبع نفیس ان کی رعنائی اور خوشبو سے آشنا اور بہرہ ور تھی اسلئے  
 بلا اتفاق تاج خلافت عظمتوں کے اس بے تاج بادشاہ کے سر رکھا گیا جس کا نام صدیق اکبر رضی

اللہ عنہ ہے، سیف بنی ساعدہ خزرجی میں صحابہ کرام کی جملہ کاروائی ﴿ما اناعلیہ واصحابی﴾ کی عملی تفسیر اور واضح عمل داری تھی، جو ضروریات دین میں سے تھی۔ سید صاحب بتائے کہ ﴿ما اناعلیہ واصحابی﴾ کا حکم فقط سیف بنی ساعدہ تک محدود اور محصور تھا یا اس کا حکم اور اتباع اپنی غیر محدود و وسعتوں کو لیے ہوئے صحیح قیامت تک جاری و ساری ہے؟ بلاشبہ جاری و ساری ہے۔ اگر اس کا حکم اور اس کی تعمیل ضروریات دین کی فہرست میں نہ آتے تو قیام قیامت تک آنے والے قافلہ ہائے اہل ایمان کو اس کیلئے پابند عمل نہ کیا جاتا، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سیف بنی ساعدہ میں خلافت اور اتحقاق خلافت کی جملہ کاروائی (افضلیت) ﴿ما اناعلیہ واصحابی﴾ کے تحت ہوئی جو ضروریات دین کا حصہ بن گئی، عبدالقادر شاہ کا یہ کہنا کہ افضلیت ضروریات دین سے نہیں، غلط اور خلاف عقل و دانش ہے، ﴿اتبوا الاسواد الاعلم﴾ اور ﴿ما اناعلیہ واصحابی﴾ ہر دو احادیث کا حکم یہ ہے کہ عقیدہ جمہور اور اجماع صحابہ کی پیروی کی جائے، اجماع صحابہ کا جمہوری عمل اور مجموعی رائے دلیل افضلیت ہے، جو ضرورت دین میں سے ہے اس لئے جمہور علماء کا اتفاق اور اجتماعی عقیدہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ان الاجماع علی الفضلیۃ الصدیق محمول علی اجماع من یعتد بہ من اہل السنۃ اذلا یصح حملہ علی اجماع الامۃ المخالفة بعض اہل البدعة﴾

(شرح فقہ اکبر: ص: ۸۲)

ترجمہ: یہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر اجماع ہے اس سے مراد قابل اعتماد اہل سنت ہیں۔ (یعنی علمائے اہل سنت ہیں) اس اجماع کو، اجماع امت نہیں کہہ سکتے کیونکہ اہل بدعت (شیعہ) افضلیت ابو بکر صدیق اور اجماع کے مخالف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اہل سنت و جماعت کے دسویں صدی ہجری کے مجدد، اور

مسائل کا قافلہ حنفیت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی قبر انور پر جنہوں نے عقیدہ اہل سنت و جماعت، اور عقیدہ اہل تشیع کی تفصیل بیان کی اور ان کے درمیان پایا جانے والا اختلاف بھی واضح فرمایا: کہ جمہور علمائے امت اور تمام اہل سنت و جماعت حضرت ابو بکر صدیق کو افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین مانتے ہیں اور اہل تشیع، اس کا انکار اور اسکی مخالفت کرتے ہیں سید صاحب اگر افضلیت کا انکار کرتا ہے اور دلیل یہ دیتا ہے کہ یہ ضروریات دین سے نہیں، قبر میں اس کے متعلق سوال نہیں ہوگا، اس کی اس بہانہ جوئی سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا موقف اہل سنت و جماعت کے مذہب کے مغائر ہے سید صاحب نے زبدۃ میں بار، بار اجماع کا انکار کیا ہے، اجماع صحابہ ہو یا اجماع اہل سنت، اس کا انکار اہل سنت و جماعت کیلئے ناممکن ہے کیونکہ اہل سنت و جماعت کے مضبوط دلائل میں سے ایک دلیل اجماع صحابہ بھی ہے، تحقیق و علم کی دنیا میں اجماع کا انکار دلیل قطعی کا انکار ہے جو ایمان کے چولہوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے،، سید صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر قبر میں مسئلہ افضلیت نہیں پوچھا جائے گا تو کیا ضروریات دین کا حصہ بننے والے جملہ امور شرعیہ کا بھی سوال ہوگا؟ بے شک انفراداً، تفصیلاً فرشتے بندے سے تمام ضروریات دین کا سوال تو نہیں پوچھیں گے اور یہ یقینی امر بھی ہے تو کیا پھر فرشتوں کا سوال نہ بننے والے احکام شرعیہ کو چھوڑ دیا جائے؟ اگر سید صاحب کا پختہ ایمان ہے کہ نکیرین افضلیت کا سوال نہیں پوچھیں گے تو پھر بتایا جائے کہ زبدۃ التحقیق کو چار صد صفحات پر پھیلانے کا مقصد؟ آج پوری دنیا اس کے عنوانات، دلائل، اور تبصرہ جات کو پڑھ کر یہ کہہ رہی ہے کہ زبدۃ التحقیق ایک ایسی دستاویز ہے جس میں اجماع صحابہ، جمہور علمائے امت اور تمام اہل سنت اور افضلیت ابو بکر صدیق پر تابزد توڑ جملے کئے گئے ہیں، اس کو سنی کتب سے شمار نہیں کیا جاسکتا،

اور پھر اس میں جا بجا افضلیت ابو بکر صدیق کی نفی اور حوضہ علی المرتضیٰ کے مٹانے کا ذکر ہے جوہ کو افضل البشر

بعد الانبیاء والمرسلین لکھئے اور اس پر ضعیف، سقیم، اور بے بنیاد دلائل ذکر کرنے اور ان کا سہارا لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اگر دینی ضرورت کے ہاتھوں مجبوری اور بے بسی تھی تو یہ ضرورت صرف اہل تشیع کی ہو سکتی ہے اہل سنت و جماعت کی نہیں، سید صاحب کو اہل تشیع کا وکیل اور ترجمان بننے کی کیا ضرورت تھی؟

بہر حال اگر خلافت کے مصداق سے افضلیت کی شق اور شرط کو حذف کر دیا جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد مندرجہ آراء امارت ہونے والے سب امراء کو خلیفہ کہا جائے، اور ان کے تقرر اور استحقاق پر مہر تصدیق ثبت کی جائے جبکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تصریح کہ خلیفہ کیلئے افضلیت شرط ہے اور اس پر اجماع امت ہے کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد آنے والے امراء کے سروں پر تاج خلافت رکھنا محال شرعی ہے۔ کیونکہ وہ افضلیت کے حامل نہ تھے، ماننا پڑے گا کہ خلافت کے عنوان میں لازمی اور بنیادی شرط افضلیت ہے،، اور اس پر اجماع امت ہے۔

شرط افضلیت بطریق دیگر اسلام میں خلیفہ کا انتخاب اور تقرر واجبات شرعیہ میں

سے ہے۔ محدث ابن حجر کی رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿اعلم ایضاً ان الصحابة رضوان الله عليهم اجمعوا على ان نصب الامام، بعد انقراض  
زمن النبوة واجب بل جعلوه اهم الواجبات حيث اشتغلوا به عن دفن رسول الله ﷺ  
واختلافهم في التعيين لا يقدح في الاجماع المذكور ولتلك الاهمية لما توفي رسول  
الله ﷺ قام ابو بكر خطيبا كما سيأتي فقال ايها الناس من كان يعبد محمدا فان محمدا  
قد مات ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت ولا بدل هذا الامر ممن يقوم به فانظروا واهاتوا

اراء کم فقالوا صدقت نظر فيه ﴿ (الصواعق المحرقة: ص ۷۷، ۸۰)

اس امر کا لازماً علم ہونا چاہیے کہ زمانہ نبوت کے اختتام پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس امر پر اجماع کیا کہ امام کا تقرر واجب ہے، بلکہ تقرر امام کو اہم واجبات سے شامل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی تجویز و تکلیف کو چھوڑ کر انتخاب خلیفہ میں مشغول اور مصروف ہو گئے، باوجودیکہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے وقتی طور پر اختلاف کیا مگر یہ اختلاف اجماع صحابہ کیلئے نقصان کا باعث نہیں، کیونکہ تقرر امام ایک اہم اور حساس معاملہ تھا، رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت جناب صدیق اکبر نے بلند پایہ منیٰ بر حقیقت ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اور اعلان فرمایا: لوگو سنو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ تو انتقال فرما گئے ہیں، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ بھی سن لے کہ اللہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی، نظام نبوت کو چلانے اور باقی رکھنے کیلئے خلیفہ کا تقرر ضروری ہے اس اہم معاملے کو وقت نظر سے دیکھو اور اپنی اپنی رائے کا اظہار کرو، سب نے کہا اے صدیق رضی اللہ عنہ آپ نے بالکل سچ کہا ہم اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اسی غور و فکر کی غرض سے تقرر خلیفہ کی اہمیت کو لئے ہوئے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی نامزدگی ہو چکی تھی چونکہ مہاجرین صحابہ کا کوئی فرد اس وقت موجود نہ تھا اس لئے شیخین کریمین یہ خبر سنتے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے وہاں مسئلہ خلافت کے موضوع پر گفتگو جاری اور گرم گرم بحث ہو رہی تھی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی نامزدگی چونکہ انصار کر چکے تھے، اس لئے حضرت سعد بن عبادہ نے بحیثیت امیدوار دلائل دیئے، خدمات اسلام اور احترام نبوت کے حوالے سے انصار کی خدمات کے حوالہ جات پیش فرمائے اور خلافت کا استحقاق جتلیا۔ بعد میں مہاجرین صحابہ کے آجانے پر حالات کا رخ تبدیل ہوا اور باجماع صحابہ تاج خلافت جناب صدیق اکبر کے سر رکھا گیا، محدث مذکور کی عبارت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خلیفہ کا انتخاب تمام واجبات سے بلند ترین اور انتہائی اہم واجب ہے، اس کے اہم واجب ہونے پر اجماع صحابہ ہے اگر مسئلہ خلافت اسلام میں اہم واجبات سے نہ ہوتا تو صحابہ کرام

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

رسول اللہ ﷺ کے کفنِ دفن کے معاملات کو چھوڑ کر خلافت کے معاملہ کو یک سوا اور حتمی شکل دینے کیلئے سقیفہ بنی ساعدہ میں کیوں جمع ہوتے؟ اجماع صحابہ سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ مسئلہ خلافت ضروریات دین اور واجبات شرعیہ میں سے ہے، اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے کہ اسلام میں خلیفہ کا سب سے افضل ہونا ضروری ہے، مسلمہ قانون ہے کہ واجب کا مقدمہ (جس پر واجب کا وجود اور عمل داری) موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے جیسے نماز کیلئے وضو، جس طرح اسلام میں باجماع صحابہ خلیفہ کا تقرر واجبات شرعیہ میں سے ہے اسی طرح باجماع صحابہ خلیفہ کا اپنے تمام اہل زمان سے افضل ہونا بھی واجبات شرعیہ میں سے ہے، ہمارے اس موقف کی تائید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور سرکار گولڑہ شریف سیدنا پیر میر علی شاہ رحمہما اللہ کے اقوال مبارکہ سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں شیخین کی افضلیت اس جماعت پر جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے منطوق آیت سے ثابت ہے اور جماعت متقدمہ پر بمفہوم موافق یعنی جماعت متقدمہ میں سے جس کا انفاق و قتال مقدم ہوگا وہ سب سے افضل ہوگا اور شیخین کا انفاق اور قتال احادیث صحیحہ سے مقدم ثابت ہے لہذا خلافت ان کی خلافت راشدہ و خاصہ ٹھہری جس میں خلیفہ کا افضل ہونا ضروری سمجھا گیا ہے۔ (تصفیہ مابین سنی و شیعہ، ص: ۲۳)

مندرجہ اس اقتباس کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ شیخین کی خلافت مطلق خلافت نہیں بلکہ خلافت راشدہ خاصہ ہے۔

اس کے راشدہ ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ میرے بعد تیس سالوں تک خلافت راشدہ ہوگی، اور خاصہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اجماع صحابہ سے ان کی خلافت ثابت ہے آیت قرآنی بطور دلیل بھی موجود ہے اور دلیل افضلیت قطعیہ ہے جو دیگر لائل کے علاوہ سورہ حدید کی آیت نمبر ۱۰ سے ثابت ہے،

## اسلام میں خلیفہ کا تقرر واجبات شرعیہ میں سے کیوں ہے؟

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ثم ذالك الوجوب عندنا معشر اهل السنة والجماعة وعند اكثر المعتزلة بالسمع اى جهة التواتر والاجماع المذكور﴾ (الصواعق المحرقة، ص: ۸) ترجمہ: خلیفہ کا تقرر واجب ہے، اور اس کے وجوب پر دلیل سمعی یعنی خبر متواتر اور اجماع صحابہ موجود ہے اس کی وجوب شرعی ہونے پر دلیل دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ووجه ذالك الوجوب انه رسول الله ﷺ امر باقامة الحدود وسد الثغور، وتجهير الجيوش للجهاد وحفظ بيضة الاسلام﴾ (ایضاً) ترجمہ: خلیفہ کا چناؤ اور تقرر اس لئے واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدود اسلامی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی، جہاد کیلئے ہمہ اوقات اسلامی افواج کو تیار رہنے اور تیار رکھنے اور اسلامی دار الخلافہ کی مکمل پاسبانی اور دربانی کا حکم دیا ہے، پھر فرمایا یہ امور واجبات میں سے ہیں اور قانون اسلامی یہ ہے کہ: ﴿وما لا يتم الواجب المطلق الا به و كان مقدوراً فهو واجب﴾ (ایضاً) ترجمہ: ہر وہ چیز جس کے بغیر واجب تکمیل پذیر نہ ہوتا ہو اور ہو بھی تحت القدرة یعنی اس کا معرض وجود میں لانا طاقت بشری میں ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔

یعنی یہ امور جن کو بروئے کار لانے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے واجبات میں سے ہیں، لیکن خلیفہ کے بغیر ان امور کو رد و بعثل لانا ناممکن ہے لہذا ان کو معرض وجود میں لانے کیلئے خلیفہ کا انتخاب اور تقرر واجب ہے کیونکہ واجب کا مقدمہ یعنی جس امر پر واجب کا وجود اور عمل داری موقوف ہو، واجب ہوتا ہے، جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ خلیفہ کا چناؤ اور تقرر واجب ہے تو اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ خلیفہ کا معیار اور اہلیت کیا ہونی چاہیے تو یہ بدیہی بات ہے کہ خلیفہ وہی ہوگا جسکے اعصاب مضبوط ہوں گے، ہمت دلیری، جرأت، اور عزم صمیم کا پیکر ہوگا، جو شخص ان فضائل کا جامع ہوگا وہی افضل ہوگا اور وہی خلیفہ ہوگا اسی لئے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے افضلیت کو شرط قرار دیتے ہوئے اس پر اجماع امت نقل فرمایا ہے اسلامی حدود و قضا کا قیام، اسلامی سرحدوں کی نگرانی اور پاسبانی، اسلامی افواج کو ہمہ اوقات

جو کس رکھنا جہاد کیلئے تیاری، دارالخلافت کی حفاظت ضروریات دین میں سے ہیں، ان کا وجود و قیام خلیفہ کے تقرر پر ہے وہ بھی ضروریات دین میں سے ہے، اس لئے خلیفہ کیلئے تمام اہل زمان سے افضل ہونا باجماع صحابہ بھی ضروریات دین میں سے ہوگا۔ سید صاحب کا افضلیت کو ضروریات دین میں سے شمار نہ کرنا غلط ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ان امور کا تحفظ کرنے والا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا چنانچہ آپ کو افضل قرار دیکر خلیفہ منتخب کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعبیر و توضیح اس وقت سامنے آئی جب فتنہ ہائے ارتداد اور مانعین زکوٰۃ نے سراٹھایا، اور آپ نے اپنی خداداد ہمت اور جرات سے ان کا قلع قمع فرمایا۔

جبکہ حضرت عمر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایسے جلیل القدر صحابہ کرام اس نوع کاروائی کے مخالف تھے، مگر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہمت، جرات اور عزم صمیم کا پیکر بن کر اسلام اور بانی، اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کو دبا یا، اور ہر مخالف آواز کا گلا دبوچا، اور عظمت اسلام کو انہی خطوط پر استوار فرمایا جو رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک آنے والی اپنی امت کیلئے متعین فرما رکھے تھے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ابتدائی ایام میں نظر دوڑائیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوقات انتہائی سنگین صورت حال کی غمازی کرتے ہیں، ایک طرف اندرونی اختلافی آراء کا داؤد ہے اور دوسری طرف اسلام اور زکوٰۃ کے خلاف بغاوت اور انکار کا سیل بے کراں اٹھ آیا ہے جس کی تیز رو، اور منہ زور لہروں نے ایمان اور اسلام کے ہتے ہتے شہروں اور قبائل کو نکل لیا ہے مگر ذات صدیق رضی اللہ عنہ نے نعرہ توحید بلند کیا اور ارشاد فرمایا، نگاہ صدیق رضی اللہ عنہ ان شہروں اور علاقوں کو کفر کے ہاتھوں ریغمال اور پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتی جن شہروں اور قبضوں کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اپنے خون مآب پر رکھی تھی، اور ان کے درو دیوار کو اپنی نبوت کے نور سے چمکایا تھا، ایسے ہوشربا اور معرکہ آراء لمحات میں بدامنی، بے چینی کے بڑھتے ہوئے طوفانوں اور کفر کی شعلہ سامانیوں کا رخ پھیر دینا افضلیت ابو بکر صدیق کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

پوری تفصیل کا اجمالی خاکہ اور دوحرفی خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حدود و قصاص کا نفاذ، اسلامی سرحدوں کی

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حفاظت، اسلامی افواج کی تشکیل اور جہاد کیلئے ہمہ اوقات چوکس، اور چاک و چوبندر ہونا، اسلامی دارالخلافہ کی حفاظت، وغیرہ امور اہم الواجبات میں سے ہیں، لیکن ان کا وجود، ظہور، ثبوت اور صدور تقرر خلیفہ پر موقوف ہے لہذا تقرر خلیفہ بھی اہم الواجبات میں سے ہے کیونکہ مذکورہ بالا امور واجب ہو کر تقرر خلیفہ پر موقوف ہیں لہذا تقرر خلیفہ جو اس موقوف (امور مذکورہ بالا) کا موقوف علیہ ہے وہ بھی فقہہ اور اصول فقہہ کی روشنی میں واجب ہوگا، تقرر خلیفہ کیلئے باجماع امت افضلیت شرط، اور واجب ہے مصدقہ امر ہے کہ اسلام میں جو امور واجبہ ہیں وہ ضروریات دین میں سے ہیں، لہذا اثابت ہو کہ اسلام میں خلیفہ کا سب سے افضل ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ سید صاحب کا یہ کہنا کہ افضلیت ضروریات دین میں سے نہیں غلط ہے،

قبل ازیں یہ تحریر ہو چکا ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے خلفائے اسلام (خلفائے راشدہ) کیلئے افضلیت کو شرط لازم کے طور پر تحریر فرمایا ہے، اور اس پر اجماع امت سے استدلال فرمایا ہے،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہما اللہ کا عقیدہ اور اس پر آیت قرآنی سے استدلال بھی سپرد قلم ہو چکا ہے جس کے مطابق ہر دو کالمین نے شیخین کی خلافت کو خلافت راشدہ اور خلافت خاصہ قرار دے کر ان کی افضلیت کو قطعی فرمایا ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ اسلام میں خلفاء راشدہ کی خلافت، خلافت عامہ، غیر راشدہ، اور ثبوت افضلیت اور بدول وجود خیریت نہیں تو گویا جناب صدیق اکبر اور دیگر خلفائے ثلاثہ کی خلافت ارباب عقول کے نزدیک بشرطی کے درجہ میں ہے لا بشرطی کے درجہ میں نہیں، اگر جناب صدیق اکبر کی خلافت سے افضلیت کو سلب کر دیا جائے اور آپ کی خلافت کو لا بشرطی کے درجہ میں لایا جائے جس طرح کہ سید صاحب نے زبدۃ میں بار بار دہرایا ہے تو اس سے درج ذیل خرابیاں لازم آئیں گی۔

## لابشرطی کے درجہ میں لانے سے خرابیاں

﴿1﴾ اجماع اہل سنت کا انکار

﴿2﴾ آیت قرآنی، دلیل قطعی کی مخالفت

﴿3﴾ امراء پر اطلاق خلافت

ان خرابیوں سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ خلفاء اربعہ کیلئے ترتیب خلافت کے لحاظ سے افضلیت کو تسلیم کیا جائے، جس طرح جمہور اور تمام اہل سنت کا عقیدہ اجماع صحابہ کے زیر پرورش اور زیر سایہ چلا آ رہا ہے۔“

### ابن حزم کے قول معارض کا جواب

زبدۃ نے ابن تزم اندلسی کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ جملہ ازواج مطہرات جملہ صحابہ کرام سے افضل ہیں، قرآن حکیم کی آیت: ﴿وَمَنْ يَقْنَتْ مَنْكِنَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُوتَهَا جِرْ هَامَرْتَيْنِ﴾ سے اس پر استدلال بھی کیا ہے کہ وہ (ازواج مطہرات) جمع صحابہ کرام سے افضل ہیں، یعنی سورۃ: ۳۳ کی آیت نمبر ۳۱ نے واضح طور پر بتلایا کہ اگر جمع صحابہ کرام اور پوری امت ایک نیکی کرے تو انہیں ان کے عمل کی مناسبت سے اکہرا ثواب ملے گا مگر ازواج مطہرات وہی عمل کریں تو ان کو جملہ امت کے افراد کے مقابلے میں دو گنا ثواب دیں گے، اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ازواج مطہرات افضل ہیں،، (زبدۃ: ص، ۲۴۸)

### جواباً تحریر کیا جاتا ہے

کہ زبدۃ کی تحریرات، قرآن حدیث کی تصریحات کے مخالف مناقض اور معارض دستاویزات کا مجموعہ ہیں مذکورہ بالا اقتباس ابن حزم کی کتاب، کتاب الفصل فی السئل والاہواء والنحل سے لیا گیا ہے، جلد اول میں اس کے نظریات اور اعتقادات برتھرہ آجکا سے مناسبت مقام کے حوالے سے تھوڑا سا خاکہ

for more books click on the link

مزید پیش کریں گے مگر مذکورہ بالا تحقیق استدلال اور توضیح آیت کریمہ کے بعد اگر ابن حزم آئیہ مقدسہ کے شان نزول کو دیکھتا، اور پھر خود نظم آیت، کلمات مقدسہ پر غور کرتا تو روود آیت کا پس منظر، اور نو تھا اجر ہا مرتین کی تفسیر اور ترجیحی اجر و ثواب کا علم حاصل کر لیتا، مگر چونکہ یہ شخص فرقہ ظاہریہ کا پیروکار اور مبلغ ہے اس لئے نہ شان و روود کی گہرائیوں میں اتر کر دہرے ثواب کی وجوہات تک رسائی حاصل کی اور نہ کلام مقدس کے سیاق و سباق کو ملاحظہ کیا، صحابہ کرام بالخصوص جناب صدیق اکبر کے پائے افضلیت کو گرانے کی غرض سے نہ آیت کریمہ کا سیاق و سباق اور نہ اس حکم کی حیثیت کو سمجھ پایا جس پر عمل داری سے دہرے ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے، آئیے دیکھیں کہ آئیہ مقدسہ کا محمل اور حقیقی معنی کیا ہے، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر دہرے ثواب کی برسات کیوں فرمائی جا رہی ہے؟

### اقول باللہ التوفیق

آئیہ کریمہ جملہ شرطیہ ہے ﴿من یقنت منکن للہ ورسولہ وتمعلم صالحاً﴾ شرط ہے ﴿نو تہا اجر ہا مرتین﴾ اس کی جزا ہے، یہ شرط کس کیلئے ہے، منکن کی مدلول، منطوق ازواج مطہرات کیلئے ہے، اور شرائط کیا ہیں، قناعت اور عمل صالح کی پاسداری، مشروط بہ کیا ہے؟ اجر ہا مرتین، آیت کریمہ کا صاف اور شفاف ترجمہ یہ ہے: (اللہ نے فرمایا) اے نبی کی بی بیو تم میں سے جو زوجہ اللہ کے دیئے ہوئے مال اور رزق پر قناعت اور نیک اعمال کرے گی ہم اس کے بدلے ڈگنا اجدیں گے،

سوال یہ ہے کہ اللہ کے لئے قناعت کرنا عمل صالح نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر انفرادی طور پر ﴿من یقنت منکن﴾ کو پیرائے شرط نو تھا اجر ہا مرتین کو صورت جزا میں ذکر کرنے کا مقصد؟ ان امور کے انکشافات اور ان کی معنویت تک رسائی کیلئے شان نزول کا معلوم ہونا ضروری ہے، ﴿من یقنت منکن﴾ کا سباق ﴿یا ایہا النبی قل لا زواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا و زینتھا﴾ الایہ سے شروع ہوتا ہے اور ﴿ان اللہ کان لطیفاً خبیراً﴾ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

شان نزول میں یہ تحریر ہوا ہے کہ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جب مال غنیمت آنا شروع ہوا، انصار

و مہاجرین کی عورتوں میں خوراک و پوشاک کی نفاست اور جدت سے انقلاب آیا تو ازواج مطہرات نے بھی نبی کریم ﷺ سے نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا، رسول اللہ ﷺ چونکہ سادگی پسند تھے یہ مطالبہ سن کر سخت کبیدہ خاطر ہوئے، اور اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی جو ایک مہینہ تک جاری رہی، اللہ تعالیٰ کو یہ صورت حال پسند نہ آئی اور یہ آیات نازل فرمائیں، جس طرح نبی کریم ﷺ سید الاولین والآخرین، اور ﴿دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی﴾ کی بلند یوں پر فراز اور براجمان ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی بے پناہ عظمتوں اور لامحدود رفعتوں کی علامات اور نشانات ہیں، بلند مرتبہ لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی شمار ہوتی ہیں اس لئے انہیں ایک طرف دگنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور دوسری طرف دگنے ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے، یعنی جس طرح گناہ کا عذاب اور وبال دگنا ہوگا اسی طرح نیکیوں کا اجر ثواب دوگنا ہوگا، اس کا سبب اور وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا: ﴿ینساء النبی لستن کاحدن النساء الا یہ﴾ ترجمہ: اے نبی کی ازواج! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، کیونکہ تمہیں نبی کی ازواج بننے کا شرف حاصل ہے، جو دنیا کی کسی عورت کا نصیب بنانا مقدر، تم قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی امہات طہیبات ہو، تم نے بنی نوع انسان کیلئے بالعموم اور امت مسلمہ کے لئے بالخصوص ایک نمونہ، اسلامی طرز حیات، اور رشد و ہدایت کی روایات بننا ہے، تمہاری نجی معاشرتی، معاشی اور ازدواجی زندگی کو مینارہ نور بنا کر، درس و تعلیم کی صورت میں پیش کرنا ہے اس لئے تمہیں خبردار کیا جا رہا ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہاری مراد و زندگی کے نمایاں عنصر ہوں تو ہم تمہیں باقی خواتین و مردوں کے مقابل دوگناہ اجر و ثواب سے نوازیں گے، اور اگر تم نے ذرہ بھر کوتاہی سے میرے رسول کو ایذا پہنچائی اور وہ اس کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہوئے تو پھر باقی مومنین اور مومنات کے مقابل دوگنا عذاب دیں گے، تمام ازواج مطہرات نے یک زبان ہو کر اعلان کیا کہ ہماری زندگی کا نصب العین اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت رضا جوئی اور خوشنودی ہے، ابن حزم نے ارشاد باری تعالیٰ کا ایک پہلو، اور آدھا حصہ

نقل کیا، کہ دوہرا ثواب ملے گا،

اور آدھا دوسرا حصہ ”کہ دو گنا عذاب بھی دیا جائے گا،“ نقل کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی،

یہ ہے وہ سیاق کلام جس سے یہ مکمل وضاحت ہوگئی کہ دو گنا اجر و ثواب اور دو گنا عذاب دیئے جانے کا فلسفہ اور حکمت یہ ہے، ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ کے حوالہ عقد میں آنے کا ایک اعزاز میسر ہے جس کے بل بوتے انہیں دنیا بھر کی عورتوں پر عظمت و کرامت سے نوازا گیا ہے، جہاں دنیا بھر کی عزت و ناموس، شرافت و کرامت ڈھیر، دنیاوی جاہ و حشم، تکابر و تقاضا سرنگوں اور بے بسی کی تصویر بن جاتے ہیں تو گویا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی، اور رضا مندی دوہرے ثواب و جزاء کا محور ہے اور ناراضگی دو گنے عذاب کا موجب ہے، رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین ہیں، نمونہ تقلید ہیں اس لئے بھی ثواب و تعذیب کا فارمولا اور کلیہ یہی ہونا چاہیے تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام مکرم میں ارشاد فرمایا ہے، اسی عنوان، اور اسی فلسفے کو ایجاز و اختصار میں سمیٹتے ہوئے امام رازی نے فرمایا کہ: ﴿لَمَّا ذَكَرْنَا عَذَابَهُنَّ ضَعْفَ عَذَابِ غَيْرِهِنَّ وَاجْرَهُنَّ مِثْلًا اجْرَ غَيْرِهِنَّ صَرَفْنَا الْحَرَامَ إِلَى النِّسْبَةِ إِلَى الْأُمَّةِ﴾ ترجمہ: جب یہ ذکر کر دیا گیا کہ ازواج مطہرات کا عذاب امت کی خواتین کے مقابلہ میں دو گنا ہے اور اجر ثواب کی نوعیت بھی اسی طرح ہے تو ازواج مطہرات اور ان کی ذوات آزاد عورتوں کی مانند ہیں دیگر خواتین امت ان کے مقابل باندیوں اور لونڈیوں کی حیثیت میں ہیں، باندی، آزاد خاتون کے مقابل آدھی اور نصف ہے اس لئے عذاب و ثواب کے حکم میں یہی اصول مقرر فرمایا گیا ہے، نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات چونکہ آزاد خواتین کی مثل ہیں ان کا ثواب دو گنا، اور عذاب بھی دو گنا، مقرر فرمایا گیا ہے، باقی خواتین امت، باندیوں اور لونڈیوں کی حیثیت میں ہیں اس لئے ان کے عذاب و ثواب کا معاملہ اکہرا یعنی ان کے نصف رکھا گیا ہے۔

سید صاحب نے ابن حزم کے قول کی اتباع کرتے ہوئے، مفاضلہ ازواج مطہرات اور جمع صحابہ

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

کرام بشمول شیخین کریمین کے درمیان قائم کرتے ہوئے کہا ہے کہ دو گنا ثواب دیئے جانے کی وجہ سے ازواج مطہرات شیخین کریمین سے بھی افضل ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ باطل ہے، قرآن وحدیث اس کی تائید نہیں کرتے بلکہ تردید کرتے ہیں، دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) یہ مفاضلہ جمع امت بشمول جمع صحابہ کرام نہیں بلکہ ازواج مطہرات، اور خواتین امت کے درمیان ہے امت کا کوئی مرد اس میں داخل اور شامل نہیں چہ جائے کہ یہ مفاضلہ ابو بکر صدیق دوسرے صحابہ اور ازواج النبی ﷺ کے درمیان ہو، اس کی دلیل یہ آئیہ مقدسہ ہے جو ﴿بِئْسَاءَ النَّبِي لَسْتَن كَا حٰدِمِنَ الْاِنْسَاءِ﴾ کی صورت میں جزو قرآن ہے، ترجمہ: اے نبی کی ازواج تم امت کی کسی بھی خاتون جیسی نہیں ہو، کیونکہ تمہیں ازواج النبی ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہے،

(۲) ومن یقنت منکن سے ما قبل اور مابعد آیات مقدسہ میں ہدایات کا مضمون ہے جو نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو دی جا رہی ہیں، نظم قرآن میں صیغہائے جمع مونث وارد کئے گئے ہیں جن سے واضح ہے کہ جملہ آیات میں بیان شدہ جملہ پند و نصائح ازواج مطہرات کیلئے ہیں۔

(۳) شان نزول دلیل فاصل اور وجہ فیصل کے طور پر موجود ہے۔

(۴) صیغہائے آمدہ جمع مونث ہیں جو رخ کلام اور حکم خداوندی کو ابو بکر صدیق، اور دیگر صحابہ کرام کے ساتھ مقابلہ کے تقاضا اور تعارض کیلئے رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

(۵) اگر یہ کہا جائے یا یہ تسلیم کیا جائے کہ مفاضلہ جمع صحابہ بشمول ابو بکر صدیق اور ازواج مطہرات

کے درمیان ہے اور ازواج مطہرات جمع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں جیسا کہ زبدۃ کے ص

۲۳۷، پر تحریر کیا گیا ہے تو ان امور کا کیا جواب ہے؟

۱: حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں حضرت عائشہ

ابو بکر صدیق، اور حضرت حفصہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کی صاحبزادی ہیں تو کیا یہ ازواج

مطہرات شیخین کی بیٹیاں ہو کر حضرات شیخین سے افضل ہو سکتی ہیں؟

ب: اگر ابن حزم اندلسی کے فارمولے پر اہنا و صدقنا کہا جائے، تو صحابہ، تابعین اور اجماع اہل سنت کے خلاف صریحاً بغاوت نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو ایک مسلمان دائرہ ایمان میں رہتے ہوئے اس کا تحمل ہو سکتا ہے؟

ج: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہما اللہ نے شیخین کی افضلیت قطعیہ جو سورہ حدید کی آیت: ۱۰ سے ثابت کی ہے اس کا انکار اور اس کی تکذیب لازم نہیں آتی؟ ابن حزم کے موقف کو تسلیم کرنے سے محال عقلی، اور محال عادی لازم نہیں آتا؟ علمی دنیا کے لوگ جس امر سے محالات شلشہ میں سے جو بھی محال لازم آ رہا ہو اسکو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں، کیا یہ قاعدہ درست نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب نے افضلیت شیخین کو سلب کرنے کے لیے ضعیف ترین منفی دلائل کی بیسا کھیوں کو استعمال کیا اور غیر اہل سنت و جماعت کی کتابوں کا سہارا لیا، مگر اجماع صحابہ کرام، تابعین اور اجماع اہل سنت کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کو پھلانگ سکا نہ ان کے محکم دلائل کو فتح کر سکا۔ سید صاحب کا ادعا ہے کہ وہ دربار عالیہ قادریہ جیلانیہ سندھو سیداں شریف کا سجادہ نشین ہے، سندھو سیداں شریف راولپنڈی میں ہے۔ اس کا یہ بھی اظہار ہے کہ وہ سید خاندان سے ہے اور حضرت علی کی اولاد میں سے ہے اگر ایسا ہے تو پھر اس کا جسی اور نسبی رشتہ خاندان رسول ﷺ سے ہے جو عراق، بغداد اور مدینہ طیبہ میں ہے، ابن حزم یا اس کے آباؤ اجداد سے اس کا کوئی رشتہ نہیں سید اور علوی ہونے کے ناطے مسئلہ تفصیل کے حل اور تحقیق کیلئے اندلس کی بجائے عراق، بغداد اور مدینہ طیبہ کا رخ کرنا چاہیے تھا، کیونکہ یہی تو وہ مراکز ہیں جنہیں انوار رسالت کی آماجگاہ، علوم قرآن و حدیث کی درسگاہ، رشد و ہدایت کی رصدگاہ، جلال تو حید، اور جمال رسالت کی جلوہ گاہ انوار و تجلیات کی دستگاہ، سلوک و طریقت کی تفسیر، فقر و تصوف کی تعبیر، اعتقاد و عرفان کی تشہیر کا شرف حاصل ہے یہی وہ بلاد مقدسہ ہیں جہاں، علوم نبوت، اور خون رسالت کی بلند پایہ عظمتیں اور کرامتیں آسودہ خاک ہیں، یہی وہ مقامات علیا ہیں۔ جہاں سے صدق و صفائی، تحقیق و تدقیق کے انوار اٹھے اور پوری دنیا کو اپنی آغوش نور میں لے کر نہلایا اور بسایا، عراق،

بغداد، اور مدینہ منورہ سے پہنچنے والے صداقت و حقانیت کے چشمے جو قیامت تک آنے والے ارباب علم کی تشنگی کو بجھاتے رہیں گے ان سے بہرہ ور اور فیضیاب ہونے کی زحمت گوارا نہ کی بلکہ دلی پیاس بجھانے کی غرض سے اندلس کے ابن حزم کے پاس پہنچ گیا، اور اپنے ہم نواؤں میں بانٹنے کیلئے یہ تحفہ لے کر آیا کہ ازواج مطہرات شیخین سے افضل ہیں، آئیے دیکھیں کہ:

عراق بغداد اور مدینہ طیبہ والوں کا مسئلہ تفضیل میں مبلغ علم اور حتمی فیصلہ کیا ہے؟

محب طبری نقل فرماتے ہیں: ﴿عن ابی الدرداء قال رأی النبی ﷺ امشی امام ابی بکر

، فقال یا ابا الدرداء اتمشی امام من هو خیر منک فی الدنیا والاخرۃ؟ ماطلعت شمس ولا

غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر﴾ (الریاض النضرۃ: ۱، ص: ۱۳۶)

ترجمہ: ابی الدرداء سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کے آگے چلتے ہوئے دیکھا تو

فرمایا کہ اے ابا الدرداء تو ایسے شخص کے آگے چلتا ہے جو دنیا اور آخرت میں تجھ سے بہتر (افضل) ہے

، کبھی سورج طلوع ہوا نہ غروب کسی بھی شخص پر انبیاء اور رسولوں کے بعد جو ابو بکر سے افضل ہو، حدیث

پاک میں عموم ائسی ہے کیونکہ ماطلعت ولا غربت شمس نفی ہے علی احد انکرہ محضہ ہے، عموم ائسی کی موجودگی

جناب آدم علیہ السلام کے زمانہ اقدس سے لیکر فرمان رسول ﷺ کے اوقات تک کو شامل ہے جس نے

یہ ثابت کر دیا ہے کہ اولاد آدم میں کوئی مرد ہوا ہے۔

نہ ہوگا کوئی خاتون ہوئی ہے نہ ہوگی جو انبیاء اور رسولوں کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہو

، لگے ہاتھوں ایک اور حدیث جس کو محبت الدین طبری نے حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام

باقر رضی اللہ عنہما کی زبانی دیگر آئمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم سے روایت فرمایا ہے، روایت اس طرح ہے:

﴿عن جعفر بن محمد و قد سئل من ابی بکر فقال ما اقول فیہ لا اقول فیہ الا خیر او قال

الا الخیر بعد حدیث حدیث ابی محمد قال حدثنی ابی الحسن قال سمعت ابی علی بن

ابی طالب یقول رسول اللہ ﷺ یقول ماطلعت شمس ولا غربت الحدیث بتمامہ ثم

قال لا انالنى الله شفاعه جدى ان كنت كذبت فيما رويت لك وانى لا رجو شفاعته  
يوم القيامة يعنى ابابكر (الرياض النضرة: ۱، ص: ۱۲۶)  
ترجمہ: امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق  
رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان سے کسی نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا میں خیر (بچی بات) کے علاوہ  
کچھ نہیں کہوں گا، اس حدیث کے بعد جو میں نے اپنے والد محمد سے سن رکھی ہے امام محمد (زین العابدین)  
نے اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ سے سماعت کی اور انہوں نے اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ سے  
(اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سورج نہ طلوع ہوا اور نہ غروب کسی بھی شخص پر  
جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہو۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے جدا مجھ ﷺ کی شفاعت نصیب نہ فرمائے جو کچھ میں نے روایت کیا ہے اگر اس  
میں نے کذب بیانی سے کام لیا ہو تو اور میں پر امید ہوں کہ قیامت کے دن جناب صدیق اکبر  
میری شفاعت فرمائیں گے، حدیث مذکورہ میں آئمہ عظام رضی اللہ عنہم کا نسب یوں ہے جعفر صادق  
بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی رضوان اللہ علیہم روایت کے اس سلسلہ میں حضرت  
امام زین العابدین کا بھی اسم گرامی ہے وہ اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے  
ہیں، تدریب الراوی کے حوالے سے سید صاحب نے تحریر کیا ہے کہ سب سے صحیح الاسانید (اوپنچی  
سے اوپنچی سند) کون سی مانی جاتی ہے؟ کہتے ہیں امام زین العابدین علیہ السلام روایت کریں امام حسن  
علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام سے اور وہ روایت کریں حضرت المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے وہ روایت  
کریں سید الانبیاء علیہ السلام سے وہ حدیث ساری حدیثوں کی سردار ہے، (نعرۃ حیدری، ص: ۱۶)  
تدریب الراوی کے حوالے سے جو سید صاحب نے صحیح الاسانید اور حدیثوں کی سردار حدیث کیلئے جو  
کلیہ بیان کیا ہے مذکورہ حدیث پر پوری طرح صادق اور منطبق ہے کیونکہ مذکورہ حدیث امام زین  
العابدین رضی اللہ عنہ اور وہ اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت علی

المرقزی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے تو یہ حدیث اصح الاسانید بھی ہے اور تمام احادیث کی سردار بھی ہے۔

یہ حدیث الریاض النضرہ ۱: ۱۰۶، ۱۳۶، پر محبت الدین طبری نے نقل کی ہے، محبت الدین طبری بقول سید صاحب سنی ہیں اور کتاب بھی اہل سنت کی نامی کتاب ہے، اس کتاب کو آپ چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ یہ اہل سنت کی کتاب نہیں ہے اس کتاب کے حوالہ جات علمائے بریلی شریف علمائے دیوبند، علمائے اہل حدیث نے بھی دیئے ہیں (نعرہ حیدری ص: ۱۵)

سید صاحب نے حدیث کی سیادت، ثقاہت اور صحیح ترین ہونے کیلئے یہ شرط عائد کی تھی کہ راوی امام زین العابدین، امام حسین، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہوں اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کریں یہ حدیث چونکہ سید صاحب کی جملہ شرائط کو پورا کرتی ہے لہذا سید صاحب پر علمی، تحقیقی اور اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کہ انصاف و دیانت کا دامن تھام کر وہ تسلیم کرے، اور اعلان کرے کہ ابن حزم کی قیادت شخصی اور سیادت علمی پر اعتماد کرتے ہوئے میں نے زبدۃ: ۲۳۸، پر جو یہ تحریر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات جمیع صحابہ کرام سے بشمول شیخین کریمین افضل ہیں، غلط ہے، اگر وہ خود تسلیم کردہ کتاب سنیت میں مندرج اصح الاسانید کی حامل روایت کو صحیح تسلیم کرتا ہے نہ اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو کتاب سنیت (الریاض النضرہ) سے خود فتویٰ لے لے کر اس کا عقیدہ اور مسلک کیا ہے؟ اگر اپنے ہی مقرر کردہ اصول حدیث کی روشنی میں، مذکورہ حدیث کو تسلیم کرنے سے عاری ہے یا کوئی دشواری ہے تو بتانا پڑے گا کہ حدیث مرفوع کے مقابل گم گشتہ راہ شخص کے قول مردود کو کیوں ترجیح دے رہا ہے؟ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اجماع صحابہ، جمہور علمائے امت، کے مقابل بھٹکے ہوئے شخص کی ذاتی رائے کو اپنانا اور ترجیح دینا فکر اسلام ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ الریاض النضرہ ۱: ۱۰۶، ۱۳۶، سے دو مرفوع احادیث سے ابن حزم کے ذاتی قول کا معارضہ پیش کیا گیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ابن حزم اندلسی اور اس کے متبع سید صاحب کا یہ تحریر کرنا کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات شیخین اور

دیگر صحابہ سے افضل ہیں غلط اور خلاف نقل ہے، پھر تحریر کیا کہ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے مقابلے میں ازواج مطہرات افضل ہیں قارئین اور ناظرین حضرات بفضل اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کی شان اور پسند و نصح کے بیان پر مبنی آیات کا سلسلہ سیاق و سباق اور شان نزول کے عنوانات میں ہم زیب قرطاس اور سپرد قلم کرائے ہیں جس سے ادنیٰ شعور اور معمولی سمجھ بوجھ کا حامل شخص آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ فضیلت میں تقابل صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے درمیان نہیں بلکہ خواتین اسلام دیگر مومنات اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے درمیان ہے۔ جنہوں نے انصار و مہاجرین کی آمدنی اور خوشحالی کو دیکھ کر اپنے لیے بھی نان نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا تھا ابن حزم فرقتہ ظاہریہ کا پیروکار اور متبع نظریات تھا اس نے ومن یقنت منکن الایہ کو دیگر آیات بینات سے الگ کیا اور ظاہری معنی پر اکتفاء اور انحصار کرتے ہوئے فضیلت ابو بکر صدیق کی نفی پر استدلال کیا، جو آیات بینات کی روشنی میں غلط اور باطل ہے، آیت کریمہ کو دیگر آیت کے ساتھ ربط اور ضبط سے کاٹ کر ظاہری اور من پسند معنی تحریر کرنا تحقیق ہے؟ سید صاحب کے نزدیک تو ہے مگر واقفان علم و دانش کی نظر میں یہ تحریف لفظی بھی ہے اور معنوی بھی۔

اور یہ امر نہایت ہی تعجب خیز ہے کہ سید صاحب اس لفظی اور معنوی تحریف کو تحقیق کا درجہ دیتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر نہ ہی نصی اجماع ہوا ہے اور نہ ہی سکوتی اجماع ہوا (زبدۃ ص 248) ابن حزم کی تحریر کو تحقیق اور حقائق سمجھنے اور تحریر کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ ابن حزم فضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر ہے اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت عائشہ حضرت حفصہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جناب شیخین کریمین سے افضل ہیں یہ شخص شیخین کریمین کی صاحبزادیوں کو ان سے افضل قرار دے رہا ہے باوجود یہ کہ شیخین کریمین کی فضیلت دلیل قطعی (آیت قرآنی) سے ثابت ہے۔

یہ بات بالائے علم و فہم ہے کہ ابن حزم ظاہری کی بے منطق، غیر مرتبط، اور غیر منطبق، جمہور مخالف، اور ذاتی رائے کو سید صاحب نے تحقیق اور حقائق کیوں کہا اور کیوں تحریر کیا؟ اور افضلیت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہونے والے اجماع کا کیوں انکار کیا ہے؟ اب رہی یہ بات کہ افضلیت

اجماع سکوتی بھی حجت شرعیہ ہے، مگر ابوبکر پر اجماع نصی تام ہوا ہے

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نصی ہوا ہے یا سکوتی؟ یا بالکل نہیں ہوا۔ اس کی مفصل بحث عمدۃ التحقیق کی پہلی جلد میں آچکی ہے لیکن موقع محل کی مناسبت سے کچھ تھوڑا سا تبصرہ کرنا تقاضائے مقام اور توضیح بیان ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا، عمر و ابوعبیدہ بن الجراح ہمیں دو کس اندکہ اول با ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ در سقیفہ بیعت نمودہ اند بعد ازاں دیگران و ہر دو دران وقت در حق ابوبکر گفتہ اند کہ انت خیرنا و افضلنا۔

ترجمہ: تو بہترین یا ہستی و بزرگ ترین ما و این کلمہء ایشاں را جمیع حاضران از مہاجرین و انصار انکار نہ کردہ۔ بلکہ مسلم درشتہ پس خیریت و افضلیت ابوبکر نزدیک جمیع صحابہ مسلم اثبوت و قہعی بود (تحفہ اثنا عشریہ۔ ص۔ ۲۷۱)

ترجمہ: سقیفہ بنی ساعدہ میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح نے کی اور ان کے بعد دیگر صحابہ نے بیعت کی، بوقت بیعت ان دونوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں کہا کہ آپ ہم سب سے بہتر اور ہم سب سے افضل ہیں ان حضرات کے یہ الفاظ افضلیت سقیفہ میں موجود انصار و مہاجرین کے تمام صحابہ کرام نے سماعت فرمائے، مگر کسی صحابی نے انکار نہ کیا بلکہ اسکو تسلیم کیا، جس سے واضح ہوا کہ صحابہ کے نزدیک بھی افضلیت ابوبکر قطعی تھی ظنی نہیں تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی یہ وضاحت محتاج تشریح اور محل تاویل نہیں عام فہم اور سادہ ہے، جس سے ثابت ہوا کہ انتخاب خلیفہ کے وقت انصار و مہاجرین کے تمام صحابہ عظام موجود تھے۔ ﴿انت خیرنا و افضلنا﴾ کے الفاظ حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما دونوں نے کہے تمام صحابہ نے سماعت فرمائے، مگر انصار و مہاجرین کے صحابہ میں سے کسی فرد صحابی نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خیریت اور افضلیت کا انکار کیا نہ معارضہ، بلکہ سب نے تسلیم کیا جس سے

افضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع صحابہ ثابت ہوا، اور افضلیت بصورت قطعی پایہ ثبوت کو پہنچی یہ شاہ صاحب کی عبارت میں موجود دو جملوں سے بالکل ثابت اور واضح ہے۔

دراں کلمہ ایشاں را انت خیرنا و افضلنا، جمیع حاضران از مہاجرین و انصار انکار نہ کردہ بلکہ مسلمہ داشتہ سے ثابت ہوئی ہے مہاجرین اور انصار صحابہ کا سماعت فرمانا اور انکار نہ کرنا بلکہ تسلیم کرنا افضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع صحابہ دلیل قطعی نہیں؟ بالفرض اگر انصار و مہاجرین کے تمام صحابہ سن کر خاموش رہے تصدیق کی نہ تکذیب پھر بھی یہ اجماعی سکوتی ہے اور حجت شرعیہ ہے اور مفید قطعیت ہے کیونکہ سکوت تقریر حکم کیلئے مفید ہے۔

انت خیرنا و افضلنا میں حکم خیرنا اور افضلنا ہے جمیع صحابہ نے تسلیم کرتے ہوئے اس حکم کو پختہ اور محکم کیا جس سے افضلیت ابو بکر صدیق قطعی محکم اور اجماعیہ ہوگئی اسی لیے امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلیفہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے معاصرین میں سب سے افضل ہو بلکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خلیفہ کے افضل ہونے پر اجماع امت ہے اور اس پر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہؓ ایسی الجرح رضی اللہ عنہ کا انصار و مہاجرین صحابہ کے مجمع عام میں انت خیرنا و افضلنا کہنا اور کسی سمت اور کسی صحابی کے منہ سے اس کی تردید اور تکذیب کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ستیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابہ کے نزدیک مستلمات میں سے ہے اور اسی کا نام اجماع صحابہ ہے۔

جس میں اتحاد و یگانگت کا رنگ غالب ہے تفرق، تشتت، انکار و مخالفت کی کوئی آمیزش نہیں، "اگر اس اجماع کے نفس العقاد پر اجماع سکوتی کا خول چڑھا دیا جائے تو پھر بھی یہ حجت شرعیہ ہے فکر مخالف کیلئے مفید ہے نہ دلیل وجہ یہ کہ اجماع سکوتی اپنے حکم میں خبر متواتر کے درجہ میں ہو کر لائق اعتقاد اور موجب عمل ہے اصول الشاشی میں ہے، "ثم الا جماع نبص البعض و سکوت الباقین فهو بمنزلة المتواتر" پھر وہ اجماع جس میں بعض دعویٰ کریں یعنی کوئی حکم پیش کریں اور بعض اہل رائے چپ رہیں یہ اجماع اعتقاد اور عمل میں خبر متواتر کی طرح ہے، خبر متواتر دلیل قطعی ہے اور

لائق عمل ہے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے قول انت خیرنا و افضلنا پر اگر بقیہ تمام صحابہ نے خاموشی بھی اختیار کر لی ہو تو بھی انت خیرنا و افضلنا کا قول مفید قطعیت ہے جو باجماع صحابہ اجماع سکوتی ہے ثابت اور متحقق ہے لیکن جناب صدیق اکبر کی افضلیت پر اجماع سکوتی نہیں بلکہ اجماع غنسی تام ہوا ہے۔

ستیفہ بنی ساعدہ میں جب انصار نے کہا کہ منامیرو منکم امیر تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تین خصوصیات کا ذکر فرمایا۔

- 1: ابو بکر قرآن میں ثانی اثین اذہما فی الغار ہیں۔ 2: اذ یقول لصاحبہ لا تحزن
- 3: اناللہ معنا کے مصداق ہیں۔

اور یہ تین فضیلتیں جناب صدیق اکبر کے لیے نصی قرآنی سے ثابت ہیں جو افضلیت ابو بکر کو اندھیری رات میں چودہویں کے چاند سے بھی زیادہ روشن اور تابدار کر رہی ہیں اور پھر اعلان فرمایا کہ ابو بکر کے علاوہ کوئی بتائے سامنے آئے جو ان فضائل کا حامل ہو، اے معشر انصار تم بخوبی جانتے ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی علالت کے ایام میں نمازوں میں ابو بکر کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا:

”فا یکم یطیب نفساً ان یتقدم علی ابی بکر فقاتل الا انصار نعوذ باللہ ان نتقدم علی ابی بکر شرح شمائل نسائی ابو یعلیٰ حاکم“

ترجمہ: تم میں سے کون ہے جو ابو بکر کو پیچھے کر کے خود منصب خلافت پر متمکن ہو انصار نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم ابو بکر پر پیش قدمی کریں مہاجرین صحابہ کے نمائندہ کن ایشیت سے انصار کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خواص لازمہ پتہ کو بیان کرنا ماہیت افضلیت کا فرد کامل اور وجود انحصار اور دنیا اور دنیا کے افضلیت کا بے تاج بادشاہ ثابت کرنا انہی خصائص کے مماثل، مساوی شخص صحابی کو سامنے لانے کا چیلنج دینا، انصار کا نعوذ باللہ کی گونج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ دلائل اور خواص لازمہ پتہ کو بسرد چشم قبول کرنا اور مطالبہ خلافت سے دستبرداری کا اعلان کرنا اور دست صدیق پر بیعت کر لینا اجماع غنسی تام نہیں تو اور پھر کیا ہے؟

علم و تحقیق کی دنیائے دلائل و شواہد کے دریا بہا دیئے ہیں کہ افضلیت ابو بکر پر صحابہ کا اجماع ہے مگر سید صاحب اور اس کے مقتدایاں ایسے ہیں کہ سب کچھ دیکھ، اور پڑھ لینے کے بعد بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رہتی، خلاصہ تحریر کی صورت میں اہل سنت و جماعت اور جمہور علماء امت کا موقف یہ ہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق پر صحابہ کرام کا اجماع نصی تام ہوا ہے جو آپ کے لیے خلیفہ رسول ﷺ بننے کا باعث اور موجب بنا، اجماع پر تفصیلی بحث بجز اللہ جلد اول میں آچکی ہے تفصیل میں جائے بغیر اختصار کی روشنی میں آگے چلتے ہیں ☆ با اللہ التوفیق ☆

### اجماع کیا ہے؟

اجماع کا لغوی معنی العزم والافتاق ہے۔ یعنی پختہ ارادے اور اتفاق کا نام اجماع ہے۔

اور علمائے اصول کی اصطلاح میں اتفاق علماء "کل عصر من اهل السنة زوى العدالة والا جتهاد بعد

عهد النبی علیہ السلام علی حکم من احکام الشرعیہ" (حاشیہ اصول الشاشی ص ۱۲۶)

ترجمہ: رسول ﷺ کے زمانہ نبوت کے بعد احکام شرعیہ میں سے کسی حکم شرعی پر ہر دور کے اہل عدل اور اہل اجتہاد علمائے اہل سنت کا متفق ہونا اجماع کہلاتا ہے۔

صحابہ کرام نے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع کیا شارح بخاری امام قسطلانی نے نقل فرمایا: "واما البعدیة فی الرتبة فیقال فیہا الافضل بعد الانبیاء ابو بکر وقد اطبق علی انه افضل

الامة حکمی الشافعی وغیره اجماع الصحابة والتابعین علی ذالک" (حاشیہ بخاری ص ۵۱۶)

ترجمہ: بخاری کے باب فضل ابی بکر بعد النبی میں بعد بیئہ رتبہ ہے جس کا معنی ہے کہ تمام انبیاء کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور اس بات پر سب علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الامت ہیں حضرت امام شافعی اور دیگر آئمہ نے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ جس سے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے عقیدے کا واضح اظہار ہے کہ وہ بھی افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قطعیت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس قطعیت کی بنیادوں میں صحابہ اور تابعین کا اجماع کا فرما ہے۔ سید صاحب تو افضلیت ابو بکر صدیق کا قائل ہی نہیں اگر کسی

مجبوری کے ہاتھوں اس پر بے بسی اور در ماندگی مسلط ہوتی ہے تو افضلیت ظنیہ پر اتر آتا ہے جو چاہے اس کا حسن کرشمہ ساز کرے لیکن امام شافعی رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف افضلیت قطعیہ کا عقیدہ رکھتے ہیں آئیے دیکھیں اس کی دلیل کیا ہے؟ ملاحظہ ہو۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے جائے ولادت میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے اختلاف اقوال کی بناء پر آپ فلسطین، یمن، یا عسقلان میں پیدا ہوئے، دو سال کی عمر تھی کہ آپ مکہ مکرمہ میں لائے گئے ۲۰۴ھ میں چون برس کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے اناللہ وانا الیہ راجعون، آپ کی حیات طیبہ کے شب وروز تابعین، تبع تابعین کی ذوات مقدسہ ان کی تعلیمات اور ہدایات سے تابدار اور تابناک ہیں، مکہ مکرمہ تو رشد و ہدایت کا مرکز، انوار و تجلیات کا مہبط ہے صحرائے عرب کی گرم نضاؤں اور فرزند ان توحید کے درو بام پر، ﴿حییر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم﴾ کا نور برس رہا ہے صحابہ کی زندگیوں کے نقوش ہر قلب و جگر میں صحائف آسمانی کی طرح راسخ اور پیوست کئے جا رہے ہیں صحابہ و تابعین کے کارہائے حیات زبان زد عام ہیں صحابہ و تابعین کے قول و فعل کو الہامی جان کر اور بعد میں آنے والی امت مسلمہ کی امانت گردان کر دیانت سے مسلح ہو کر حفظ و یادداشت کا پہرہ دیا جا رہا ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی چشم ہوش تو مکہ مکرمہ میں کھلی ہے جو رسول ﷺ اور صحابہ کا وطن اور جائے ولادت ہے وحی کا مرکز تعلیم و تعلم کی آماجگاہ رشد و ہدایت کی درسگاہ ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے تحقیق و تدقیق کی ایسی جگہ چشم ہوش کھولی ہو جو جگہ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان ﷺ تک تمام انبیاء اور رسولوں کی عقیدت، محبت، عبادت اور منشور کا مرکز چلی آرہی ہو امام شافعی رضی اللہ عنہ الہامیات کے اس سمندر نا پیدا کنار سے علمی پیاس بجھائیں اور کائناتی واقعات میں سے ایک سچائی کا علم نہ ہو کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ کا اجماع ہوا تھا جسکو تابعین نے اپنایا اور جزو عقیدہ بنا کر بعد میں آنے والوں کے لیے قابل اتباع اور نشان منزل قرار دیا تھا۔ امام شافعی کا زمانہ ﴿حییر القرون قرنی ثم الذین یلونہم﴾ کے اقرب ہے امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول (اجماع صحابہ اور تابعین) اور بواسطہ

تابعین تبع تابعین صحابہ سے تحقیق اور سماعت ہے جو دلیل اور حجت ہے جس کا انکار اور جس میں شک وارتیاب ممکن ہی نہیں جبکہ سید صاحب اور اس کے ہم نواؤں کا قول (افضیلت ابو بکر صدیق پر اجماع صحابہ نہیں ہوا) بہت بعد کا ہے دونوں میں بون بعید ہے۔ سید صاحب نے بار بار اجماع کا انکار اور اس پر اصرار کیا ہے جس سے بالجزم یہ کہنا حق ہوگا کہ افضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ اور تابعین کے اجماع کا انکار علوم ربانیہ احکامات یزدانیہ کی جلوہ گاہ مکہ مکرمہ کی آواز نہیں بلکہ یہ اندلس کی پیداوار ہے جو دلیل ہے نہ حجت اسی اجماع کی بدولت جمہور علمائے امت اہل سنت و جماعت افضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قطعیت کا عقیدہ رکھتے ہیں ہم نے اپنی سوچ و فکر کی پوری قوت اس بات کے تلاش کرنے پر صرف کر دی ہے کہ آخر افضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قطعیت اور اجماع کے انکار پر اتنا زور اور نفی پر اتنا ڈنڈہ اور کیوں پٹیا جا رہا ہے تو غور عمیق اور فکر انیق کے بعد ہم یہ سمجھ پائے ہیں کہ افضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع صحابہ کی علت حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قول انت سیدنا و افضلنا ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں دلیل افضیلت کے طور پر پیش کیا گیا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فرمایا تمام صحابہ بشمول انصار و مہاجرین نے اسکو تسلیم کیا اور اس پر اتفاق کیا یہ اجماع صحابہ ہے جس نے افضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بدرجہ قطعیت ثابت کر دی۔ ملاحظہ ہو:

تحفہ اثنا عشریہ۔ ص۔ ۲۷۱۔ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار صحابہ کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ابو بکر صدیق کی جو خصوصیات قرآن نے واقعہ ہجرت کے عنوان میں بیان فرمائی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی علالت کے ایام میں منصب امامت سنبھالنے کا جو شرف بخشا ہے ان کو زیر نظر رکھو، اور اگر ان صفات کا حاصل کوئی شخص ہو تو اسکو آوازے گروہ انصار اس آسمان نیلگوں کے نیچے فضیلت کی اوج کمال کو چھونے والا ان خواص کے مدلول، منطوق کو سمیٹنے والا ان خواص کی عظمتوں اور وسعتوں کے بحر بیکراں کی شناساوری کرنے والا ایک ہی شخص اور فرد اخص ہے جو صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے تم اسکو پیچھے کر کے نظر انداز کر کے اس سے سبقت کر کے منصب خلافت کا استحقاق

رکتے ہو؟ صدق و حقانیت سے لبریز شواہد و دلائل سے مزین اس خطاب کو سن کر انصار نے برملا اعلان فرمایا ”نعوذ باللہ ان نقدم ابابکر“

سید صاحب اور اس کے ہم نواؤں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پیار ہے اور نہ ان کے دلائل و بیان کا اقرار ہے اس لیے اجماع صحابہ کے انکار اور اس پر اصرار کے پردوں میں حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما سے برات اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں کبھی یہ کہا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی قول ہے دوستانہ بات ہے کبھی یہ لکھا کہ قول عمر رضی اللہ عنہ حدیث شاذ ہے حدیث موقوف ہے جب کہ ایسا نہیں بفضل اللہ ہم نے اس پر اصول حدیث کی روشنی میں حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی حقیقت اور اصلیت پر عمدۃ التحقیق کی پہلی جلد میں سیر حاصل بحث نقل کر دی ہے یہاں دہرانا مناسب نہیں خلاصہ بحث یہ ہے کہ اجماع صحابہ کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ اقرار کی صورت میں افضلیت عمر اور افضلیت حضرت ابو بکر صدیق کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ دونوں باتیں باقلانی اور اندلسی ٹولہ کے مزاج کے خلاف ہیں ان کی طبائع گونا گوں پر بارگراں ہیں اس لیے وہ اس سے افتاد خیزاں اور گریزاں ہیں اگر اجماع صحابہ کو حضرت صدیق کی افضلیت پر تسلیم کر لیں تو ان کے نزدیک دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔

۱۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ”افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین“ ہونگے جبکہ ان کا موقف یہ ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء اور خیر البریہ اور الصدیق الاکبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

۲۔ اجماع صحابہ دلیل قطعی ہے اجماع صحابہ تسلیم کرنے سے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قطعی ماننا پڑیگا جبکہ ابن حزم، اندلسی، ابن عبد البر اور باقلانی وغیرہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں تو افضلیت ظنیہ کے اس لیے وہ اجماع صحابہ کا ہی انکار کرتے ہیں جسکو تسلیم کرنے سے ان کے تمام موافق کی تردید ہوتی ہے یعنی نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے قول سے معارضہ اور اس کا جواب

سید صاحب افضلیت تامہ مطلقہ اور اجماع صحابہ کی نفی پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالے سے معارضہ کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ اگر حضرت اکبر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت تامہ مطلقہ پر

اجماع ہوا ہوتا تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان حضرات کے اسماء گرامی اہل سنت کی فہرست میں کیونکر دیتے؟ (زبدۃ التحقیق - ص - ۲۳۸)

جواباً کہا جاتا ہے

کہ تھوڑا سا پہلے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحقیق اور عقیدہ تحفہ اثنا عشریہ - ص ۲۷۱ سے نقل ہو چکا ہے کہ حقیقہ بنی ساعدہ میں تمام صحابہ بشمول انصار و مہاجرین کے اجماع سے افضلیت قطعیہ ثابت ہو چکی ہے تحفہ کے یہ الفاظ بطور خاص برہان قاطع اور دلیل ساطع ہیں مثلاً و اس کلمہ ایشاں راجع حاضران از مہاجرین و انصار انکار نہ کردہ بلکہ مسلم داشتہ پس افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نزد جمیع صحابہ مسلم الثبوت و قطعی بود، جب تمام صحابہ مہاجرین اور انصار نے انت خیرنا و افضلنا کو تسلیم کر لیا مہر تصدیق ثبت کردی اور انکار نہ کیا تو صحابہ نے افضلیت قطعیہ پر اپنا اجماعی اور اجتماعی فیصلہ دے دیا، اب ماننا پڑے گا کہ جمیع صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی قطعیت پر متفق تھے کوئی بھی اس کا منکر تھا نہ مخالف علمائے اصول نے تصریح فرمائی ہے کہ تمام صحابہ کا کسی چیز پر متفق ہونا اجماع صحابہ ہے، اور جس چیز پر اتفاق ہوا ہے اس کا ثبوت اور وجود قطعی ہے کیونکہ وہ اجماع جو دلیل قطعی ہے کی بناء پر ثابت اور موجود ہوا۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہونے والے اجماع صحابہ اور اس سے ثابت ہونے والی افضلیت قطعیہ کو آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن کر دیا ہے سید صاحب اور اس کے ہم نوا کس چکر میں پڑے ہوئے ہیں جمیع صحابہ سے ثابت ہونے والی افضلیت قطعیہ تابعین اور تبع تابعین کو اعتقادی ورثہ میں ملی جو اس دور سے لے کر آج تک جمہور علمائے امت اور اہل سنت و جماعت کا شعار اور عقیدہ حلی آری ہے اس اعلان عام کے بعد شاہ صاحب اس کے مغائر اور مخالف عقیدہ رکھنے والوں کو اہل سنت و جماعت کی صفوں میں اذن داخلہ اور ایستادہ ہونے کی اجازت کیوں کر دے سکتے ہیں اور ایسے لوگوں کی اقتداء میں نماز کی جوازیت کا فتویٰ کیوں صادر فرما سکتے ہیں؟ سید صاحب کو مغالطہ لگا ہے شاہ صاحب کی عبارت کے فہم اور ادراک سے قاصر رہے“

(فتاویٰ عزیز یہ فارسی۔ ج۔ ۱۔ ص ۱۸۱۔ بحوالہ زبدۂ ص۔ ۲۰۷ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نقل)  
فرمودہ سوال اور عبارت یہ ہے آنکہ امامت تفضیلیہ جائز است یا نہ؟ در صلوة مقتدیان او کہ اہل سنت  
باشند چه حکم است؟

جواب آنکہ تفضیلیہ دو قسم اند اول کسانیکہ حضرت علی مرتضیٰ را بر شیخین تفضیل میدهند و لیکن  
در محبت شیخین و تعظیم انہما و مناقب و مدارج انہما و اتباع روش و طریقہ تمسک با اقوال و افعال انہما سرگرم  
و راسخ قدم اند مانند آنکہ اہل سنت با وجود تفصیل شیخین پر جناب مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ بوجہ کہ مذکور  
شد نسبت بجات مرتضیٰ کمال رسوخ و محبت اتباع بر انہما و تمسک بقول و فعل آنجناب سرگرم اند این قسم  
تفضیلیہ در خل سنیان اند لیکن دریں سلسلہ خطا کردہ اند۔

ترجمہ: تفضیلیہ شیعہ کی دو قسمیں ہیں 1: وہ لوگ ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین پر  
فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت و تعظیم میں نہایت ہی سرگرم پر جوش ہیں شیخین کے مناقب اور مدارج  
بیان کرنے اور شیخین کے طریقہ اور روش کی اتباع نے اور شیخین کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں  
نہایت ہی مستعد (چاک و چوبند) اور راسخ قدم ہیں جیسا کہ اہل سنت حضرت علی کو فضیلت دینے کے  
صرف شیخین کی افضلیت پر اسی طرح راسخ قدم ان سے محبت ان کے طریقہ زیست کی اتباع اور ان کے  
قول و فعل کے لزوم میں سرگرم ہیں تفضیلیہ کی یہ قسم سنیوں میں داخل ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے  
خطا سے کام لیا ہے اس ساری کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جو فرقہ تفضیلیہ حضرات شیخین سے محبت کرتا ہے  
اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انکی جو تعریف و توصیف بیان کی ہے صمیم قلب سے ماننا اور اقرار و  
ظہار کرتا ہے شیخین کے اقوال مبارکہ اور افعال مقدسہ پر سختی سے کار بند ہے ان کی اتباع اور اقتداء  
سے انحراف نہیں کرتا صرف حضرت علی المرتضیٰ کو شیخین سے افضل سمجھتا ہے یہ فرقہ اہل سنت و جماعت  
میں داخل ہے۔

مگر حضرت علی المرتضیٰ کو شیخین سے افضل قرار دیکر انہوں نے خطا کا ارتکاب ہے۔ معلوم  
ہوا شیخین کریمین کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ اور طریقہ رکھنے کے باوجود اگر حضرت

علی المرتضیٰ کو شیخین سے افضل قرار دیتا ہے خطا کا رہے تو جو شخص اجماع صحابہ جو شریعت کی تیسری دلیل قطعی ہے کا منکر ہے شیخین کی محبت اور اسوہ کی اتباع کو ہدف تنقید بناتا ہو اس کے بارے میں شاہ صاحب مرحوم کا نظریہ کیا ہو سکتا ہے؟ اس نے کونسی خطا کی ہے؟ اور خطا کے کس درجے پر فائز ہے؟

تفضیلیہ کی اس پہلی قسم اور اہل سنت و جماعت کے درمیان جو اختلاف ہے اس اختلاف کو اشاعرہ اور تردید کا اختلاف کہا گیا ہے یہ اختلاف علی الاطلاق تفضیلیہ کے ساتھ نہیں بلکہ تفضیلیہ کی پہلی قسم کے ساتھ ہے جو تفضیل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ شیخین کی محبت عظمت مدائح و مناقب اتباع اور اقتداء میں سنیوں کے مساوی اور ہمہلہ ہیں۔ سید صاحب کا بدوں ایجاز بلا تفریق اہل سنت و جماعت اور علی الاطلاق تفضیلیہ کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو اشاعرہ اور ماترید یہ کا اختلاف کہنا غلط ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ نے تفضیلیہ کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو مطلع القمرین۔ ص 67 مطبوعہ جامعہ اسلامیہ کھاریاں۔

محدث دہلوی رحمہ اللہ نے محدث عبدالرزاق سلمان فارسی اور حسان بن ثابت اور دیگر چند صحابہ کو اس طریقہ تفضیل کا پیروکار قرار دیا ہے۔ جس سے واضح ہو گیا کہ یہ حضرات درحقیقت اہل سنت و جماعت تھے شیخین کی فضیلت کے قائل تھے اہل سنت و جماعت اور ان حضرات کے درمیان انفضیلت کے عنوان میں نزاع لفظی تھا حقیقی اور اعتقادی نہ تھا اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حضرات اہل تفضیل تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کونفس الامور اور اعتقاد میں شیخین پر انفضیلت دیتے تھے اس پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار بزمرة دلائل حدیث تقریری کی صورت میں موجود ہیں فرماتے ہیں۔

”خیر البریہ اتقہا واعدلہا بعد النبی و اوفاہا بما حملا“

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے بعد ساری مخلوق سے اچھا (افضل) اور سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور سب سے زیادہ عادل ہے اور جو فرائض اپنے ذمے لیے تھے انہیں اچھی طرح نبانے والا ہے۔

”وکان حب رسول اللہ قد علموا من البریہ لم يعدل بہ رجلا“

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو محبت تھی لوگوں کو اس کا علم تھا کہ وہ مخلوق

میں سے کسی کو بھی حضرت ابو بکر صدیق کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ان مذکورہ بالا اشعار سے ثابت ہوا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اہل تفضیل میں سے نہیں بلکہ ان کا عقیدہ افضلیت ابو بکر صدیق پر ہے اس عقیدہ میں وہ تہا نہیں بلکہ جمیع صحابہ کا بھی یہی عقیدہ اور معمول ہے اس کی دلیل ﴿وَقَدْ عَلِمُوا﴾ کا صیغہ ماضی، بصورت جمع بدوں قید قلت و کثرت اور موکد بحرف تاکید ﴿قَدْ﴾ اسکی شناختی علامت اور لفظی قرینہ موجود ہے ان اشعار میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنا عقیدہ اور نظریہ پیش فرمایا بلکہ جمیع صحابہ کا یہی اعتقاد اور معمول بیان فرمایا ہے اس تحریری اور تقریری بیان کے بعد حسان بن ثابت، سلمان فارسی، محمد، عبد الرزاق، مقداد، وغیرہ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اہل تفضیل میں سے تھے مرجوح اور مردود ہے، وجہ یہ کہ حضرت حسان بن ثابت اور دیگر جمیع صحابہ کا عقیدہ حدیث تقریری سے ثابت ہے اور دیگر اصحاب کے اہل تفضیل میں سے ہونے کے ثبوت اور دلائل اخبار آحاد ہیں، تقابل اور توازن کے پلڑے میں حدیث تقریری وزنی ارجح اور ارفع ہے جس کے مقابل اخبار آحاد مرجوح اور متروک العمل ہیں۔

مندرجہ بالا تحقیق و تفصیل سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اہل سنت و جماعت اور اہل تفضیل کے نزدیک اشاعرہ اور ماتر دیدیہ کی طرح لفظی نزاع نہیں بلکہ نفس الامری اور اعتقادی ہے، یہ نزاع لفظی ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور افضلیت قطعی ہے اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے، جبکہ مد مقابل اہل تفضیل سرے سے اجماع کے منکر ہیں، سید صاحب نے بار بار زبدۃ میں اس کا انکار کیا ہے پھر شیخین رضی اللہ عنہما یا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں حق دائر نہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ ان میں سے کسی کو بھی افضل جاننا حق بجانب ہو، جیسا کہ سید صاحب نے زبدۃ کے ص: ۲۳۸، پر تحریر کیا ہے بلکہ اجماع صحابہ اور جمہور علمائے امت اور تمام اہل سنت کے نزدیک حق یہی ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ﴿کما بین فی کتب اہل سنت﴾

## افضلیت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے معارضہ

سوال: سید صاحب نے ابن حزم کی کتاب الفصل: ج ۴، ص: ۱۱۱، پر موجود تحریر کو نقل کیا کہ:

﴿روينا عن مسروق ابن اجدع وتميم بن خديم و ابراهيم النخعي وغيرهم ان افضل الناس بعد رسول الله ﷺ عبد الله بن مسعود وقال تميم وهو من كبار التابعين

رايت ابابكر وعمر فما رأيت مثل عبد الله بن مسعود﴾

ترجمہ: ہم نے مسروق بن اجدع اور تميم بن خديم اور ابراهيم بن نخعی سے روایت کیا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل عبد اللہ بن مسعود ہیں، اور تميم نے کہا جبکہ وہ کبار تابعین سے تھے، میں

نے ابو بکر اور عمر کو دیکھا مگر انہیں عبد اللہ بن مسعود جیسا نہیں پایا۔ (زبدۃ ص: ۲۳۹)

سید صاحب نے اس پر اپنا تبصرہ ان الفاظ میں کیا ہے تین کبار تابعین نے بتایا کہ وہ عبد اللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے بعد ساری امت سے افضل اعتقاد کرتے تھے، یہ تینوں حضرات

اکابر تابعین میں سے ہیں جو کہ پوری امت پر حضرت عبد اللہ بن مسعود کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے تھے

اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع نصی یا سکوتی منعقد ہوا ہوتا تو یہ لوگ حضرت عبد اللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے کیسے دار ہوتے؟ (زبدۃ ص: ۲۳۹)

### جواباً تحریر کیا جاتا ہے

کہ لاسلم کا کوئی توڑ کوئی جواب نہیں ورنہ علم اور تحقیق کی دنیا کا اصول اور ضابطہ اور طریق عمل یہی ہے

کہ جب حق و سچ کی صبح طلوع ہو تو ضحیٰ و تفسیر کی ضیاء بارگزنوں سے شکوک و شبہات کی تاریکیاں چھٹنے لگیں

دلائل و شواہد کے خفتہ بخت اور گنہام گوشے جگمگا انھیں تو حق و سچ کے پجاری من پسندی اور انانیت کی شہ

رگ کو صدق و تسلیم کی شمشیر براں سے کاٹ کر اعتقاد اور عمل کے حضور سرنگوں ہو جاتے ہیں مگر لاسلم ایک

ایسا موذی اور لاعلاج مرض ہے جس کا علاج ابتداءً آفرینش سے لے کر آج تک دریافت ہوا ہے

اور نہ قیامت تک ہوگا، دور حاضر کے علوم نے مشارق اور مغارب کی پہنائیوں فلک رسیدہ فضاؤں اور

قمری دنیا کی شوخیوں کو فتح کر لیا، آن واحد میں پوری دنیا کی تباہی کا سامان دیا سورج کی کرنوں زمین کی تہوں میں چھپے خزانوں تک رسائی اور تصرف کو یقینی بنایا تاریکی کو اُجالا بخشا سالوں مہینوں اور دنوں کے رخ بعد کو آن واحد میں سویا مگر اس مرض لانسلم سے شفاء اور موثر دوا پیش کرنے سے عاجزی اور درماندگی کا اظہار کیا۔

سید صاحب کے مذکورہ بالا تبصرے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر اجماع غنصی ہو اور نہ اجماع سکوتی، کیونکہ تین تابعین کبار نے حضرت ابو بکر صدیق، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا انکار کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل قرار دیا ہے، اگر اجماع غنصی یا سکوتی ہوا ہوتا تو یہ تین کبار تابعین شیخین (ابو بکر، عمر رضی اللہ عنہما) سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کیوں افضل قرار دیتے؟

اس سوال کا جواب پہلی جلد میں آچکا ہے یہاں پینتر ابدل کر معارضہ کیا گیا ہے کہ تین کبار تابعین نے افضلیت ابو بکر صدیق پر اجماع ہونے کا انکار کیا ہے، عبدالقادر شاہ نے بھی اجماع کی نفی سے افضلیت ابو بکر صدیق کا انکار کر دیا ہے، اور زبدۃ ص: ۲۲۸، پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا سہارا لیا کہ اگر اجماع ہوتا تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ امام عبدالرزاق، سلمان فارسی، حسان بن ثابت اور امام حسن رضی اللہ عنہم کو اہل سنت کی فہرست میں کیوں دیتے؟

سید صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ونبندے از علمائے اہل سنت و صوفیاء لہ نہا بریں روش بودہ اند۔ (زبدۃ ص: ۲۰۷) اہل سنت و جماعت کے چند علماء اور چند صوفیاء تفضیلیہ قسم اول کی روش پر تھے، شاہ صاحب نے مطلق تفضیلیہ کی بات نہیں کی تاکہ سوال کا مبنیٰ میسر آئے، بلکہ تفضیلیہ قسم اول کو مخصوص فرمایا کہ اہل سنت و جماعت کے یہ مٹھی بھر علماء و صوفیاء تفضیلیہ قسم اول کی روش پر تھے، ان کے اور اہل سنت کے درمیان اعتقادی طور پر اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اختلاف تھا، تفضیلیہ کی پہلی قسم کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کے مساوی اور مماثل ہے، اہل سنت کا عقیدہ تفضیل شیخین کا ہے جبکہ تفضیلیہ قسم اول کا عقیدہ بھی ایسا ہی ہے تو پھر تفضیلیہ قسم اول، اور اہل

سنت و جماعت کے ان علماء اور صوفیاء کے درمیان صرف لفظی چھیڑ چھاڑ ہے عقیدے کا تضاد اور اختلاف نہیں جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ حضرات اجماع کے منکر نہیں اگر اجماع کا انکار کرنے والے ہوتے تو شاہ صاحب ان کو ہرگز اہل سنت و جماعت سے شمار نہ کرتے کیونکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ خود اپنی شہرہ آفاق تصنیف تحفہ اثناء عشریہ صفحہ: ۲۷۱، پر اجماع صحابہ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہونے والی ابو بکر صدیق کی افضلیت قطعیہ کو ثابت کر چکے ہیں لیکن یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ تفضیلیہ قسم اول اور اہل سنت و جماعت کے درمیان صرف الفاظ کی کھینچا تانی ہے اصولی اور بنیادی کوئی اختلاف نہیں مگر شاہ صاحب نے پھر بھی خطا کار کہا ہے دیکھیے زبدۃ ص: ۲۰۷، اگر تفضیلیہ قسم اول کے طریق اعتقاد و عمل سے اختلاف کی اڑتی ہوئی غبار کو دیکھ لیتے تو تفضیلیہ کو دو حصوں میں تقسیم فرماتے نہ قسم اول کا اہل سنت و جماعت کے ساتھ الحاق کرتے اور نہ بطور مثال ان علماء اور صوفیائے اہل سنت پر تفضیلیہ کا لبیل چسپاں کرتے، علی الاطلاق تفضیلیہ تو اجماع کے منکر ہیں جیسا کہ سید صاحب نے زبدۃ کے ہر چوتھے صفحہ پر تکرار در تکرار ہر نوع اجماع کا انکار کیا ہے۔

ثانیاً: سید صاحب نے تین کبار تابعین کا قول کہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد عبد اللہ بن مسعود افضل ہیں اجماع کی نفی پر پیش کیا ہے، یہ تابعین کا قول ہے جو بزمۃ اخبار آحاد ہے اور مفید ظن ہے اس کے مقابل حضرت ابی الدرداء اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی وہ احادیث صحیحہ مرفوعہ متواترہ ہیں، جن کے الفاظ یہ ہیں ﴿ما طلعت الشمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین

افضل من ابی بکر﴾ (الریاض النضرہ: ج، ۱: ص، ۱۳۶)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ﴿قال رسول اللہ ﷺ خیر اصحابی ابو بکر﴾ (الریاض النضرہ، ج، ۱: ص، ۱۳۷)

حضرت جابر کی یہ حدیث: ”فلا تقدموا علی ابی بکر احد افانه افضلکم فی الدنیا والاخرۃ“ (ایضاً) اب فیصلہ سید صاحب نے کرنا ہے کہ وہ تین تابعین کی ذاتی رائے کو ترجیح دیتا ہے یا فرامین رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو مانتا ہے کہ ان تابعین کا قول افضلیت دربارہ عبد اللہ بن مسعود رضی

اللہ عنہ حدیث ہے لیکن اس کے مقابل افضلیت ابو بکر صدیق کے استغراق اور عموم پر محیط رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مقدسہ ہیں وہ علوم حدیث کی روشنی میں ترجیح کس کو دیتا ہے؟ اس کے بعد وہ خود فیصلہ کرے کہ تابعین کا قول اجماع صحابہ کی مستحکم اور آہنی دیوار کے شکستہ کرنے کی صلاحیت اور طاقت رکھتا ہے یا اس میں اتنی ہمت اور سکت ہے کہ فرامین رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے والی افضلیت کو سیوتا ڈکر سکے، یا رسول اللہ ﷺ کے دہن نور بار سے نکلے ہوئے عنوان افضلیت میں الفاظ کا ہم پہلہ ہو سکے، رسول اللہ ﷺ کی کلام مقدس کو تو ما یسطق عن الہواء الایہ کی سند طرہ امتیاز، حقانیت و صداقت کی گارنٹی حاصل ہے جبکہ ان تین کبار تابعین کا قول، محض قول ہونے کی وجہ سے ان تمام اوصاف سے محروم اور عاری ہے، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مبارکہ میں واقع ہونے والے الفاظ

،، افضل من ابی بکر، خیر اصحابی ابو بکر، افضلکم فی الدنیا والاخرۃ ﴿﴾ ہیں حضرت ابو بکر صدیق کی عظمت، اہلیت، اور انفرادیت پر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو دلیل افضلیت دی اس کے الفاظ بھی بعینہ وہی ہیں، ملاحظہ ہوں،

﴿انت خیرنا وفضلنا﴾ تمام صحابہ بشمول انصار و مہاجرین نے اس کو تسلیم کیا، کسی قسم کا انکار سامنے آیا، اور نہ ہی کوئی معارضہ دلیل پیش ہوئی جس سے ان الفاظ ﴿انت خیرنا وفضلنا﴾ کی نفی کی گئی ہو یہ الفاظ چیلنج بھی نہیں ہوئے بلکہ سب کے نزدیک مسلمہ قرار پائے، جس طرح فرمان رسول اللہ ﷺ میں کم ضمیر مخاطب، جمع حاضرین اور سامعین کو شامل اور ہر فرد صحابی کو محیط ہے اسی طرح ”نا“ ضمیر جمع متکلم کے مفہوم اور مدلول کا دائرہ سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام کی پوری جمعیت کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے کوئی فرد صحابی اس کی لپیٹ اور اس کے احاطہ سے خارج نہیں حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما کا فرمان حقائق کا ایک جامع بیان، اور ارشادات نبویہ کا سچا ترجمان ہے اس لئے جمع صحابہ نے تسلیم کیا اور افضلیت ابو بکر صدیق پر اجماع صحابہ کی مہر ثبت ہوئی، اور برصغیر کے ممتاز، اور معروف علمی خاندان کے شہرہ آفاق محدث اور محقق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے علمی، اعتقادی، اور تحقیقی شاہکار کے ص: ۲۷۱، پر فرمایا کہ: ”پس خیریت و

افضلیت ابو بکر نزد جمع صحابہ مسلم الثبوت و قطعی بود، یعنی حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت تمام صحابہ کے نزدیک مسلمہ تھی اس کا کوئی بھی منکر نہ تھا، یہی اجماع صحابہ ہے تو گویا حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر اجماع صحابہ ہوا، آگے قطعی بود، اس سے افضلیت قطعہ مراد ہے، کیونکہ اجماع دلیل قطعی ہے اور جو امر دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ امر بھی قطعی ہوتا ہے اجماع صحابہ دلیل قطعی ہے، یہ اجماع افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہوا لہذا افضلیت بھی قطعی ہوگی، ظنی نہیں ہوگی، جیسا کہ سید صاحب کا خیال ہے کہ:

### ابو بکر صدیق کے زمانہ میں بھی حضرت علی افضل تھے؟

اور بعد میں بھی (رضی اللہ عنہما) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل نہیں بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں، حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کی روایت سے تحریر کیا کہ: ﴿کمان واللہ خیر البشر بعد رسول اللہ ﷺ﴾ ترجمہ: خدا کی قسم جناب علی المرتضیٰ، رسول اللہ ﷺ کے بعد سارے لوگوں سے افضل تھے، (زبدۃ: ص، ۲۱)

مناقب آئمہ اربعہ: ص، ۲۹۳، سے نقل کیا کہ ﴿والقول یفصیل علی رضوان اللہ عنہ مشہور عند کثیر من الصحابة الخ﴾ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ: بعض لوگوں نے اس کی تاویل یہ کی ہے یہ عقیدہ جناب صدیق اکبر کے بعد تھا، یہ تاویل بے بنیاد ہے، کیونکہ امام ابو بکر باقلانی رحمہ اللہ مناقب آئمہ اربعہ: ص، ۲۸۰، پر رقمطراز ہیں ﴿قد روی ان جماعة من الصحابة كانت تظهر القول بفضل علی امام زمن ابی بکر وبعده، الخ﴾

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی اور ان کے بعد بھی ظاہر کیا کرتی تھی۔ (زبدۃ: ص، ۲۱) جواب: سید صاحب نے حضرت ابو بکر صدیق کی مجمع علیہا افضلیت کو مجروح کرنے کی غرض سے ایک قول صحابی (جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ) اور دو قول ابو بکر باقلانی کی مناقب آئمہ اربعہ سے نقل کئے

ہیں، اور یہ بتانے اور باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ

حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع نہیں ہوا، اس کا رد بلیغ کیونکہ کثیر صحابہ کی ایک جماعت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے اور بعد بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل ماننے تھی، علم و دانش، تحقیق و نظر کی دنیا کے لوگ نہ ان اقوال کو معارضہ تسلیم کرتے ہیں اور نہ دلیل و حجت کیونکہ؟

ایک طرف تو تمام صحابہ کرام بشمول انصار مہاجرین ہیں جن کی کیفیت ”درایں کلمہ ایشال را جمیع حاضران از مہاجرین و انصار انکار نہ کردہ بلکہ مسلم داشتہ“ (تحفہ اثناء عشریہ: ۲۷۱) ہے اور اس کیفیت کا تحقیقی اور فنی حکم خیریت و افضلیت ابو بکر نزد جمیع صحابہ مسلم الثبوت و قطعی بود، اجماع صحابہ اور افضلیت قطعہ کی شکل میں موجود ہے اور دوسری طرف حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کا اپنا ذاتی قول ہے جو اجماع صحابہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، ابو بکر باقلانی کا قول مردود ہے، اجماع صحابہ اور اجماع اہل سنت کے مقابل بے وزن اور غیر معتمد اور شاذ ہے،

پھر حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کے مقابل ابن عساکر کی تخریج کردہ حدیث موجود ہے جس کو سید صاحب نے زبدۃ: ج ۱، ۱۰۶، پر نقل کیا ہے، حدیث یہ ہے: ﴿عن ابی ہریرۃ قال کنا مع اشر اصحاب رسول

اللہ ونحن متوافرون، فنقول افضل هذه الامه بعد نبیہا ابو بکر ثم عمر، ثم عثمان ثم نسکت﴾

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم لوگ اصحاب رسول ﷺ کئی جماعتیں تھے، اور ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے، ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سے افضل بعد از نبی کریم ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں پھر ہم چپ کر جایا کرتے تھے، انتہی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کئی طبقات تھے، اور صحابہ کی بڑی تعداد تھی (یعنی جن صحابہ کی کثرت تعداد کا ذکر جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے یہ اس کا ایک فرد تھے اس تعداد کا مجموعی اور اجتماعی عمل بتاتے ہیں کہ سب کی بختہ رائے اور قول

فیصل یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد جناب صدیق اکبر سب سے افضل

ہیں، اب فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری ہے نہ رکاوٹ، کیونکہ نحن متوافرون نے کثرت صحابہ پر روشنی ڈالی ہے ﴿کننا نقول افضل هذه الامة﴾ سے کثرت صحابہ کی اجماعی اور اجتماعی رائے اور عقیدہ کا پتہ چلا، اور بعد بیجا ابو بکر الحدیث سے حضرت ابو بکر صدیق کا افضل البشر ہونا ثابت ہوا، حدیث کا معنی یہ ہوا کہ بقول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ بے شک صحابہ کرام کے کئی گروہ (جماعتیں، طبقات) تھے، مگر ہم سب کی متفقہ رائے اور متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی ساری امت میں ابو بکر صدیق افضل ہیں ایک طرف حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کا اپنا ذاتی قول ہے اور دوسری طرف صحابہ کی متفقہ رائے ہے، جمعیت صحابہ کا متفقہ فیصلہ ہے تو ایسی صورت میں قول حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ مرجوح ہوگا، صحابہ کرام کا اجماعی اور اکثریتی فیصلہ راجح حجت شرعیہ اور موجب اعتقاد اور عمل ہوگا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، حکماً مرفوع ہوگی، اور معناً متواتر کیونکہ احادیث مبارکہ جن کے راوی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں مختلف الفاظ ہونے کے بوصفہ افضلیت ابو بکر صدیق کی موید شارح اور معرف ہیں، جبکہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کا قول از قبیل احاد ہے، جو مرجوح ہے، افضلیت ابو بکر صدیق کی نفی اور سلب میں دلیل ہے نہ حجت تحقیق کے جملہ مراحل سے صرف نظر کرتے ہوئے، بحث کی طوالت کو سمیٹتے ہوئے پھر اصل نزاع اور موقف کی طرف آتے ہیں۔

## واقعہ ہجرت اور صدیق اکبر کا والہانہ کردار

ارباب حقیقت اور اصحاب معرفت جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث، اجماع صحابہ، اجماع اہل سنت ان کی کتب میں افضلیت ابو بکر صدیق کے دلائل اور شواہد کا ایک ناپیدا کنار سمندر موجزن ہے، جس کی شنواری اور احاطہ زنی مجال نہ سہی مگر مشکل ضرور ہے اگر صرف حکم ہجرت اور سفر ہجرت کے عنوان کی شہ سرخیوں کو دیکھا جائے تو قلب مومن کی گہرائیوں میں اترے ہوئے عقیدہ افضلیت کی ان کھلی کلیوں پر طراوت، مسکراہٹ اور شیفنگی کی انتظار میں لہلہاتے غنچوں پر شوخی، رنگ اور ہنستے مسکراتے گلہائے محبت و مودت، بہار و نکبت کی انگڑائی، اور غلامی، صدیق کی رعنا میں آجاتی ہیں، ہجرت

کی گھڑی آن پہنچی جبریل امین کی معیت اور رفاقت میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا قدم مبارک حجرہ مقدسہ کی دلیہ سے باہر رکھا، صدیق (رضی اللہ عنہ) جو عرصہ سے اس گھڑی کی انتظار میں گھریا، مال و متاع، اہل و عیال اور سکون زندگی اس آن کی خیرات دے کر در رسول ﷺ پر جمود نیاز لانا کر عشق و محبت کی داستان رقم کر رہا تھا، ہجرت کیلئے اٹھنے والے قدم رسول اللہ ﷺ کی آہٹ سننے کیلئے ہمہ تن گوش تھا، قدم رسول ﷺ کی آہٹ سن کر اور دیرینہ آرزوؤں کو شمر آلود اور بار آور پا کر سراپا عجز و نیاز اور مجسمہ ادب و توقیر بن کر کھڑا ہو گیا، پروانہ چراغ کو پا کر، بلبل پھول کو پا کر ہنورا پتیوں پر ناچ کر، اور صدیق (رضی اللہ عنہ) رسول کو پا کر کتنا خوش اور کتنا نصیب در ہوتا ہے انسانی زبان اس کے نطق، انسانی فکر اس تک رسائی اور قلم کی جولانی اس کی تحریر، دل کی دھڑکن ان احساسات و جذبات اور گرفت سے عاجز اور قاصر ہے رخ و الضحیٰ کا جب عکس نور چہرہ صدیق پر سجا تو محبت و محبوب کی خلوتیں جلو توں میں بدل گئیں، محبوب ﷺ نے پوچھ لیا کہ تم کب سے یہاں ہو؟ عرض کیا اے جان ایمان جس دن آپ نے ہجرت کرنے کا حکم سنایا تھا اس دن سے گھر نہیں سویا، رات کو یہاں ہی ہوتا ہوں، اور سراپا انتظار بن کر دروازہ رسول ﷺ کو دیکھتا رہتا ہوں کہ کہیں امتثال امر، اور شرف معیت اور اکرام حضوری سے غافل اور محروم نہ ہو جاؤں، صدیق (رضی اللہ عنہ) ذات نبوت کے ساتھ سائے کی طرح چل پڑا، دل بیقرار میں اس نور خداوندی، کے ضیاع اور رحمت خداوندی کو گزند پہنچنے کا خیال دل کی گہرائیوں سے اچھل اچھل کر نوک زبان پر آ رہا ہے پاؤں چلتے ہیں مگر نگاہیں کفار کے تعرض اور تعاقب کا دقت نظر سے جائزہ لے رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ امانت جس کو زمین آسمان کی وسعتیں کائنات ارضی اور سماوی کی قوتیں اٹھانے سے قاصر ہیں مگر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے کندھے اٹھا کر غارتور کی چڑھائی کو عبور کر رہے ہیں ماننا پڑے گا بے شک ان کندھوں کے خول میں ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کا خون گردش کر رہا ہے مگر اس خون سے آگے مزید دو پشتیں دولت ایمان سے سرسبز و شاداب ہونے والی ہیں، صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے جاں بازی اور جاں گدازی کے ان مٹ نقوش اس وقت صحیفہ کائنات میں رقم کیے جب اندھیری، مہیب اور خطرناک غار میں جان ہتھیلی پر رکھ کر داخل

ہوئے جس غار کے ہر سوراخ سے موت کے چنگاڑنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، موذی جانوروں کے خروج کے تمام راستے چادر پھاڑ کر بند کر دیئے، اس سوراخ پر پاؤں رکھا جس سے موت نے اپنی پوری شعلہ سامانی سے حملہ کیا تھا مگر سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے آب و ہن کی معجزانہ قوت کے ہاتھوں اسے پسپا ہونا پڑا، خلفائے ثلاثہ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو چونکہ شہادت کا اعزاز ارازاں ہونا تھا، تقدیر خداوندی میں یہ بھی درج تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی شہادت کا تاج سجاے شہدائے صف میں ہوں گے اس لئے وقتی طور پر رسول اللہ ﷺ کے آب و ہن شریف نے تریاق کا اثر دکھایا مگر زندگی کے آخری لمحات میں وہی زہر لوٹ آیا جس سے موت واقع ہوئی اور راہ رسول میں شہادت کا بلند ترین منصب عطا ہوا، بات غار کے اندرونی منظر کی ہو رہی تھی، سب سوراخ بند ہونے پر شہنشاہ کون و مکان ﷺ آغوش صدیق میں محو استراحت ہوئے، یکا یک کھوجی نشانات قدم سے راہ نمائی لیتے ہوئے غار کے دہانے تک پہنچ گئے، خطرات کے بے مہار اور شوخ طوفانِ امدائے روح کائنات اور جان عالمین کی ضیاع کا یقین دل صدیق پر دستک دینے لگا قلبی کیفیات کے رنگ بدل گئے، حب رسول کی پرچھاؤں میں عظمت محبوب کی پامالی کے جذبات بے قابو ہو گئے جسم کی لرزیدگی اور بے قابو لپکی نے اس ذات کو بیدار کر دیا جس کی چشمہائے مبارک بند ہو جاتی ہیں خوابیدگی کی حالت میں چلی جاتی ہیں مگر قلب اطہر حالت بیداری میں ہی رہتا ہے فرمایا کیا بات ہے؟ عرض کیا اے جان کائنات موت کے سائے غار کے دہانے پر منڈلا رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں یہ کافر کھڑے ہیں، ابوبکر صدیق کو جان عالم کی ضیاع جان کے جولالے پڑے خدائے وحدہ لا شریک کے عرش عظیم کو ہلا کر رکھ گئے، کائنات ارضی و سماوی کے سامنے محبت رسول میں صدق صدیق بے مثال اور لازوال نمونہ بن گیا، غار کے پیٹ میں فکر صدیق کو کافور اور عظمت صدیق کو بانور کرنے کیلئے جبریل آئے اور بطور خاص تائید ایزدی اور معیت خداوندی کا عملی ثبوت ﴿لَا تَحْزَنَ ان اللہ معنا﴾ کے الفاظ میں فرمایا بجز اللہ اس پر مزید گفتگو کی جاسکتی ہے، مگر ہم افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بحرِ ذخار سے چند قطرے بکھیر کر واپس اجماع صحابہ کی پوزیشن پر آئیں

گے۔ ”واللہ ولی التوفیق“

تاریخین اللہ رب العالمین ہے اس کے فضل و کرم کی معیت کائنات کے تمام طبقوں کو حاصل اور میسر ہے مگر یہ معیت عامہ ہے لیکن ﴿ان اللہ معنا﴾ میں معیت خاصہ ہے جسکے موصوف اور جس سے متصف صرف رسول اللہ ﷺ اور جناب صدیق اکبر ہیں، یعنی جو انوار و تجلیات ذات رسول ﷺ کی نگران اور محافظ بنیں جناب صدیق اکبر کی ذات بھی بواسطہ رسول انہی انوار و تجلیات سے محفوظ اور مستفید ہو رہی تھی، یار عار، یار مزار کے فقید المثال لا زوال دائمی رشتے آج بھی قائم ہیں جو اس بات کا مبین ثبوت ہے کہ یار مزار ہونے کے ناطے سے ذات رسول ﷺ پر انوار و تجلیات کی بارش بواسطہ رسول آج بھی صدیق (رضی اللہ عنہ) کی پیشانیء عظمت کا جھومر ہے جو صبح قیامت تک زندہ اور تابندہ ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا عقیدہ تھا ثامن عشریہ کے حوالے سے واضح ہو چکا ہے کہ آپ کے نزدیک افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ثبوت اجماع صحابہ سے ہے، اور افضلیت قطعی ہے ظنی نہیں،، اسی طرح خاتم المحققین الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا الغرض علمائے اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضلیت حاصل ہے،، (تکمیل الایمان ص: ۱۶۳، مکتبہ نبویہ لاہور)

پھر امام نووی کے حوالے سے نقل فرمایا کہ: بہیقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو بکر نے حضرت شافعی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے ایک شخص بھی حضرت ابو بکر اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں اختلاف نہیں کرتا اگر اختلاف ہے تو وہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں رہا ہے،، مشائخ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر مقدم ہیں اور اس فیصلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں،، اتھی (تکمیل الایمان ص: ۱۶۳، مکتبہ نبویہ لاہور) مندرجہ بالا ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق علی الاطلاق تمام صحابہ سے افضل ہیں اور اور یہ افضلیت قطعی ہے اس پر تمام صحابہ اور تابعین متفق ہیں کسی صحابی یا کسی تابعی کا اس میں اختلاف نہیں،، اسی لئے امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہونا بیان فرمایا ہے،،

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

شیخ محقق مزید فرماتے ہیں اگر علمائے اہل سنت حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں، شیخ محقق رحمہ اللہ کی اس عبارت سے شیخ کا عقیدہ کھل کر سامنے آ گیا کہ وہ بھی افضلیت ابو بکر صدیق کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں، افضلیت ظلیہ کا عقیدہ نہیں رکھتے، فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ عقل سلیم اجماع امت اور اتفاق صحابہ پر یقین کرنے پر مجبور ہے،، (ص: ۱۵۸)

ابن عبدالبر اندلسی کے قول کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بیس صحابہ کی روایت جس سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ حضرت علی حضرت ابو بکر صدیق سے افضل ہیں شاذ ہے جو مقبول اور معتبر نہیں ہے جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی جمہور آئمہ نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے، اتھی (تخیل الایمان ص: ۱۶۳، مکتبہ نبویہ لاہور) ان توضیحات کی درخشندگی اور تابندگی سے عقیدہ اہل سنت و جماعت کے تمام گوشے روشن اور منور ہو گئے ہیں جمہور علمائے امت اور اہل سنت کا قول ”افضلیت قطعیہ“ بے بنیاد، بدول ثبوت اور بلا دلیل نہیں بلکہ اس کی بنیاد اجماع امت ہے اس کے مخالف اور مقابل ابن عبدالبر کا کلام ہے کہ بیس صحابہ حضرت علی کو حضرت ابو بکر صدیق سے افضل مانتے تھے، شیخ محقق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ابن عبدالبر اندلسی کا کلام مقبول اور معتبر نہیں کیونکہ یہ شاذ روایت ہے جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جمہور آئمہ نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے،، (تخیل الایمان ص: ۱۶۳، مکتبہ نبویہ لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: جبکہ جماہیر آئمہ سلف تفضیل شیخین پر تصریح اجماع کرتے آئے ہیں، (مطلع القرین: ص: ۷۶)

امام اہل سنت رحمہ اللہ نے بھی فرمایا کہ جمہور آئمہ سلف کا مذہب یہی ہے کہ شیخین کی افضلیت اجماع صحابہ سے ثابت ہے،، اجماع دلیل قطعی ہے دلیل قطعی سے ثابت ہونے والی افضلیت بھی قطعی ہے۔ امام اہل سنت فائدہ جلیلہ کے تحت فرماتے ہیں: دامن اجماع عبار نزاع سے یکسر پاک و صاف ہو گیا، اور قطعیت اجماع میں کوئی شک و شبہ نہ رہا، آگے فرمایا جب اجماع قطعی ہو تو اس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین کی قطعیت میں کیا کلام رہا، (مطلع القرین: ص: ۷۶)

امام اہل سنت رحمہ اللہ نے شیخین کی افضلیت قطعیہ کو کس قدر واضح کیا اور نکھارا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اجماع صحابہ ہے، یہ اجماع قطعی ہے، جب اجماع صحابہ قطعی ہے تو افضلیت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی قطعی ہے کیونکہ یہ اجماع صحابہ کا مفاد ہے،

پھر فرمایا: علامہ محمد طاہر کی عبارت اسی فصل میں گزر چکی کہ خبر واحد پر عمل میں خلاف کرنے والا بدعتی کہا جاتا ہے، (مطلع القمرین: ۷۷)

یعنی اجماع کو چھوڑ کر، اس کی مخالفت کر کے خبر واحد پر عمل کرنے والا بدعتی ہے،

امام اہل سنت، میمون بن مہران کا واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ان سے سوال ہوا کہ شیخین افضل یا علی اس کلمہ کے سنتے ہی ان کے بدن پر لرزہ پڑا یہاں تک کہ عصادست مبارک سے گر گیا اور فرمایا مجھے گمان نہ تھا کہ اس زمانے تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ ابو بکر و عمر کے برابر کسی کو بتائیں گے، یہاں سے ظاہر کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں تفضیل شیخین پر اجماع تھا، اور اس کے خلاف سے ان کے کان محض نا آشنا، اور اسے ایسی جلی و صرغ اور خلاف کونا گوار اور قبیح سمجھتے کہ بجز سوال صدمہ عظیم گزرا، دفعہ بدن کا نپ اٹھا، اسی طرح امام شافعی وغیرہ کا برآئیمہ و سادات الاممہ اس معنی پر اجماع صحابہ و تابعین نقل کرتے ہیں، ﴿کما حکاہ البہیقی وغیرہ و کفی بہم قدوۃ فی الدین﴾

(مطلع القمرین: ۶۳) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کی تحقیق عمیق اور تفصیل اینق سے بدیہی طور پر واضح اور ثابت ہوا کہ شیخین کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع تھا، یہ مسئلہ کہ شیخین افضل ہیں یا حضرت علی؟

زیر غور اور لائق بحث نہ تھا بلکہ تفضیل شیخین، یا تفضیل علی کی سوچ و فکر کا نام نشان تک تھا، تفضیل علی پر شیخین کا تصور تک موجود نہ تھا، صحابہ اور تابعین سب کا اس پر اجماع تھا کہ ساری امت میں شیخین افضل ہیں، اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے شیخین کی افضلیت پر اجماع نقل فرمایا ہے۔

سید صاحب نے تحریر کیا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے دس برس کی عمر میں موطا امام مالک یاد کر لیا، پھر آگے لکھا کہ آپ کے شعور پر اجماع کا اور کیا گیا، اور یہ سچا ہے کہ اللہ سے ضرور

For more books click on the link  
<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

عقائد بھی سیکھے ہوں گے، (زبدۃ ص: ۳۰۶)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی عمر اور حصول تعلیم پر مبنی ان جملوں کا باہمی تعلق یہ آشکارا کرتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی تعلیم و تربیت میں امام مالک رحمہ اللہ کا کردار نمایاں ہے، اور ان کی سرپرستی میں ہی آپ نے بلوغت علمی کا منصب حاصل کیا، عقائد میں بھی ان کی اتباع، اقتداء اور ترجمانی کا موقع ملا، تو ظاہر ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ عقائد میں بھی ان کے پیروکار، اور زیر اثر تھے، جب امام شافعی کا عقیدہ یہ ہے کہ شیخین کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے تو لامحالہ امام مالک کا بھی یہی عقیدہ ہونا چاہیے جس سے امام شافعی کا قول اجماع، عقیدہ امام مالک کیلئے دلالتہ النص کے درجے میں بطور دلیل موجود ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ بھی افضلیت ابو بکر بقوت اجماع اور نہ مفاد اجماع افضلیت قطعیہ کے قائل معلوم اور ثابت ہوتے ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ امام مالک کے عقیدہ افضلیت کو نقل کرتے ہیں، حضرت امام مالک سے جب دریافت کیا گیا کہ ساری امت میں افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، الخ،، ((تکمیل الایمان ص: ۱۶۲، مکتبہ نبویہ لاہور))

☆ امام مالک رحمہ اللہ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹ھ میں رحلت فرمائی ☆

☆ امام شافعی رحمہ اللہ ۱۵۰ھ میں تولد ہوئے، اور ۲۰۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا ☆

☆ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ۱۶۲ھ میں تولد ہوئے اور ۲۴۱ھ میں واصل باللہ ہوئے ☆

☆ امام الہمام سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں واصل باللہ ہوئے ☆

آئمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ادوار ولادت و وفات کے تناظر میں سب سے آخر رحلت فرمانے والے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں اور ان سے پہلے وفات پانے والے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ ہیں آئیے دیکھیں کہ تفضیل شیخین اور حضرت علی میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟ حضرت امام

ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿و افضل الناس بعد رسول ﷺ ابو بکر بن الصديق﴾ (فقہ اکبر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

امام ربانی قطب یزدانی رئیس الاولیاء امام الاصفیاء سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت واضح نص اور اشارہ دونوں سے ثابت ہے حضرت حسن بصری اور محدثین کی ایک جماعت رحمہم اللہ کا بھی مسلک ہے۔

اس روایت کی وجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مجھے آسمانوں کی طرف معراج کرایا گیا تو میں نے اللہ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ میرے بعد حضرت علی مرتضیٰ کو خلیفہ بنا دے اس پر فرشتوں نے کہا اے محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے لیکن آپ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ (بیحد: ص ۲۶۴، فریہ بکسال اردو بازار لاہور)

آئمہ اربعہ کے سالہائے ولادت سے لے کر سالہائے وفات تک یہ عقیدہ مسلّمہ تھا کہ شیخین کی افضلیت قطعی ہے اور اس پر اجماع امت ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ کا سال وفات ۲۰۴ھ ہے، امام احمد بن حنبل کا سال ولادت ۱۶۲ھ ہے اس طرح امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ چالیس سال تک امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہم عصر رہے ہیں جس سے اتحاد عقیدہ کا استحکام بدیہی اور واضح ہے، خلاصہ بحث یہ ہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قطعیت بالجماع صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک اتفاقی امر ہے، جس سے صرف نظر کرنا روا ہے نہ ممکن، امام اہل سنت نے نقل فرمایا: سیدی شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ سرہ الشریف تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں: کہ جمہور آئمہ دریں باب اجماع نقل کنند بصیّدہ بدء الامالی سے نقل فرمایا: ﴿وہو للصدیق رجحان جلی علی الاصحاب من غیر احتمال﴾ یعنی صدیق رضی اللہ عنہ کو صریح افضلیت ہے تمام صحابہ پر بے شک و شبہ رجحان جلی کی شرح میں فرمایا گیا ﴿ای فضل واضح ثابت بالدلائل السمعیة واجماع الامۃ فمن انکرہ یوشک ان فی ایمانہ خطراً﴾

ترجمہ: حاصل یہ کہ تفضیل صدیق قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے جو اس سے انکار کرے قریب ہے کہ اس کے ایمان میں خطر ہو، آئینی (مطلع القمرین ص: ۶۵)

الحمد للہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر انعقاد اجماع کا مسئلہ آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن اور چٹان سے زیادہ مضبوط ہو کر ثابت اور محقق ہوا، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اجماع کا منکر اہل سنت سے نہیں ہو سکتا، امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: عجب اس سے جو اجماع صحابہ و تابعین و کافہ اہل سنت کا خلاف کرنے پھر آپ کو سنی جانے؟ اے عزیز جیسے تمام ایمانیات پر یقین لانے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور ایک کا انکار کافر و مرتد کر دیتا ہے اسی طرح سنی وہ جو تمام عقائد اہل سنت میں ان کے موافق ہو، اگر ایک میں بھی خلاف کرتا ہے ہرگز سنی نہیں بدعتی ہے اسی لئے علمائے دین تفضیلیہ کو سنوں میں شمار نہیں کرتے، اور انہیں اہل بدعت کی شاخ جانتے ہیں، (مطلع القمرین ص، ۶۵)

### حضرت عبداللہ بن مسعود اور افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما

سوال: سید صاحب نے تحریر کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی باقی جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افضلیت کا عقیدہ ایک واضح عقیدہ تھا جو آپ کے جملہ تلامذہ میں متفقہ طور پر پایا جاتا تھا، (ردہ ص، ۳۹)

جواب: یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تابعین کا عقیدہ صحابہ سے منتقل ہوا کیونکہ تابعین کا اعتقاد و عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عکس نور ہے تو لا محالہ یہ تابعین جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ہیں ان کا یہ واضح (مشہور) عقیدہ کن کن صحابہ کا اتباع عمل ہے، اگر ان تین تابعین کا عقیدہ دربابہ افضلیت حضرت عبداللہ بن مسعود کا آموختہ ہو تو بھی غلط ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنا عقیدہ کلی طور پر اس عقیدہ کے مغائر اور مناقض ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ ﴿قد رای اصحاب رسول اللہ ﷺ جمیعاً ان یستخلفوا ابابکر رضی اللہ عنہ خرجه ابن السری وهذا من اقوی الادلة علی صحة خلافته رضی اللہ عنہ فان الاجماع قطعی﴾ (الریاض النضرۃ: ج ۱، ص: ۲۲۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کی متفقہ رائے ہو گئی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا جائے حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کے صحیح ہونے پر سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے، کیونکہ یہ حدیث

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اجماع صحابہ کی دلیل ہے اور اجماع صحابہ دلیل قطعی ہے گویا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہے،

خلافت پر صحابہ کے اجماع کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق اجماع الہی دلیل قطعی سے ثابت ہے اگر ابو بکر صدیق جمیع صحابہ سے افضل نہ ہوتے تو ان کی خلافت پر صحابہ کا اجماع کیوں اور کیسے ہوتا؟

بقول سید صاحب اگر افضلیت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک واضح عقیدہ تھا تو عبد اللہ بن مسعود کو خلیفہ کیوں نہ چنا گیا؟

باوجودیکہ انتخاب خلیفہ کے وقت یہ خود بھی وہاں موجود تھے، اگر بزع سید صاحب اور بروایت تابعین یہ جمیع صحابہ سے افضل تھے تو بطور مخالف امیدوار، اور استحقاق کے بل بوتے کیوں سامنے نہ آئے، اور جمیع صحابہ میں سے کسی صحابی نے ان کی حمایت کیوں نہ کی؟ عقیدہ ایک متفق علیہ امر کا نام ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے دلائل قطعیہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع ان تین تابعین کا قول اذلہ ثلثہ میں سے کس کے ماتحت یا کس کے ہم پلہ ہے؟

یہ ان کی ذاتی رائے ہے جو افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قطعیت کو ثابت کرنے والے دلائل کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ثانیاً: ایک طرف ان تین تابعین کا قول ہے اور دوسری طرف ابن عساکر کی تخریج کردہ وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کے الفاظ اس طرح سے ہیں:

﴿کنامعاشر اصحاب رسول اللہ ﷺ ونحن متوافرون نقول افضل هذه الامة بعد نبیہا ابو بکر، ثم عمر، ثم عثمان ثم نسکت﴾ (بحوالہ زبدة: ص ۱۰۶)

ترجمہ اس کا پہلے گزر چکا ہے،

یہ حدیث صحابہ کے مجموعی عقیدے کو ظاہر کرتی ہے کہ تمام صحابہ طبقات میں بٹ جانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے بعد ساری امت سے افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے تھے، ان کے بعد حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔

تین تابعین کا قول تمام صحابہ کے متفقہ قول (عقیدہ) کے مقابل کوئی حیثیت رکھتا ہے نہ وجہ ترجیح ہو سکتا ہے،  
ثالثاً: یہ روایت مبہم ہے اور دلیل ابہام روایتاً عن مسروق بن اجدع الخ کے الفاظ ہیں اس کا راوی کون ہے؟  
کس امام کس، شیخ، یا محدث نے حضرت مسروق بن اجدع سے اس کو سنا اور روایت کیا ہے،  
رابعاً: ابن حزم ظاہری فرقہ کا پیروکار ہے اسکی علمی اور اعتقادی حیثیت اس کے معاصرین کے نزدیک  
مخدوش اور غیر معتبر ہے معاصرین نے اس کے غلط اور خلاف حقیقت عقائد کی بدولت اس کو مسترد کر دیا  
تھا، اس کی پوری تفصیل حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدائیہ والنہایہ، جز ۱۲، ص: ۹۸ پر نقل  
فرمائی ہے اس کی روایت غیر معتبر ہے، ہمیں اس بات پر تعجب ہے کہ سید صاحب کا مبلغ علم، اور فکر  
اسلام یہی ہے کہ وہ تین تابعین کے ذاتی اور شاذ قول کو قرآن وحدیث، اجماع اور جمہور اہل سنت کے  
قول پر ترجیح دے کر اجماع اور افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی کر رہا ہے جو علم ودانش، تحقیق  
ونظر کی دنیا میں معیوب ہی نہیں بلکہ مردود ہے،

سوال: مزید لکھا کہ آپ کی موت مدینہ طیبہ میں ۳۲ھ میں واقع ہوئی اور ان کے شاگرد کسی بھی  
صحابی کو ان سے افضل نہیں سمجھتے تھے، (زبدۃ: ۲۵۰)

جو اباً کہا جائے گا کہ

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تمام صحابہ اور تابعین کا  
اجماع نقل فرمایا ہے، حضرت امام صاحب کی وفات، ۲۰۴ھ میں ہوئی ہے ۳۲ھ سے ۲۰۴ھ تک کا  
درمیانی وقفہ، ۱۷۲ سال کے عرصہ دراز اور یوں بعید پر محیط ہے اس طویل دورانیے کی ہر آن اور ہر  
ساعت افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نور سے جگمگا رہی ہے دنیا نے علم ولیقین کے دروہام اس  
عقیدہ حق سے درخشندہ اور تابندہ ہیں، افضلیت صدیق کی داستانیں صحرائے عرب کی حد بند یوں کو  
پھلانگ کر عجم میں داخل ہو چکی ہیں، صحیفہ کائنات پر افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان مٹ  
جاویدانی نقوش لو ہے پلکوں پر کھینچے اور پورے عالم کے ہر ذرہ والے اور محال کا گزرتک نہیں ہو  
For more books click on the link  
<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

سکتا، جب سال ۲۰۱۲ھ میں اقلیم اعتقاد و عمل پر افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تسلط، تحکم، اور تصرف موجود ہے تو خدائے وحدہ لا شریک کو حاضر و ناظر جان کر ماننا پڑے گا کہ قرآن و حدیث، اجماع کے ساتھ تقابل و توازن کی صورت میں یہ روایت شاذ ہے، دلیل و حجت کے شرف سے عاری اور محروم ہے۔

ثانیاً: اس روایت میں یہ الفاظ خصوصی توجہ کے حامل ہیں:

﴿وكان تلامذته لا يفضلون عليه احداً من الصحابة﴾

ترجمہ: کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردان گرامی کسی بھی صحابی کو ان سے افضل نہیں سمجھتے تھے، سوال یہ ہے کہ ﴿لا يفضلون عليه احداً من الصحابة﴾ العموم المطلق میں جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ داخل ہیں یا نہیں؟

اگر نہیں تو قرینہ صارفہ لفظیہ متعین کیا جائے کسی فرد صحابی کی استثناء، تفرغ، تخرج کیلئے پورے جملہ میں کوئی قرینہ صارفہ لفظیہ ہے ہی نہیں تو لامحالہ عدم تفصیل کے اس نظریہ عام اور حکم عموم کو فرداً خاص پر جاری اور منطبق کرنے کیلئے طاقت و رد دلیل اور استحکام بھرے قرینہ کی ضرورت ہے جملے کا کوئی لفظ، معنی، سیاق و سباق اس کی تائید نہیں کر رہا تو کیا من پسند توجیہ کے وجود اور ثبوت کیلئے قوت عقل کو دلیل تخصص کے طور پر استعمال کیا جائے گا؟ جس کا استعمال بالبداہت باطل ہے، کیونکہ مسئلہ زیر بحث کا تعلق اعتقاد سے ہے جو امر تو قیفی، امر اتقائی ہے اس کا تحقق اور رد و عمل ہونا مورد شرع پر موقوف ہے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امر اعتقادی، امر تو قیفی ہے اس کا تحقق و تولد مورد شرع پر موقوف ہے جو دلائل عقلیہ کی پہنچ اور سائی سے وراء الوری ہے خلاصہ یہ ہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی پر نہ دلیل عقلی موجود ہو کر کارگر ہے نہ مذکورہ بالا قول موثر ہے۔

ثالثاً: یہ عبارت بظاہر بطرح افضلیت ابو بکر صدیق کیلئے نفی ہے اسی طرح تفصیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھنے والوں کے بھی خلاف ہے، اندریں حالات یہ عبارت دلیل کی تعریف میں آتی ہے نہ دلیل کے طور پر پیش ہو کر افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی میں موثر کردار ادا کرنے کے قابل ہے، لہذا افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی میں اس عبارت کو بطور دلیل پیش کرنا عقل و نقل کے خلاف ہے۔

سوال: سید صاحب نے لکھا کہ اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت شرط سنیت ہوتی تو یہ لوگ سنی کہلانے کے حقدار نہ ہوتے، جبکہ یہ لوگ سنیت کے علمبردار ہیں۔ (زبدۃ: ۲۵۰)

جواب: جو اباً تحریر کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ﴿خیر القرون قرنی، ثم الذین یلون ہم، ثم الذین یلونہم﴾ تابعین، تبع تابعین کا دور خیر القرون کا دور ہے تابعین کے شب و روز تو خیریت سے معمور اور مسرور ہیں زبان رسالت مآب ﷺ سے ملنے والے فضائل نے اس دور کی شان و شوکت روحانی عظمت اور دینی کرامت کو اوج ثریا سے بھی بلند مقام عطا فرما دیا ہے، وحی کے آثار و مشاہدات کا سلسلہ ابھی باقی اور جاری ہے، نزول وحی کے آثار و اوقات کی یادداشتیں ابھی محفوظ اور مامون ہیں، ذات نبوت سے پھونٹنے والے انوار، زبان نبوت سے جلوگر ہونے والے اسرار کو سمیٹنے والے قلوب و اذہان وافر تعداد میں موجود ہیں جنہوں نے فیضان نبوت کی تقسیم کی ذمہ داری ہر آن میں قبول کر رکھی ہے تعلیمات نبویہ کی تبلیغ و تشہیر کا سلسلہ اسلامی بستیوں کے آفاق تک پھیل گیا ہے تابعین کے دور کا ہر فرد تابعی خیر کی برسات ہے رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور مینارۂ نور ہے جب شکوک و شبہات کی نفی میں ہر تابعی پر تاج خیریت سجا دیا گیا ہے تو ان نفوس قدسیہ کو سنی اور غیر سنی کی نظر سے دیکھنا اور درجہ بندی کرنا کہاں کا انصاف اور کہاں کا ایمان ہے؟

امتی اور کلمہ گو مسلمان ہونے کے ناطق ثم الذین یلونہم کے فرمان آخر اور حکم اٹل کے مقابل ان کیلئے سنیت کا معیار مقرر کرنا تقاضائے علم و دانش ہے؟ یہ مردان پاکباز نمونہ ایمان ہیں، علم و عمل اور اعتقاد میں ان مسافران جادۂ حق کو صحابہ کرام کی وہ شاہراہ ہدایت میسر ہے جس کا آخری سر رسول اللہ ﷺ کی دہلیز پر ختم ہوتا ہے کیا اعداد و شمار تابعین کی جمعیت اور کثرت کا احاطہ کر سکتے ہیں؟ کوئی معین عدد اس عنوان میں راہ نمائی کر سکتا ہے؟ مشہور روایت اور شنید کے مطابق صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار کے لگ بھگ ہے، اگر ایک ایک شاگرد ہو تو بھی یہ تعداد ایک لاکھ سے اوپر ہے تو فقط تین تابعین کے قول پر اجماع صحابہ کا انکار افضلیت ابو بکر صدیق کی نفی اور ان تین کے بیان پر سنی یا غیر سنی ہونے کا فیصلہ یا فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ یا للعجب، یہ حضرات سنیت کے بانی اور علامتی نشان ہیں۔

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

سوال : سید صاحب نے لکھا کہ: اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ تعلیمات کے بانی ہیں اگر افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انکار کرنے سے سنیت سے اخراج لازم آتا تو یہ لوگ سنیت سے خارج کر دیئے جاتے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی سنیت کی دنیا میں امام اعظم کا لقب ارزانی نہ ہوتا۔ (زبدۃ: ص، ایضاً)

جواب : جواباً تحریر کیا جاتا ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کی جو فہرست شیخ ولی الدین، ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نے جاری کی ہے اس کے مطابق حماد بن ابی سلیمان، عطاء بن ابی ریحان، ابواسحاق السہمی، محمد ابن المنکدر، رافع، ہشام بن عروہ، سماک بن حرب، کے اسماء گرامی نمایاں ہیں، مسروق بن الابدع، تمیم بن خدیم، اور ابراہیم الخثعمی رحمہم اللہ کے اسماء گرامی نہیں پائے جاتے، اس لئے ہر سہ تابعین کو امام ابوحنیفہ کے سلسلہ تعلیمات کا بانی قرار دینا محل نظر ہے، جب ان تین تابعین سے حضرت امام حنیفہ رضی اللہ عنہ کا شرف تلمذ ثابت نہیں تو یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ اگر افضلیت ابو بکر سنیت کیلئے شرط لازم ہو تو امام ابوحنیفہ سنیوں کے امام ہوتے نہ ان کو امام اعظم کا لقب ارزانی ہوتا، جب یہ سہ تابعین استناد نہیں تو امام ابوحنیفہ ان کے عقیدہ عدم تفضیل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نہ ہوئے بلکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقیدہ پر ہونے کی وجہ سے سنی ہوئے بلکہ سنیوں کے امام اعظم ہوئے اس لقب کی ارزانی کی ممانعت اس وقت ہوتی جب ان تابعین ثلاثہ کے تلمیذارجمند اور تابع عقیدہ ہوتے، جب اعتقادی شاہراہ پر ان تابعین ثلاثہ کے ہم سفر ہی نہیں تو ان کے عقیدہ کو، عقیدہ امام پر چسپاں کرنا اور اس سے عدم تفضیل ابو بکر صدیق کے قائل پر سنیت کا اطلاق کرنا اور استدلال کرنا کیسے درست ہے؟

ثانیاً: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے (جبکہ ایسا نہیں) کہ مذکورہ سہ تابعین کا شمار امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ تعلیمات کے بانیوں میں ہے اور ان کے درمیان سنیت اور ہم اعتقادی کا بے مثال تعلق اور لازوال رشتہ موجود ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عملی اور اعتقادی زندگی ان سہ تابعین کے عقائد اور نظریات سے عبارت ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

افضلیت کا قائل اور ناشکر نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ آپ کا قول اور منشور اس کے مغائر ہے آپ کا فرمان ہے  
﴿و افضل الناس بعد النبیین علیہم الصلوٰۃ والسلام ابو بکر الصدیق﴾ (فقہ اکبر)  
ترجمہ: انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ساری انسانیت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں، اگر  
آپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو قلب و زبان سے ماننے والے نہ ہوتے تو ان الفاظ پر مبنی  
اپنے اعتقاد و عمل کی تحریری سند کیوں جاری فرماتے؟

ثالثاً: اگر آپ کا عقیدہ اور عمل افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہ ہوتا تو پوچھنے پر یہ وضاحت کیوں  
فرماتے؟ ﴿وفی المنقحی سئل ابو حنیفۃ عن مذهب اهل النسۃ والجماعۃ فقال نفضل الشیخین  
ای ابابکر وعمر ونحب الختین ای عثمان وعلیا وان نری المسح علی الخفین﴾  
(شرح فقہ اکبر ص: ۹۰، مطبع سعیدی کراچی)

ترجمہ: المنقحی میں مذکور ہے کہ اہل سنت و جماعت کے مذہب کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ  
عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، ہم شیخین یعنی ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو  
ساری امت سے افضل سمجھیں، اور ہم آپ ﷺ کے دامادوں، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی  
اللہ عنہما سے پیار و محبت کریں اور ہم موزوں پر مسح کو جائز قرار دیں،، اس وضاحت کے شائع ہو جانے  
کے بعد عقیدہ امام کو غلط سمت لے جانا اور مقام تحقیق میں اس کی نقیض پیش کرنا روح امام کو تڑپانے،  
رنج پہنچانے اور ناراض کرنے کے مترادف ہوگا، جب عقیدہ امام اس قدر صاف اور واضح ہے اور فقہ  
اکبر کے جگر میں پیوست ہو کر قیامت تک آنے والی امت مسلمہ کیلئے نشان ہدایت متعین کر رہا ہے، تو  
پھر ادھر ادھر کے قضیے اور بنیے ملا کر اسکی جلوت اور صفوت کو کند کرنا، فکر اسلام ہوگی نہ اتباع حنفیت۔

دابعاً: اگر یہ تین تابعین بشمول تلامذہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو  
شیخین سے افضل جانتے تھے تو کہانی کا اختتام یہ ہوگا کہ تابعین کا یہ گنا چنانچہ مختصر قافلہ دوسرے تابعین  
جو افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مدعی ہیں اور تمام صحابہ کے اجماع کو تسلیم نہیں کر رہا جس کا مفاد  
یہ ہوگا کہ یہ گروہ انکار کے پردے میں قرآن حدیث اجماع صحابہ اور اجماع تابعین کا انکار کر رہا ہے کیا

تابعی ایسی نورانی اور مقدس ہستی سے اتنے بڑے انکار کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں اور پیشرو صحابہ کے مقابل انکار و نفی افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا علم بلند کریں؟ ماننا پڑے گا یہ روایت شاذ ہے اور ناقابل ترجیح ہے، کیونکہ اس کے مقابل صحابہ اور تمام تابعین کا اجماع ہے جو بمرتبہ حکم قطعی ہے یہ روایت شاذ، قول شاذ اضعف اور ظنی ہے، اور ﴿ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً﴾ واضح حکم اور صریح دلیل کے طور پر موجود اور محسوس ہے۔

### حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے معارضے کا جواب

سوال: سید صاحب نے امام عبدالرؤف مناوی کی کتاب ”سیدۃ النساء“ کے حوالے سے اجماع کی نفی پر تحریر کیا کہ: ﴿عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا انھا قالت ما رأیت افضل من فاطمة غیر ابیہا﴾ (زبدۃ: ۲۵۰)

ترجمہ: جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے سوا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل کسی کو نہیں پایا، آگے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: اگر جناب ابو بکر صدیق کی افضلیت پر اجماع ہو گیا ہوتا تو جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا قول کیسے کرتیں جبکہ سرکارِ دو عالم کا فرمان تھا کہ ﴿خذوا ثلث دینکم من ہذہ الحمیر﴾ اس گفلام سے دین کا دو تہائی حاصل کرو، اتنی فقہت کے ہوتے ہوئے اس اجماع کو مد نظر رکھتیں۔ (زبدۃ ص: ۲۵۰، ۲۵۱)

جواب: سید صاحب کا مینترے بدل بدل کر اجماع پر حملہ آور ہونا ان کا ایک مزاج بن چکا ہے اس کو مبارک ہو، لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے نہ اجماع پر زد پڑتی ہے نہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی ہوتی ہے تفصیلات ملاحظہ ہوں،

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: افضلیت کے وجوہ خاص ہوتے ہیں ایک وجہ کی افضلیت دوسری کے منافی نہیں ہوا کرتی، جن فضائل کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ کثرت ثواب اور نفع اہل اسلام کی بنیاد پر نہیں بلکہ نسب و شرف و کرامت کی بناء پر ہے، کیونکہ اس بات میں

کوئی شک نہیں کر سکتا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کو نبی شرف اور قدر حاصل نہیں ہے اور یہ شرف و قدر شیخین کے ہاں نہیں پائی جاتی اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا باوجودیکہ شیخین سے اہل اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ (تکمیل الایمان ص: ۱۶۵، مکتبہ نبویہ لاہور)

شیخ رحمہ اللہ نے اس سے اوپر (ما قبل) کیا لکھا ملاحظہ ہو، امام تاج الدین السبکی رحمہ اللہ جو شافعیہ کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں، طبقات کبریٰ میں بعض متاخرین کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حسین کی تفصیل کے قائل تھے، حضور علیہ السلام کے جگر کے ٹکڑے تھے،

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب خصائص میں امام علیم الدین عراقی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم علیہما السلام با اتفاق رائے چاروں صحابہ سے افضل ہیں، حضرت امام مالک فرماتے ہیں ﴿ما افضل علی بضعة النبی ﷺ احدا﴾ حضور علیہ السلام کے گوشہ جگر سے کوئی افضل نہیں ہے اس فضیلت سے مراد یہ ہے کہ دوسرے اہل بیت سے افضل ہیں ورنہ فضیلت خلافت و ثواب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، (تکمیل الایمان ص: ۱۶۵، مکتبہ نبویہ لاہور)

شیخ محقق کی تفصیل سے واضح ہوا کہ: (۱) فضیلت دو قسم ہے (۱) ایک وہ فضیلت ہے جو نسب کے شرف اور کرامت کی بناء پر ہے، (۲) وہ فضیلت ہے جو کثرت ثواب اور نفع اہل اسلام کی بناء پر ہے۔

افضیلت قسم اول رسول اللہ ﷺ کی اولاد طیبہ، طاہرہ کے ساتھ مختص ہے اس میں دوسرا کوئی اہل بیت اور کوئی صحابی شریک نہیں، یہ فضیلت رسول اللہ ﷺ کے جگر پاروں کیلئے خاصہ لازمہ بینہ ہے، نسب شرف اور کرامت کے لحاظ سے حضرت فاطمہ اور دیگر اولاد رسول ﷺ شیخین سے افضل ہیں کیونکہ یہ گوشہ ہائے جگر رسول اللہ ﷺ ہیں لیکن کثرت ثواب، اور نفع اہل اسلام کے حوالے سے ساری امت سے افضل حضرات شیخین ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی اور امام علیم الدین عراقی رحمہما اللہ کے عقیدہ اور تحقیق کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ، اور آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر جگر پارے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہیں،

اس میں شک و شبہ کا گزرتک نہیں،،

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿فقی ذات اولادہ ﷺ من الشرف مالیس فی ذات الشیخین ولكنهما اکثر ثوابا واعظم نفعاً للمسلمین والاسلام واحشی اللہ واتقی

ممن عداهما من اولادہ ﷺ فضلا عن غیرہم﴾ (الصواعق المحرقة، ۵۹)

رسول اللہ ﷺ کی اولاد طیبہ طاہرہ کو ذات کے لحاظ سے ایسا شرف حاصل ہے جس سے شیخین کی ذوات محروم ہیں وہ شرف یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لُججائے جگر ہیں، مگر جہاں تک کثرت ثواب اور موجبات کثرت ثواب کے سمیٹنے، تبلیغ اسلام، نشریات اسلام، تحفظ اہل اسلام اور ان کی مالی امداد، فکری لام بندی باہمی اتحاد و یگانگت کے قیام تقویٰ اور خشیت خداوندی کا تعلق ہے اس میں شیخین بھی منفرد ہیں اور پوری امت سے افضل ہیں، محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے فرمان سے ثابت ہوا شرف ذات کی جو فضیلت ہے یہ فضیلت صرف اولاد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے شیخین کو بھی یہ فضیلت میسر نہیں، لیکن اسلام کی خدمات، اور اہل اسلام کو منافع اور فوائد پہنچانے کے عوض جو ثواب شیخین کو ارزاں ہوا اسمیں باقی لوگ تو رہے درکنار رسول اللہ ﷺ کی اولاد طیبہ طاہرہ بھی شریک نہیں،، خلاصہ یہ ہے کہ بقول امام جلال الدین سیوطی اور امام علیہ الدین عراقی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اور ان کے برادر حضرت ابراہیم علیہ السلام شیخین سے بھی افضل ہیں اس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے لیکن فضیلت کے دوسرے پہلو، کثرت ثواب، اسلام اور مسلمانوں کو فوائد اور منافع پہنچانے کے لحاظ سے شیخین تمام امت اور اولاد رسول ﷺ سے بھی افضل ہیں..... اب پلٹ آئیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کی طرف جس میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿مارأیت افضل من فاطمة غیر ایہا﴾ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے سوا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل کس کو نہیں پایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان سے اجماع کی نفی پر استدلال کرنا بچہد و جوہ غلط اور تحقیق و دانش سے بعید ہے

اولاً: اجماع رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقع پر ہوا اور حضرت عائشہ کا فرمان دو حال سے خالی نہیں

دفات سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے کا ہو تو منافی اجماع نہیں کیونکہ اجماع تو سانحہ ارتحال کے دن ہوا، اور اگر بعد کا ہے تو پھر بھی اس کا منافی اجماع ہونا محال شرعی ہے کیونکہ سید صاحب نے خود سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ ﴿خذواثلثی دینکم من ہذہ الحمیرا﴾ اس گفام سے دین کا دو تہائی حاصل کرو، یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ باقی تمام صحابہ، صحابیات، ازواج مطہرات کے پاس علم کا ایک حصہ ہے اور ام المؤمنین جنابہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس علم الناس کے مقابل دو گنا علم ہے، اتنی عالمہ، فاضلہ جن کے علم بلیغ کی نشاندہی خود خود رسول اللہ ﷺ فرمائیں اور تعلم دین کا حکم فرمائیں ان سے یہ توقع رکھنا اور یہ باور کر لینا کہ وہ اجماع کی معلومات رکھنے کے باوجود اس پر کاری ضرب لگا کر اس کی حیثیت اور قطعیت کو نیست و نابود فرمائیں گی، ان کیلئے ایسا کرنا ناممکن اور مانعین اجماع کیلئے ایسا سوچنا بھی باطل ہے۔

ثانیاً: حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان برحق ہے یہ فرمان عدم اجماع کی دلیل نہیں اس لئے کہ: ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے فرمان میں افضلیت سے مراد شرف نسب کی افضلیت ہے، کثرت ثواب، اور موجبات ثواب کی افضلیت نہیں تاکہ باہم متعارض ہو کر حقیقت اجماع کو مشکوک یا محذوش بنائے، پہلے نقل ہو چکا ہے کہ شرف نسب اور کرامت حسب کی وجہ سے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے بچھٹائے بگھر ہونے کی وجہ سے شیخین سے افضل ہیں اس پر اجماع ہے بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی افضل ہیں، لیکن کثرت ثواب اور موجبات ثواب کی بناء پر شیخین رسول اللہ ﷺ کی اولاد پاک سے بھی افضل ہیں جب افضلیت کی دو مختلف وجوہات ثابت ہوئیں تو افضلیت بھی مختلف نوعیت کی ہوگی کوئی افضلیت دوسری افضلیت کے منافی نہیں تاکہ تعارض کی صورت میں اجماع کی نفی لازم آئے، جب تعارض نہ ہو تو اجماع اپنی جگہ قائم اور دائم ہے، ام المؤمنین کا فرمان درست ہے، مگر اجماع کی نفی کیلئے مفید اور جائے استدلال نہیں۔

تالثاً: پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان اجماع کے منافی اس لئے بھی نہیں کہ یہاں افضلیت سے، مراد اہل بیت کی افضلیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت، میں سے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر

باقی تمام افراد سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں کیونکہ وہ بضعتہ النبی ﷺ ہیں یہ شرف یہ اعزاز یہ کرامت صرف اور صرف اولاد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے جن میں خاتون جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا بطور خاص قابل ذکر ہیں،، (رضی اللہ عنہا)

غرضیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان تھا نیت، صداقت، امانت اور دیانت کی بلند پایہ تفسیر، اور لازوال ترجمانی ہے جس کو اجماع سے ٹکرانا، اور نفی اجماع پر بطور دلیل پیش کرنا عقل و نقل سے دور ہو سکی وجہ سے حجت نہیں۔ ☆ تفکر و تدبر ☆

رابعاً: اگر اس افضلیت کو بیضیہء عموم رکھا جائے اور یہ کہا جائے کہ علی الاطلاق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل ہیں تو اس سے قرآن و حدیث اور اجماع کا انکار لازم آتا ہے جو محال شرعی ہے اور قانون کے مطابق جس امر سے محال لازم آئے وہ خود محال ہوتا ہے لہذا قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف ہو کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علی الاطلاق رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل قرار دینا محال شرعی ہے،، وہو المراد،،

سوال: بعض اہل علم نے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احب ہونے سے بھی ان کی افضلیت مطلقہ پر استدلال کیا ہے مگر امام مناوی اسی کتاب کے اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں،،

﴿عن النعمان بن بشیر، استأذن ابو بکر علی المصطفى فسمع عائشة علیا وهی تقول والله لقد عرفت ان فاطمة وعلیا احب الیک منی ومن ابی مرتین او ثلاثاً فاستأذن ابو بکر فاهوی علیها فقالت یا بنت فلان الیسمعتک ترفعین صوتک علی رسول الله ﷺ﴾ رواه الامام احمد ورجاله رجال الصحیح ﴿

ترجمہ: نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہا تو انہوں نے جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونچی اونچی آواز میں باتیں کرتے ہوئے پایا، اور وہ کہہ رہی تھیں، خدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ آپ کو فاطمہ رضی اللہ

عنہا اور علی رضی اللہ عنہ مجھ سے اور میرے والد سے دو گنا یا تین گنا زیادہ پیارے ہیں۔ حضرت ابو بکر

صدق رضی اللہ عنہ نے اجازت لیکر جنابہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کیا اور کہا اے فلاں کی بیٹی، کیا میں نے تمہیں نہیں سنا کہ تم جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بات کر رہی تھیں؟ اس کو امام احمد نے روایت کیا اور بتایا کہ اس کے راویان صحیح کے راویان ہیں۔ (زبدۃ، ص: ۲۵۲)

سید صاحب نے تبصرہ میں کہا ہے کہ اگر اجبیت بھی بقول بعض اہل علم کے موجب فضیلت ہے تو وہ بھی جناب مرتضیٰ اور جنابہ سیدہ رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے،، یہ اجماع مبین جن کے حق میں ہو اور ان کو کیوں معلوم نہیں اور ان کے گھر والوں کو کیوں معلوم نہیں، اصولی طور پر تو باپ کے فضائل جس قدر بیٹی کو معلوم ہو سکتے ہیں اس قدر دوسرے کو یاد ہونا محالات عادیہ میں سے ہے۔ (زبدۃ، ایضاً)

جواب: اگرچہ پہلی جلد میں آچکا ہے لیکن اس جلد کے قارئین کی سہولت کیلئے اور موقعہ کی مناسبت سے اس کا جواب یہاں تحریر کرنا زبں ضروری ہے: سید صاحب نے یہ روایت لا کر اجماع کی نفی اور اس سے معارضہ کرنیکی سعیء لا حاصل کی ہے،، تحقیق یہ ہے کہ: یہ حدیث تقریری ہے اس کے مد مقابل حضرت عمرو بن العاص کی حدیث ہے حضرت عمرو بن العاص نے غزوہ ذات السلاسل کے موقعہ پر جب وہ امیر لشکر مقرر ہوئے تو انہیں خیال آیا کہ شاہد وہ شیخین سے افضل ہیں کیونکہ اس لشکر میں شیخین بطور لشکری شریک ہوئے تھے، حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ:

﴿ای الناس احب الیک قال عائشة فقلت من الرجال فقال ابوہا، فقلت ثم من قال ثم عمر بن الخطاب، الحدیث﴾

سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ (رضی اللہ عنہا) میں نے پھر پوچھا مردوں میں سے سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ کا باپ (رضی اللہ عنہما) میں نے عرض کیا ان کے بعد کون؟ تو فرمایا پھر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) بظاہر ان دو احادیث میں تعارض ہے، اصول حدیث کے مطابق پہلی حدیث جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ اظہار کیا کہ فاطمہ اور علی (رضی اللہ عنہما) مجھ سے اور میرے والد (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے دو، یا تین گنا زیادہ پیارے ہیں یہ حدیث تقریری ہے کیونکہ آپ ﷺ نے قول عائشہ رضی اللہ عنہا کی تردید نہیں

فرمائی، جبکہ اس کے مقابل حدیث عمر وابن العاص رسول اللہ ﷺ کا اپنا ذاتی فرمان ہے، فرمان رسول اللہ ﷺ کے مقابل قول عائشہ صدیقہ مرجوح ہے، راجح کی موجودگی میں قول مرجوح (حدیث مرجوح) دلیل ہے نہ حکم، ہر دو احادیث پر امام ابن حجر مکی العسقلانی شارح بخاری نے تحقیق کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وان كان في الظاهر يعارض حديث عمر وولكن يرجح حديث عمرو انه من قول النبي ﷺ وهذا من تقريره﴾ (فتح الباری، جز سابع، ص ۱۹)

ترجمہ: اگرچہ بظاہر حدیث عائشہ صدیقہ، حضرت عمر وابن العاص کی حدیث کے معارض ہے لیکن حضرت عمر وابن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث راجح ہے کیونکہ حدیث عمر وابن العاص رسول اللہ ﷺ کا اپنا فرمان ذی شان ہے اور حدیث عائشہ قول عائشہ رضی اللہ عنہا ہے رسول اللہ ﷺ نے سماعت فرمایا اور اس کی تردید یا نفی نہیں فرمائی، بلکہ سکوت فرمایا جو مفید تقریر ہے جہاں دو احادیث کے درمیان راجح اور مرجوح کی نوعیت اور کیفیت پیدا ہوتی ہو وہاں اصول حدیث کی روشنی میں حدیث راجح پر عمل کیا جاتا ہے، سید صاحب نے اجماع کی نفی پر حدیث عائشہ صدیقہ کے قول سے استشہاد کیا ہے جو سراسر غلط ہے،،

ثانیاً: بے شک اولاد اپنے والدین کے حالات، واقعات، فضائل و کمالات کی زیادہ واقف اور شناسا ہوتی ہے مگر قول عائشہ صدیقہ جو اس وقت زیر بحث ہے اس کی گہرائی اور مقصد تک پہنچنے کیلئے اس منظر اور ماحول کو بھی زیر غور اور مد نظر رکھنا ہوگا، الفاظ کے قرینے باور کراتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلام غصہ اور جذبات میں آکر کیا ہے، یہی تو جناب صدیق اکبر نے فرمایا تم رسول اللہ ﷺ سے اونچی اونچی بولتی ہو، جناب صدیق اکبر کے یہ الفاظ بتاتے ہیں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا باواز بلند رسول اللہ ﷺ کے حضور بولنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ناگوار، اور گراں گزار تھا اور نہ آپ رضی اللہ عنہ ان کو ڈانٹ نہ پلاتے ایک تو قول عائشہ بحالت غصہ اور بصورت ناراضگی سرزد ہوا دوسرا یہ کہ رسول اللہ نے سماعت فرمایا مگر تردید نہ فرمائی جس سے قول عائشہ حدیث تقریری کے حکم میں چلا گیا، جبکہ حدیث عمر وابن العاص رضی اللہ عنہ میں سوال و جواب کی صورت ہے رسول اللہ ﷺ نے افضلیت ابو بکر صدیق اور افضلیت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر مر قطعیت ثبت فرمائی ہے کیونکہ

حضرت عمر و ابن العاص کا سوال ﴿ای الناس احب﴾ اگرچہ مطلق ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے جواب میں انفرادیت اور خصوصیت ہے کہ آپ نے فرمایا عائشہ! یعنی میرے ہاں سب سے زیادہ محبت اور فضیلت کے معیار پر پوری اترنے والی عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جب حضرت عمر و ابن العاص رضی اللہ عنہ کی دلی آرزو برآئی نہ منشاءً سوال پورا ہوا تو پھر عرض کیا ﴿من الرجال﴾ فرمایا ﴿ابوہا﴾ اس کا والد (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) حدیث عمر و ابن العاص سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ رسالت میں مقام و مرتبہ اور افضلیت کا پتہ چلتا ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ محبتوں اور افضلیت کی تصویر بن کر مصطفیٰ ﷺ کی نظروں میں گھوم رہے ہیں رسول اللہ ﷺ نے پہلے سوال کے جواب میں عائشہ اور دوسرے کے جواب میں ابوہا فرما کر یہ اعلان فرمایا کہ صدیق اور صدیق اکبر کا گھرانہ اپنی لازوال محبتوں اور بے مثال انسانی خدمات، اور مخلصانہ احساسات اور جذبات کی بدولت بارگاہ رسالت میں عزت و عظمت کی اس اوج کمال پر براجمان ہے جہاں بقیہ انسانیت انبیاء اور مرسلین کو چھوڑ کر وہاں تک رسائی حاصل کرنے سے عاجز اور قاصر ہے، قابل غور بات یہ ہے جب سوال مطلق ہے تو جواب کوئی اور بھی تو ہو سکتا تھا اپنے اہل بیت یا اپنے خاندان کے کسی بھی فرد کا نام زبان مبارک پر آ سکتا تھا مگر سوائے ابوبکر صدیق اور ان کی صاحبزادی کے اور کسی نام کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ جناب ابوبکر صدیق ہی آپ کی بارگاہ میں افضل ہیں، یہ اسلام اور ایمان کا مسلمہ قانون اور متفقہ اصول ہے کہ اللہ کا نبی اپنی طرف سے کچھ کہتا ہے نہ کہہ سکتا ہے بلکہ اس کا قول ازلی صداقتوں اور نفس الامری حقیقتوں کا ترجمان ہوتا ہے بالخصوص نبی کریم ﷺ کے فرمان کے وحی ہونے کی ضمان دی گئی ہے ﴿ما ینطق عن الہوی ان ہو الا وہی یوحی﴾ اگر لہجہ بھر کیلئے اس کے خلاف تصور کر لیا جائے تو مسلمان فی الفور دولت ایمان سے تہی دامن ہو جاتا ہے آئیہ کریمہ حصہ قرآن ہے اس پر ایمان رکھنا واجبات شرعیہ میں سے ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ فرمان رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنا ضروریات شرعیہ میں سے ہے جس کا مال یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دربار گوہر بار میں جناب

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی علی الاطلاق افضل ہیں اگر اسلام میں اس مرتبہ کی کوئی اور شخصیت ہوتی تو اللہ کے محبوب ضرور اس کو نامزد فرماتے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

خلاصہء ماقبل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ والی حدیث جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی احصیت میں وارد ہوئی ہے حدیث تقریری ہے اور حضرت عائشہ اور حضرت ابو بکر صدیق کی احصیت میں رسول اللہ ﷺ کا اپنا فرمان حدیث نبوی ہے جو بمقابلہ حدیث تقریری ارفع، علی اور ارجح ہے جیسا کہ امام ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے پہلے نقل ہو چکا ہے حدیث نبوی کے مقابل حدیث تقریری دلیل ہے نہ حجت،،

اگر سید صاحب حدیث تقریری سے حدیث نبوی کو متروک یا مرجوح بنانا چاہیں یا تقریری سے اجماع کے بلند ترین اور مضبوط تر آہنی قلعے کو مسما ریا فتح کرنا چاہیں تو یہ مجال شرعی ہے کیونکہ ایسی صورت میں حدیث تقریری کا مقابلہ، حدیث نبوی اور اجماع کے ساتھ ہوگا، تقابلی کی صورت میں حدیث تقریری کمزور جبکہ اجماع اور حدیث نبوی قوی تر ہیں، ان کے ہوتے ہوئے حدیث تقریری قابل عمل نہ ہوگی۔

### حضرت عباس کے قول سے اجماع کا معارضہ اور اس کا جواب

سید صاحب: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع کے خلاف آراء میں سے ایک درج ذیل ہے، حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۳۶۳ھ اپنی کتاب تاریخ بغداد جلد ۹، ص ۲۹۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ﴿قال اما العباس فمات وعلی عنده افضل الصحابة﴾

ترجمہ: رہی بات عباس رضی اللہ عنہ کی سو وہ وفات پا گئے جبکہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک سب صحابہ سے افضل تھے، اگر سنیہ کیلئے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا ضروری ہوتا تو لوگ نہیں سنی نہ سمجھتے آپ کا وصال ۳۲ھ میں ہوا، اور آپ اسی عقیدہ پر تھے، (زبدۃ، ۲۵۲)

اقول: تاریخ بغداد سے منقولہ اقتباس، عقیدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مغائر ہے، سید صاحب نے خود تحریر کیا ہے اسی سے ملتی جلتی روایت جناب شععی سے منقول ہے (یہ تابعی ہیں)

میں نے جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا جبکہ یہ بات پہلے آپ سے پوچھی جا چکی تھی

عباس نے جو بافرمایا تم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول نہیں سنا؟

﴿خير البرية اتقاها واعدلها..... بعد النبي و اوفاهما بما حملا﴾

ساری مخلوق (بعد از نبی) سے وہ اچھا ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور سب سے زیادہ عادل ہے اور جو فرض اپنے ذمے لئے تھے، سب سے زیادہ اچھی طرح انہیں نبانے والا ہے۔

﴿وكان حب رسول الله قد علموا..... من البرية لم يعدل به رجلا﴾

ترجمہ: لوگوں کو جناب رسول کریم ﷺ کی حضرت ابو بکر صدیق سے محبت کا علم تھا کہ وہ مخلوق میں سے کسی کو بھی حضرت ابو بکر صدیق کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ (زبدۃ: ص، ۵۱، ۵۲)

اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عقیدہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا ہوتا تو ان اشعار کا حوالہ دیتے، اور نہ دوسری بار اس کا تذکرہ فرماتے،

ثانیاً: حضرت عباس کو پورا پورا علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ میں سے کسی بھی فرد صحابی کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل اور احب تر انہیں دیتے تھے ﴿قد علموا﴾ کا صیغہ جمع، جمع صحابہ کے علم ہونے پر واضح قرینہ اور دلیل موجود ہے جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود اور بحیثیت فرد شامل ہیں۔

ثالثاً: خطیب بغدادی کا قول، قول شخص، قول فرد، قول مورخ ہے، لیکن حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار مقدسہ حدیث تقریری ہیں کیونکہ یہ اشعار رسول اللہ ﷺ نے بحکم خود بھی سماعت فرمائے ہیں، حدیث تقریری کے مقابل قول مورخ مرجوح اور مردود ہے۔

رابعاً: انتخاب خلیفہ کے وقت صحابہ کرام نے اجماع کیا کہ منصب خلافت کے اہل حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم ہیں لیکن حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے بیعت لینے سے انکار کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی اور اجماع مکمل ہوا۔

(دیکھئے الصواعق المحرقة: ص: ۱۳)

اگر حضرت عباس کے عقیدہ میں حضرت علی افضل ہوتے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرتے سقیفہ بنی ساعدہ میں بجز زبردستی، اور امر مجبوری کا خیال اور تصور تک نہ تھا، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہوتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر ہاشمی شہزادے چپ چاپ رہتے اور آنکھیں بند کر کے دست صدیق پر بیعت کر لیتے؟ یہ ناممکنات میں سے ہے، یہ لوگ حسب و نسب کی عظمتیں لے کر تولد ہوئے، ان کی رگوں میں جرأت و بہادری، ہمت و دلیری کا خون دوڑ رہا ہے رسالت کے آفتاب جہاں تاب نے ان کی سیرت اور کردار کی جلالت کو رشک کر ثریا بنا دیا ہے ان کی ذوات مقدسہ رشد و ہدایت کا وہ سیل بے کراں ہے جس سے قیامت تک آنے والی انسانیت سیراب ہوتی رہے گی، دست صدیق پر ان کے بیعت کرنے کو کوتاہ ہمتی، اور تقیہ ایسی لعنت سے تعبیر کرنا خاندان بنو ہاشم کے ساتھ واضح بغاوت ہے، ان نیر ہائے تاباں کے صاف شفاف اعتراف حقیقت اور اقرار افضلیت کو مصلحت (تقیہ) اور دفع وقتی کی کدورتوں سے گدلا کرنا ان کے حسب و نسب سے نہ ہونے کی دلیل ہے؟

امام ابن حجر مکی نے فرمایا: ﴿وَاخْرَجَ أَبُو بَكْرٍ الْأَجْرِيُّ عَنْ أَبِي جَحِيْفَةَ سَمِعَتْ عَلِيًّا عَلَى مَنْبَرِ الْكُوفَةِ يَقُولُ إِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ خَيْرُهُمْ عُمَرُ﴾ (الصواعق المحرقة: ص: ۶۱)

ترجمہ: امام ابو بکر الٰجری نے ابی جحیفہ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ میں نے (ابی جحیفہ) کوفہ کے منبر پر حضرت علی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اس امت میں نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں پھر ان کے بعد حضرت عمر سب سے افضل ہیں۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ افضلیت ابو بکر صدیق کا عقیدہ رکھتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ دوسرے بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ نہ ہو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سال وفات ۳۲ھ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں شہید ہوئے، اس سے ظاہر ہے کہ آپ کا دور خلافت بعد کا ہے اور زمانہء خلافت میں آپ کا شیخین رضی اللہ عنہما کو افضل الامت قرار دینا یہ اسی عقیدے کا تسلسل ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام انصار و مہاجرین صحابہ نے متفق علیہ قرار دیا تھا اور اسی عقیدے کی تائید و توثیق میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب

کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تھی، بوقت بیعت حضرت علی، حضرت عباس، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے، قاضی ابوبکر الباقلائی نے التہمید میں تحریر کیا ہے:

﴿ولیس يجوز لمسلم اتقى الله ان يضيف الى على بن ابي طالب عليه السلام والزبير بن العوام التاخر عن بيعته باخبار آحاد واهية﴾

ترجمہ: جو مسلمان اللہ سے ڈرتا ہے وہ حضرت علی، حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ حضرات گرامی مرتبت بیعت کے وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود نہیں تھے اور انہوں نے دیر سے بیعت کی تھی، (الصواعق المحرقة ص: ۱۴، حاشیہ) پھر لکھا:

﴿اننا نعلم بواضح النظر كذب من ادعى تاخر على والعباس، والزبير الخ﴾ (ایضاً) ترجمہ: ہم کھلی آنکھوں کے علم و سوع کی وساطت سے اس شخص کو جو بنا قرار دیتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ بوقت بیعت حضرت علی، حضرت عباس، حضرت زبیر ابن العوام موقعہ پر موجود نہ تھے انہوں نے دیر بعد بیعت کی تھی۔

قاضی ابوبکر الباقلائی زبدۃ کے مقتداء اور امام ہیں ان کی بات اور قول سید صاحب کیلئے حرف آخر ہے اور پوری زبدہ، میں حوالہ جات کی کثرت بھی باقلانی کا ہی فیضانِ قلم ہے گو کہ دنیائے حقیقت کے نامور مجتہد فی الفقہ اور فنون حدیث کے بے تاج بادشاہ، علم کلام کے مایہ ناز مستکلم حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تبحر علمی کی انتہا رسید نظر دقیق، اور فکر ایتیق کے بعد قاضی ابوبکر الباقلائی کو عملی دنیا میں تلاش کیا تو دیکھا کہ موصوف اعظم اور اکابر معتزلہ کی صف میں ایستادہ ہیں، یہ معلوم ہو جانے کے بعد قیامت تک آنے والی دنیائے سنیت کو مطلع فرمایا کہ قاضی ابوبکر الباقلائی کو صف اعترال کے علاوہ اور کہیں بھی تلاش نہ کیا جائے ملاحظہ ہو شرح فقہہ اکبر: ص: ۱۵۱، مطبع سعدی کراچی،، جب قاضی ابوبکر الباقلائی حضرت عباس کو بوقت بیعت سقیفہ بنی ساعدہ میں حاضر اور موجود قرار دیتے تو سید صاحب کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لینا چاہیے، اب سوال یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کے منصب کیلئے کیوں نامزد نہ کیا، جبکہ ﴿الائمۃ من قریش﴾ کا حکم اٹل اور قول محکم بھی موجود تھا؟ کیونکہ اسلام میں خلیفہ کا افضل

ہونا شرط لازم ہے، حضرت سعد بن عبادہ کا انتخاب انصار کا ذاتی فیصلہ اور اتفاقی نظریہ تھا جس کے مقابل حدیث مرفوع موجود ہے جو قریش کے حق میں فیصلہ کر رہی ہے اگر بنی ہاشم کے ستارہ ہائے ہدایت اس مجمع صحابہ میں اختلاف کرتے اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عندیہ پیش کرتے تو اجماع منعقد ہو جاتا ہرگز نہیں، صدیق تو آستان نبوت کی دہلیز کو چاٹنے والا، رات بھر کیلئے صلوٰۃ عشق و محبت کا قبلہ بنانے والا، اس کے حضور سجود نیا زلٹانے والا ہے، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم فقط قریشی نہیں بلکہ ان کی رگوں میں بنو ہاشم کا وہی خون دوڑ رہا ہے جس خون کو تقدس اور طہارت کے سانچے میں ڈھال کر نبی آخر الزماں ﷺ کے وجود اور ظہور کیلئے صاف، شفاف اور رنگین بنایا گیا تھا، شیخین تو قدم رسول سے اڑنے والی گرد اور در رسول سے منسوب ہونے والی چیز کو عظمت کی نگاہ سے دیکھنے والے ہیں محبت رسول کے جذبات میں ماں کے لعلوں کا کام کیا ہے بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق سے افضل ہوں انتخاب خلافت ایسے اہم موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیش نہ کریں، محبت اہل بیت کی یادوں کو دل میں بسانے والا صدیق اکبر، ذات نبوی، اور ان فرزند ان قریش کے خون تباہ کی ہم رنگی ہم آہنگی اور منبع واحد کو دیکھ اور جان کر خود آگے بڑھ جائے، ان کی نسبت، خون اور تعلق لازوال سے صرف نظر کرے صدیق کا اسلام اور صدیق کا ایمان اس معیار کا نہیں محبت الدین طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال ابو بکر واللہ لقرابة رسول اللہ ﷺ احب

الی ان اصل من قرابتی ﴿الریاض النضرة: ج، ۱، ص: ۱۸۷﴾

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور رواداری سے پیش آنا مجھے اپنے

قرابتداروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت عباس کی نظر میں افضلیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے کا دن یوم اجماع تھا، جب اس دن افضلیت کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں نہیں آیا بلکہ بحث و تحقیق، دلائل اور ٹکراؤ کے بعد جناب صدیق اکبر کے حق میں آیا ہے تو تقاضا انصاف اور ندائے ایمان یہی ہے کہ اس فیصلے کو تسلیم کیا جائے۔

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب صحابہ میں یہ چہ میگوئیاں شروع ہوئیں، کہ حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے درمیان رنجش ہے اسی لئے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت نہیں کی، صحابہ نے اپنی مساعی جلیلہ مصالحت اور بیعت کیلئے وقف کر دیں جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنے دولت کدہ پر آنے کی دعوت دی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے تو ﴿فتشہد علی فقال انا قد عرفنا فضلک وما اعطاک اللہ ولم نفس علیک

خیر اساقہ اللہ الیک، الخ﴾ (الصواعق المحرقة: ص: ۱۵)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور پھر فرمایا اے ابوبکر صدیق بے شک ہم آپ کی افضلیت کے معترف ہیں اور ان دیگر فضائل کا بھی اقرار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو خیرات کا فیضان فرمایا ہے اس کی نفی یا تنقیص نہیں کرتے، جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس بات کی قوی اور ناقابل تردید شہادت ہے کہ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خیریت کے معترف تھے جس کا انہوں نے بارہا اظہار بھی فرمایا ہے۔ امام محبت الدین طبری نے نقل فرمایا: ﴿وحدیث الحسن ان رجلا سأل علیا، کیف سبق المهاجرین الی بیعة ابی بکر فقال انه سبقنی باربعة، الحدیث تقدم فی ذکر انه اول من اظهر اسلامه، وحدیث آخر عنه فی معناه فیہ، وحدیث تضمن قوله <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup> لعجریل من یہاجر معی؟ قال ابوبکر و حدیث مامنکم من احد الا وقد کذبنی الا ابوبکر، فی اول الخصائص و حدیث، انی اترککم فان یرد اللہ بک خیر الحدیث﴾ (الریاض النضرة: ج: ۱: ص: ۲۱۰)

ترجمہ: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مہاجرین صحابہ نے آپ کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت پر سبقت کیوں کی؟ تو آپ نے فرمایا کہ چار باتوں یعنی فضائل میں ابوبکر صدیق کو مجھ پر سبقت حاصل ہے (۱) انہوں نے سب مسلمانوں سے پہلے اپنے اسلام کا برملا اظہار کیا یعنی سب سے پہلے انہوں نے

اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا، (پہلی حدیث میں اس کا تذکرہ آچکا ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے ہم معنی حدیث پہلے گزری جس کی ضمنیات سے ایک ضمن یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے پوچھا مجھے ہجرت کرنے کا حکم تو دیا گیا ہے مگر میرا رفیق ہجرت کون ہوگا؟ تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ ابو بکر آپ کے ساتھ ہجرت کریں گے، اور یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نے میری نبوت اور رسالت کا انکار کیا ہے مگر ابو بکر صدیق وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے بدوں تردد اور بلا تامل تصدیق کی، آپ کے خصائص میں یہ حدیث بھی پہلے آچکی ہے، اور یہ حدیث بھی پہلے نقل ہو چکی ہے ﴿دخلنا على رسول الله ﷺ فقلنا يا رسول الله ﷺ الا تستخلف فقال ان يعلم الله فيكم خيرا استعمال عليكم خيركم فعلم الله فينا خيرا فاستعمل علينا ابابكر﴾ "خرجه ابن السمان في الموافقة" (الرياض النضرة: ج، ۱: ص: ۱۳۸)

ترجمہ: حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (جبکہ آپ ﷺ شدید علیل تھے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنائیں گے؟ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تم میں بھلائی کو جانا (پسند کیا) تو تم پر، تم سب سے بہتر شخص کو مقرر فرمائے گا (حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے ہم میں خیر کو پسند فرمایا پھر ابو بکر صدیق کو ہم پر خلیفہ بنایا، ابن السمان نے الموافقة میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔

دوسری حدیث: ﴿وعن علي ابن ابي طالب انه قال اتروكم فان يرد الله بكم خيرا يجمعكم علي خيركم اخوجه القلعي، وعن موسى بن شداد قال سمعت عليا رضي الله عنه يقول افضلنا ابو بكر﴾ (الرياض النضرة: ۱: ص: ۱۳۸)

حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں خلیفہ کی نامزدگی کے بغیر چھوڑے جا رہا ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو تم سب کو تم میں سے بہتر شخص کی خلافت پر جمع فرمائے گا اس حدیث کی تخریج "القلعی" نے کی ہے۔ اور موسیٰ

بن شداد سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ میں نے خود حضرت علی المرتضیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں۔

احادیث مندرجہ بالا کا اختصار اور خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی چار وجوہات اپنی زبان مبارک سے بحوالہ فرامین رسول اللہ ﷺ بیان فرمائیں جن میں کوئی فرد صحابی مشارکت نہیں رکھتا، تو یہ فضائل اربعہ ماہیت صدیق، اور افضلیت صدیق کیلئے لوازم بینہ ہیں، اور دوسری حدیث اس بات پر نص ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ علی الاطلاق سب صحابہ سے افضل ہیں، اور اس کی دلیل ﴿یجمعکم علی خیرکم﴾ کے پاکیزہ اور جامع الفاظ دلیل کے طور پر موجود ہیں، کیونکہ ﴿یجمعکم﴾ میں ﴿کم﴾ ضمیر جمعیت مطلقہ کیلئے مفید ہے اور اس کا تکرار سے آنا اور مقابلہ میں آنا تقسیم احاد اور احاد کا فائدہ دے رہی ہے جس کا مال، مفہوم ہر فرد صحابی ہے جس میں رنگ، نسل، ذات پات، مہاجر، غیر مہاجر کا تصور مفقود ہے۔

بدیہی مفہوم یہ ہے کہ اجماع صحابہ ﴿یجمعکم﴾ سے عبارت ہے (یعنی جو خلیفہ منتخب ہوگا، اس کا تقرر اور نامزدگی من جانب اللہ بصورت خیر ہوگی اور وہ سب صحابہ سے افضل ہوگا، یہ ہے فرمان رسول اللہ ﷺ جسکی تفسیر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان مبارک سے فرمادی کہ ابو بکر صدیق ہم سب سے افضل ہیں۔

تو گویا ذات صدیق انبیاء و رسولوں کے بعد غیر متنازعہ افضلیت کی بلند یوں پر جلوہ گر ہے، جس کے افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین ہونے کی گواہی اللہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ اور جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ دے رہے ہیں اب فیصلہ سید صاحب نے کرنا ہے کہ اللہ، اللہ کے رسول ﷺ کی گواہی معتبر اور وزنی ہے یا ایک مؤرخ (خطیب بغدادی) کا قول، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کی گواہی ملاحظہ فرمائیے!

امام محبت الدین طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿عن ابن عباس قال رأیت رسول اللہ ﷺ واقفا مع علی اذا قبل ابو بکر فصافحه النبی ﷺ وعانقه وقبل فاه ابی بکر فقال

عليه السلام يا ابا الحسن منزلة ابي بكر عندى كمزنتى عند ربي خرجه الملاء فى سيرته  
(الرياض النضرة : ج : ١ : ص : ١٨٥)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے ساتھ کھڑے دیکھا اتنے میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) آگئے نبی کریم ﷺ نے ان سے مصافحہ فرمایا اور گلے لگایا اور اور ان کے منہ کو چوما، پھر نبی کریم ﷺ نے جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا اے ابا الحسن ابو بکر کا مقام اور مرتبہ میرے نزدیک اس طرح ہے جیسے اللہ کے ہاں میرا مرتبہ۔

اللہ کے ہاں نبی کریم ﷺ کا جو مقام اور مرتبہ ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ملکی اور انسانی مخلوق کی پہنچ رسائی اور احاطہ سے وراہ الوری ہے اسی لئے ایک عاشق نے کہہ دیا ہے:

لا يمكن الشاء كما كان حقه..... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سیدھے سادے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ملکی اور انسانی مخلوق میں اللہ کے محبوب کا کوئی ثانی، آپ کی مثل اور آپ کی نظیر نہیں اسی طرح انبیاء اور رسولوں کے بعد پوری انسانیت میں دوسرا صدیق کوئی نہیں فقط ایک ہی ابو قحافہ (رضی اللہ عنہ) کا فرزند ارجمند ہے جس کو اللہ، اللہ کے رسول ﷺ نے اس عالی لقب سے نوازا ہے اور اس پر ﴿والذی جاء بالصدق وصدق به، الاية﴾ کی امتیازی، انفرادی مگر دائمی ابدی مہر ثبت فرمادی ہے، یہ وہ مہر صدق و تصدیق ہے جس کی تلاوت، صحیح قیامت تک ہر ملک ہر خطہ میں ہر دن اور ہر رات میں، جلوت ہو یا خلوت محراب ہو یا منبر، دوست ہو یا دشمن ہوتی رہیگی اور یوں عظمت صدیق کے اجالے ہر جگہ، ہر ملک، اور ہر خطہ میں برستے ہر قلب و جگر میں اتر کر ظلمت قلب کو کافور، اور نور ایمان سے سویرا کرتے رہیں گے، قرآن کے ماننے والوں کو اس عالی لقب کی کوکھ سے جنم لینے والے عظمت کے اس بحر بیکراں کا احساس اور ادراک کرنا پڑے گا جس کی طرف اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور جبریل آمین نے بیک آواز و بیک الفاظ اور بیک وقت توجہ کرنے کی رغبت دلائی ہے، ماننا پڑے گا کہ فضائے نیلگوں کے نیچے، انبیاء اور رسولوں کے بعد ابو قحافہ (رضی

اللہ عنہ) کا بیٹا ابو بکر ہی صدیق ہے جسکی صدیقیت کی کیفیت صوتی کا اثر ہر مومن کے کان میں اتر رہا ہے جسکی صدیقیت کی گونج سے محراب و منبر مسجور جسکی صدیقیت ہر بندہ مومن کے دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا کر رہی ہے تو گویا صدیق وہی ہے جو اللہ وحدہ لا شریک کے دربار گوہر بار میں ہمہ اوقات، ہمہ تن حاضر رہے، جو توحید کے جلال، انوار و تجلیات کے کمال، لذت قرب و وصال کے جمال میں محو، حب رسول (ﷺ) سے سرشار، در رسول پر ارادت و عقیدت کے بچود نیاز اور آستان صدیت پر تقویٰ اور انکساری کا خون پیش کرے جس کے صدق و یقین کی داستان اتنی طویل ہو کہ دنیائے اسلام کی ہر بستی، اور ہر آن اس کے ذکر سے رطب اللسان رہے ☆

یہ ایک ضمنی بات تھی جو حدیث مذکورہ بالا پر تبصرہ کی صورت میں نوک قلم پر آگئی ورنہ ہمارا اصل موضوع تشہد تکمیل ہے اس لئے ہم پھر اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں:- کہ حدیث مذکورہ کے راوی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لخت جگر ہیں ان کی تربیت، کردار، اور گفتار پر کسی شک و شبہ کے بغیر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خاندانی، خونی گہرا رشتہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے عمر میں رسول اللہ ﷺ سے دو سال بڑے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے لے کر اپنی حین حیات کی معاشی، معاشرتی زندگی کے ہر لمحے سے واقفیت رکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے سفر شام اور رفاقت صدیق کے ہر پہلو کا علم رکھتے ہیں، بچپن سے لے کر تادم مرگ خدمات صدیق سے باخبر ہیں رسول اللہ ﷺ کے دربار گوہر فشاں میں حاضری صدیق کے اوقات، انداز غلامانہ، اور آداب صحابیت حضرت عباس کے سامنے ہیں جان و مال اور اولاد کی بے مثال اور لازوال قربانیاں ان کی نظر میں افضلیت ابو بکر پر وارد ہونے والے ارشادات نبوت صحیفہ آسمانی کی طرح ان کے دل و دماغ میں پیوست ہیں،، یہ کیسے باور کیا جائے حضرت عباس جیسا قرا بتدار، فرد اہل بیت، دانا صحابی یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے جناب علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) افضل ہیں، اور پھر یہی عقیدہ لے کر واصل باللہ ہو جائیں اس خیال است و مجال است و جنوں،، حقائق و شواہد اس کیلئے آمادہ تسلیم نہیں، پھر یہ کہ:- حضرت عبد

اللہ بن عباس کی عمر تیرہ یا پندرہ برس کی تھی، جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا ہجرت سے تین برس قبل تولد ہوئے، یہ جر الامۃ کے عالی مرتبت لقب سے ملقب ہوئے، جر الامۃ کا تخلص بھی انہی کے حصہ میں آیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے حکمت، فقہ اور فن تاویل کی ارزانی کیلئے دعا فرمائی دو بار جبریل امین کو دیکھا۔ (اکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ)

رسول اللہ ﷺ کے سانحہء ارتحال کے وقت جب آپ پندرہ سال کے تھے تو عرب دنیا کے رسم و رواج اور موسم کے لحاظ سے آپ سن بلوغت کو پہنچ چکے تھے، سن بلوغت میں آپ نے یہ حدیث اپنے کانوں سے سنی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ اخلاق اور برتاؤ کو چشم خود دیکھا تو یہ حدیث مرفوع ہوئی، جو حجت شرعیہ اور دلیل ہے جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سن نفل میں تولد ہوئے، ۳۲ھ میں اٹھاسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضرت عبد اللہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا ایک ہی گھر میں رہتے ہیں دونوں کو بارگاہ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل ہے اگر حضرت عبد اللہ کی سنی ہوئی حدیث صحیح اور لائق عمل نہ ہوتی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کی تردید کرتے اور آگے روایت کرنے سے روک دیتے آخر حضرت عبد اللہ نے اپنے والد گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ضرور اس کا تذکرہ کیا ہوگا ان حقائق کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا ناممکن ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے، بالفرض اگر اسی عقیدے پر رہے اور اسی پر انتقال فرمایا تو بھی یہ حجت نہیں اس کی تین وجوہات ہیں:

(۱) یہ ایک صحابی کا عمل ہے جو زیادہ سے زیادہ حدیث موقوف کے حکم میں آتا ہے۔

(۲) اس کے مقابل حدیث مرفوع ہے جو اس سے اقویٰ اور ارجح ہے حدیث موقوف اور حدیث مرفوع کو جب اصول حدیث کے ترازو میں تولد جائے تو حدیث مرفوع ارجح دلیل حجت شرعیہ اور لائق عمل ہوتی ہے جبکہ حدیث موقوف، مرجوح اور دلیل و حجت نہیں ہوتی،

(۳) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مصدر، ماخذ، الریاض النضرۃ ہے جس کے مؤلف اور مصنف امام محبت الدین طبری رحمہ اللہ ہیں، سید صاحب نے اس کتاب کی نقاہت اور وجاہت پر

”نعرہ حیدری“ (پمفلٹ ہے) کے ص: ۱۵، پر لکھا کہ اہل سنت کی نامی کتاب ہے اس کتاب کو آپ چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ یہ اہل سنت کی کتاب نہیں ہے اس کتاب کے حوالہ جات علمائے بریلی شریف علمائے دیوبند، علمائے اہل حدیث نے بھی دیئے ہیں۔ انتہی

اور حضرت عباس کے عقیدے کا ماخذ تاریخ بغداد ہے جس کا مولف اور مصنف خطیب بغدادی ہے اب فیصلہ کرنے میں یوں آسانی ہوگی کہ ایک طرف تاریخ کی کتاب ہے اور اس کا اثر ایک مؤرخ ہے اور دوسری طرف کعبہ شریف کے امام ہیں، طبرستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور دنیائے ایمان و اسلام کی آماجگاہ انوار و تجلیات کی جلوہ گاہ، رحمت و بخشش کی درسگاہ کعبہ معظمہ کے امام اعلیٰ ہیں جب محبت الدین طبری رحمہ اللہ کی کتاب الریاض النضرہ اتنی جلالت شان کی حامل ہے تو اس کا حوالہ بھی ناقابل تردید اور ناقابل چیلنج ہوگا پھر اس کو ماننا ہی تقاضائے عقل و ایمان ہوگا، جبکہ دوسری طرف تاریخ کی ایک کتاب ہے جو چیلنج کے قابل ہے سید صاحب نے یہ گارنٹی نہیں دی کہ وہ سنی مکتبہ فکر کی کتاب ہے ہماری جملہ تقریر کا ما حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے جس کا مفاد اور حکم یہ ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین ہیں۔

☆ الْحَمْدُ لِلَّهِ ☆

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ والی روایت شاذ اور تاریخ کا شاخسانہ ہے

سوال: سید صاحب نے لکھا کہ معلوم ہوا کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور افضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں حق دائر سمجھا جاتا ہے، ورنہ خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کی جملہ اولاد اور جملہ علوی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضرات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل کیسے سمجھ سکتے۔ (زبدۃ: ص: ۲۵۲)

قول: مذکورہ بالا عبارت سے سید صاحب یہ باور اور ثابت کرانا چاہتا ہے کہ افضلیت کے حقدار حضرت ابو بکر صدیق نہیں بلکہ حضرت علی ہیں سید صاحب نے اپنے موقف پر، شاذ اور غیر معتبر روایت کا سہارا لیا ہے جبکہ بحمد اللہ ہم نے دلائل قطعیہ سے ثابت کر دیا ہے کہ افضلیت کے حق دار حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ اجماع صحابہ و تابعین اجماع جمہور علمائے امت اور تمام اہل سنت کا منسلک بالوضاحت پہلے

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

زیب قرطاس ہو چکا ہے، بار، بار دہرانے کی احتیاج نہیں، جہاں تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذاتی نظریے کا تعلق ہے اس کی وضاحت شواہد اور اصول حدیث کی روشنی میں ہو چکی ہے، سید صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت عباس کی جملہ اولاد حضرت علی مرتضیٰ کو افضل سمجھتی تھی، بچہ و جوہ غلط ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی مروی حدیث ابھی اوپر نقل ہو چکی ہے جس سے اظہر من الشمس ہے کہ ان کا عقیدہ فضیلت حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھا اگر ہوتا تو وہ مرفوع حدیث روایت نہ کرتے (۲) جملہ اولاد کا قول متقاضی تفصیل ہے اولاد میں سے کسی کا نام تک نہ لکھا جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عقیدہ فضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا کہ حضرت عباس کی جملہ اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساری امت سے افضل سمجھتے تھے

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿عن عائشة ان علیا بعث لابی بکر رضی اللہ عنہما ان اتنافتا ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ وقد اجتمعت بنو ہاشم الی علی فخطب و مدح ابابکر ثم اعتذر عن تخلفہ عن البیعة بانہ کان لہ حق فی المشاورۃ ولم یساورہ﴾ (الصواعق المحرقة: ۱۳) ترجمہ: دارقطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی کی، پھر دیر سے بیعت کرنے کا عذر یہ پیش کیا کہ مجھے مشاورت میں شامل نہیں کیا گیا جبکہ میرا بھی استحقاق تھا۔

محدث رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا شام کے وقت میں بیعت کروں گا حضرت ابو بکر صدیق ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر منبر پر تشریف فرما ہوئے کلمہ شہادت پڑھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان بیان کی اور بیعت کی تاخیر کا عذر بھی پیش فرمایا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے انہوں نے استغفار اور شہادت کے کلمے ادا کئے ﴿فعظم حق ابی بکر وحدث انہ لم یحملہ علی الذی صنع نفاسۃ علی ابی بکر ولا انکار للذی فضلہ

اللہ بہ ولکننا کننا نری لنا فی هذا الامر﴾ (الصواعق المحرقة: ۱۵)

ترجمہ: پھر حضرت ابو بکر کے حق کو عظیم جانا (کہ خلافت کے حقدار ابو بکر ہی تھے) اور یہ بھی بیان کیا کہ میری تاخیر بیعت کا مقصد یہ نہیں کہ جو نفاست (افضلیت) ابو بکر کی ہے میں اس کا منکر ہوں اور نہ ہی میں نے اس فضیلت کا انکار کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق کو نوازا رکھا ہے، لیکن مسئلہ خلافت میں ہم سے بھی تو رائے لینا چاہیے تھی،

ہر دو روایات اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل اور خلافت کا حقدار سمجھتے تھے اگر ابو بکر صدیق کی تفضیل، اور استحقاق خلافت کے قائل نہ ہوتے تو مجمع صحابہ اور تمام بنو ہاشم کے سامنے اس کا اظہار نہ فرماتے۔ امام محدث بیہقی نے فرمایا: ﴿و اما ما وقع فی صحیح مسلم عن ابی سعید من تاخر بیعتہ ہو وغیرہ من بنی ہاشم الی موت فاطمہ رضی اللہ عنہا فضعیف فان الزہری لم یسندہ﴾ (الصواعق المحرقة: ۱۵)

ترجمہ: کہ صحیح مسلم شریف میں ابی سعید کی روایت سے جو یہ آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت نہیں کی تھی یہ روایت ضعیف ہے اور امام زہری نے اس کو غیر مستند قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبوی میں جناب صدیق اکبر کے دست حق پرست پر بیعت کر لی تھی، قاضی ابو بکر باقلانی نے بھی اپنی کتاب التہمید میں یہی کہا ہے کہ مومن متقی کو تاخیر بیعت کی نسبت جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے مجمع صحابہ کے ساتھ ہی بیعت کر لی تھی، بالفرض اگر بیعت بعد میں کی ہے تو بھی وہ بیعت ہی ہے، یہ بیعت خلافت تھی، یہ بیعت اطاعت و فرمانبرداری تھی، اور یہی بیعت افضلیت بھی تھی اگر یہ بیعت ان امور پر مبنی، اور ان امور کی غماز اور شاہکار نہ ہوتی تو اسد اللہ الغاب اپنی شمشیر حیدری کو نیام میں نہ رکھتے بلکہ بنو ہاشم کی افرادی قوت سے مسلح ہو کر جناب صدیق اکبر کے خلاف، ضرور میدان مقابلہ میں اتر آتے، اگر آپ کی بیعت کی تہہ میں یہ امور مذکورہ بالا کارفرمانہ ہوتے تو آپ ہرگز جناب صدیق اکبر کی حمایت کرتے نہ اتباع اور اقتداء میں فرائض خداوندی کو بجالاتے،

اگر جناب صدیق اکبر کی شخصی اور عملی افضلیت کے معترف نہ ہوتے تو بوقت انتقال صدیق اکبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کے حکم نامہ پر اعتراض و جدال کرتے، کیونکہ اس وقت یہ وجہ جوازیت موجود تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں اپنی نیابت کے احکامات ان کیلئے جاری نہیں فرمائے تھے، مگر آپ کا خاموش رہنا اور جناب صدیق اکبر کے مجریہ حکم نامہ کی انقیاد و اطاعت کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ صدیق اکبر کے فرمان اور حکم کی پاسداری اور امتثال امر کو حرف آخر کے طور پر لیتے تھے، یہ شواہد خیر القرون کے مقدس صحیفہ پر نقش دوام ہیں، جو زعم باطل اور فکر فاسد کے گدلے پانی سے مٹائے نہیں جاسکتے، جناب حیدر کرار کا یہ فرمان کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا تھا ہم نے انہیں اپنی دنیا کیلئے پسند فرمایا ہے دین اور دنیا کے الفاظ جمعیت پر دلالت کرتے ہیں، جس سے یہ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سب صحابہ بشمول انصار و مہاجرین کیلئے دین کے ستون (نماز) کی بھرپور اور شایان شان ادائیگی کیلئے ابو بکر صدیق کا تقرر فرمایا، مجھ سمیت کسی بھی مہاجر یا انصار صحابی کو اس منصب پر براجمان ہونے کی سعادت میسر نہ ہوئی جب دین کے اتنے بڑے اور بنیادی امر کی ادائیگی کا سہرا اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے سر باندھ کر ان کی افضلیت کو چار چاند لگا دیئے تو امر خلافت جو اسلامی دنیا کی تعمیر و ترقی، پرچم اسلام کی سر بلندی، اور اہل اسلام کے جان و مال کے تحفظ، اسلامی سرحدوں کی پاسبانی اور نگرانی کا نام ہے اس کیلئے بھی آپ کو بحیثیت خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہم نے بصدق و رضا تسلیم کر لیا ہے یہ ایک زمینی اور کائناتی شہادت ہے جس نے ثابت کر دیا ہے کہ صحابہ کی جمعیت میں جناب حیدر کرار داخل اور شامل ہیں اور آپ کی رائے مجمع صحابہ کی رائے کی طرح مثبت ہے، ذہن فاسد کے تراشیدہ اوہام و ظنون کی شوخ آندھیاں ان حقیقتوں کے چراغ بجھا سکتی ہیں نہ مٹا سکتی ہیں، اگر یوں کہا جائے کہ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے جو بیعت کی اور شان ابو بکر میں جو طلیل القدر الفاظ اور القاب کہے یہ دفع وقتی کیلئے تھا اور ان کے پس پردہ جان کے ضیاع کا خوف اور دیگر غیر مری معاملات تھے، یہ غلط ہی نہیں بلکہ باطل ہوگا، کیونکہ اولاً یہ تو بہر صورت کذب کی پیداوار ہے جس کو بطلان کا سامنا ہے مقام غور ہے

جس کو والدہ محترمہ رضی اللہ عنہا نے حیدر کرار (شیربیر) کا نام دیا ہے اور کارہائے نمایاں دکھانے پر اسد اللہ الغالب کا تمغہ امتیاز در رسول ﷺ سے عطا ہوا ہو جس کی پرورش وحی آسمانی، اور نور نبوت کے اجالوں میں ہوئی ہو جس کو نبی نے (ﷺ) شب ہجرت اپنے بستر پر لٹا کر اس کے جسم کے رواں، رواں کو فیضان نبوت سے پہنچ کر جرأت و بہادری کا نمونہ بنا دیا ہو وہ حفظ جان کی خاطر بیعت کرے:

۔ ایں خیال است و مجال است و جنوں

تاریخ کے ان حقائق کو کون رد کر سکتا ہے؟ صحیفہ کائنات سے ان صداقتوں کو کون مٹا سکتا ہے؟ کہ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی پشت پر بنو ہاشم کا ایک مسلح لشکر موجود ہے جسکی تربیت مطلع انوار نبوت کی آغوش میں ہوئی جس نے حق و صداقت کا لہوان کی رگوں میں اتار دیا ہے جس کا یہ سبق ہے کہ حق کی بقاء اور ارتقاء کیلئے جاں فروشی شہادت ہے جس نے اتقاق حق اور فروغ صدق کیلئے جاں سوزی اور پیش قدمی کا حکم دے رکھا ہے اور یہ لشکر جرار بدر، وحنین، اور احد میں حق و باطل کے درمیان ہونے والے خونیں معرکے، اور حق کی خاطر لڑنے والے ان مجاہدوں کے سراڑتے ہوئے، بازو قلم ہوتے ہوئے نیزوں کی انیوں کو خون چوستے ہوئے، زخموں سے خون کے چشمے ابلتے ہوئے، صدائے تکبیر کی گونج میں جام شہادت نوش کر کے سوئے جنت جاتے ہوئے نفوس قدسیہ کو پچشم خود دیکھ اور سن رکھا ہے ان کیلئے یہ کیسے ممکن ہے کہ حق غصب ہوتے، استحقاق مجروح ہوتے خلافت و امارت کی دولت لٹتے، نیابت رسول اللہ ﷺ کا منصب جاتے دیکھے اور مدافعت نہ کر دار ادا نہ کرے بلکہ بے کسی اور بے بسی کی تصویر بن کر یکتا رہے، اس کیلئے عقل آمادہ تسلیم نہیں،، ایسا خیال رکھنے والے عناصر بنو ہاشم کے خیر خواہ ہیں نہ مہمان علی (رضی اللہ عنہ) سید صاحب نے لکھا:

کہ جملہ علوی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل کیسے سمجھ سکتے، یعنی جملہ علوی حضرت علی مرتضیٰ کو جناب صدیق اکبر سے افضل سمجھتے تھے۔

اقول: آئیے دیکھیں کہ علوی افضلیت ابو بکر صدیق کا عقیدہ رکھتے تھے، یا جناب علی مرتضیٰ کی افضلیت کا؟

محدث ابن حجر کی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿و اخرج ایضاً عن الحسين بن محمد بن الحنفیة

for more books click on the link

انه قال يا اهل الكوفة اتقوا الله عزوجل ولا تقولوا لابي بكر وعمر ما ليسا له باهل  
ان ابا بكر الصديق رضى الله عنه كان مع رسول الله ﷺ فى الغار ثانيا اثنين وان  
عمر اعز الله به الدين ﴿الصواعق المحرقة: ص: ۵۵﴾

ترجمہ: حضرت حسین بن محمد بن الحنفیہ سے روایت ہے کہ آپ نے اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے  
فرمایا اے اہل کوفہ سنو! اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جو غالب اور سب سے بڑا ہے، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کیلئے  
ایسی باتیں مت کہو جو انکی شایان شان نہیں،، بے شک ابو بکر صدیق وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار  
میں تھے تو اللہ نے انہیں ثانی اثنین فرمایا، اور بے شک عمر وہ ہیں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے دین کو  
غلبہ عطا فرمایا۔

بظاہر حضرت حسین بن محمد رضی اللہ عنہما نے شیخین کی ایک ایک فضیلت کا ذکر فرمایا جو دلائل قطعیہ سے ثابت  
ہے لیکن اس ایک ایک فضیلت کے پردے میں ہر دو کے افضل ہونے کا ایک دریا بہ رہا ہے جس کی ظالم  
خیر امواج سے شیخین کی افضلیت اچھل اچھل کر باہر آرہی ہے، جو اس پر غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے  
کہ ثانی اثنین کی ترکیب اضافی یا ضافت صیغہ اسم فاعل ہر آن اور ہر مقام پر تجدد اور حدود کی شکل میں  
انبیاء اور رسولوں کے بعد صدیق اکبر کی ثانوی پوزیشن اور ثانوی حیثیت پر دلالت کرتی رہے گی، اگر  
ثانی اثنین کا حکم غارتک محدود ہوتا تو مزار میں ثانی ہوتے نہ میدان حشر و نشر میں گویا صدیق اکبر رضی اللہ  
عنه کا یہ اعزاز در رسول سے شروع ہوا جو اپنی بنیادوں کو مضبوط کرتا ہوا غارتوں میں جاں کی بازی لگا کر پروان  
چڑھا، اور ایسا پروان چڑھا کہ غار، مزار حشر و نشر کی منزلوں کو عبور کرتا ہوا حوض کوثر تک پہنچ گیا، یہی وہ  
دلائل افضلیت ہیں جن کو خاندان علوی کے ایک چشم و چراغ نے ایک جملہ میں سمودیا ہے اور اسی طرح  
عظمت اسلام اور شوکت اسلام کا غالب اسلام کی بڑی خدمت اور بڑی افضلیت ہے جس کا تاج سعادت  
اور سہرا افضلیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر پر ہے، محبت الدین طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:

﴿ایضاً عن ابی جعفر الباقر، قال من لم يعرف فضل ابی بکر وعمر فقد جهل السنة

قال بعض آئمة اهل البيت صدق والله انما نشاء من الشيعة والرافضة وغيرهما

مانشاء من البدع والجهالات من جهلهم بالسنة ﴿الصواعق المحرقة: ص: ۵۶﴾  
 ترجمہ: امام ابی جعفر باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے ابو بکر صدیق  
 اور عمر کی افضلیت کو نہیں پہچانا (اعتراف نہیں کیا) وہ سنت (احادیث بنویہ) سے جاہل ہے اہل بیت  
 اطہار کے ایک امام کا فرمان ہے کہ امام ابی جعفر باقر (رضی اللہ عنہ) نے بالکل سچ فرمایا ہے تم بخدا  
 بے شک شیعہ، روافض اور دیگر مسالک نے احادیث مبارکہ سے جہالت کی بناء پر بدعت اور جہالت  
 کی باتوں کو اپنے عقائد میں داخل اور شامل کر لیا ہے، امام موصوف بھی علوی ہیں ان کا فرمان حق اور سچ  
 کا ترجمان ہے کیونکہ شیخین کی فضیلت کا انکار وہی کرتا ہے جو شیخین کی افضلیت میں وارد ہونے والی  
 احادیث مبارکہ سے جاہل اور بے خبر ہے، اسی جہالت اور بے خبری کی وجہ سے شیعہ، روافض، اور دیگر  
 فرقوں نے جمہولیات اور بدعات کو اجزائے عقیدہ مان اور تسلیم کر رکھا ہے، امام موصوف رحمہ اللہ نے  
 شیخین کے فضائل کے منکر کو احادیث فضائل کا جاہل اور لاعلم قرار دیا ہے، اور جو شخص احادیث فضائل  
 کو پڑھ اور سمجھ کر تسلیم نہ کرے اس کیلئے امام موصوف کا کیا فتویٰ ہوگا محتاج تحریر نہیں۔

### حسین کریمین اور افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم

اقول: ہرگز نہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ساری آل پاک حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت کا عقیدہ  
 رکھتی تھی محبت الدین طبری نے نقل فرمایا: ﴿وخرجہ السمان فی الموافقة عن جعفر بن  
 محمد وقد سئل عن ابی بکر فقال ما اقول فیہ لا اقول الا خیرا او قال الا الخیر بعد  
 حدیث حدثنیہ ابی محمد، قال حدثنی ابی علی قال حدثنی ابی الحسین قال سمعت  
 ابی علی بن ابی طالب یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما طلعت شمس ولا غربت  
 علی احد بعد النبیین والمرسلین﴾ (الریاض النضرۃ: ج: ۱: ص: ۱۳۶)

ترجمہ: السمان نے ”الموافقة“ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے حضرت امام جعفر بن محمد رضی اللہ  
 عنہما سے روایت ہے کہ ان سے جناب ابو بکر کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے فرمایا اس مسئلہ میں  
 میں حق کے سوا کچھ نہیں کہوں گا اس حدیث کی سماعت کے بعد جو مجھ سے میرے والد محمد، ان کا فرمان

ہے ان کو یہ حدیث میرے والد علی، انہوں نے فرمایا مجھے یہ حدیث اپنے والد حسین انہوں نے فرمایا  
میں نے یہ حدیث اپنے والد حضرت علی سے سماعت کی ہے (رضی اللہ عنہم اجمعین) جناب علی مرتضیٰ  
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ  
، سورج طلوع ہوا نہ غروب کسی بھی انسان پر انبیاء اور مرسلین کے بعد جو ابو بکر صدیق سے افضل ہو،  
اس روایت میں تمام راوی آئمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم ہیں جو سارے کے سارے حسین اور علوی ہیں بلکہ  
سید الشہداء امام حسین بھی اس میں راوی ہیں وہ اپنے والد گرامی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے  
روایت کرتے ہیں مضمون حدیث واضح ہے کہ سب نے بزبان رسالت ﷺ حضرت ابو بکر صدیق  
کو افضل البشر تسلیم کیا ہے۔

ابتدائی راوی حضرت جعفر صادق بن محمد الباقر علی زین العابدین بن حسین ہیں (رضی اللہ عنہم)، حضرت  
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سائل نے شان و افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا  
تو انہوں نے فرمایا: ﴿ما اقول فيه، لا اقول فيه الا خيرا﴾ کلمات حصر و قصر کے ساتھ اپنی بات اور  
اپنے قول کو خیر اسی لئے فرمایا کہ یہ ان کا عقیدہ تھا، اگر عقیدہ نہ ہوتا تو الفاظ حصر و قصر سے حدیث بیان  
نہ فرماتے،، یہ روایت امام زین العابدین کی ہے جس کو سید صاحب نے تدریب الراوی کے حوالے  
سے اصح الاسانید کا درجہ دیا ہے ملاحظہ ہونعرہ حیدری: ص: ۱۶، اور جس کتاب میں ان آئمہ اہل بیت  
رضی اللہ عنہم سے مروی یہ حدیث منقول ہے اس کا نام الریاض النضرۃ ہے جس کی اہمیت اور عظمت و  
شان میں سید صاحب نے نعرہ حیدری کے ص: ۱۵، پر لکھا ہے کہ اس کتاب کو آپ ﷺ کی  
پوزیشن میں نہیں ہیں کہ یہ اہل سنت کی کتاب نہیں ہے اس کتاب کے حوالہ جات علمائے بریلی شریف  
، علمائے دیوبند، اور علمائے اہل حدیث نے بھی دیئے ہیں یہ اقتباسات سید صاحب کی قلمی نگارشات  
نعرہ حیدری کے ص: ۱۵، ۱۶، پر زندہ اور تابندہ ہیں جو ایک قوی اور واضح شہادت ہے کہ سید صاحب  
نے زبدۃ کے ص: ۲۵۲، پر جو یہ لکھا ہے کہ جملہ علوی اور حسین رضی اللہ عنہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے  
افضل ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، غلط، بے بنیاد اور خلاف نقل ہے،

قارئین کے استفادہ کی خاطر یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ایک اہم بات کا ذکر کرنا بھی لازمی اور ضروری ہے: وہ یہ کہ بندہ گنہگار نے عمدۃ التحقیق جز اول کے، ص: ۲۶، پر تحریر کیا کہ شیعہ، مذہب کے امام محمد باقر نے بھی تصدیق کر دی ہے کہ مورد نص ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں، اس پر سید صاحب نے اپنے ہم نواؤں کو یہ شاہ دی کہ اس سے اہل بیت کی کسر شان ہوئی ہے اور اہل بیت کی عظمت کا انکار کیا گیا ہے اٹھو، جاگو، اور لوگوں میں مشہور کرو کہ بندہ عاجز نے تو ہیں اہل بیت کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ امام باقر رضی اللہ عنہ کو شیعہ مذہب کا امام کہا ہے،، چنانچہ بیاض و سواد نے رنگ بدلا اور آسمان سر پر اٹھالیا کہ اہل بیت کی بے توقیری ہو گئی ہے عوامی پراپیگنڈہ کو اشتہارات سے سہارا بھی دیا گیا امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو گیا بحمد اللہ ضلع کوٹلی کی ننانویں فیصد آبادی سنی ہے مقامی انتظامیہ نے حالات کو کنٹرول کر لیا،، علمائے اہل سنت نے مقامی انتظامیہ سے بھرپور تعاون کیا۔

ہم تفصیلات میں جائے بغیر صرف یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ امام کے لفظ کی تھوڑی سی تشریح ہو جائے لغوی اور اصطلاحی معنی بتا دیا جائے، آل، مصداق، مدلول، واضح کیا جائے محل استعمال کے مطابق اس کے افراد کا تعین کیا جائے،،

## امام کا معنی اور اس کی وضاحت

المجد میں ہے ”الامام“ (مذکر اور مونث دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے) اس کا معنی پیش امام جس کی اقتداء کی جائے ”پیشوا“ معمار کا وہ دھاگیا ڈوری جس سے وہ عمارت کو سیدھا قائم کرتا ہے نمونہ کھلا راستہ،، اس کی جمع آئمہ ہے۔

امامت: پیشوائی، ریاست عامہ،، اور اصطلاحی معنی ”جعل الامام لیؤتم بہ“ (بخاری) امام وہ مقتداء ہے جس کی اقتداء و اتباع کی جائے گویا امام مقتداء اور پیشوا کا نام ہے، امامت پیشوائی کئی قسم کی ہے۔ شریعت کی امامت، طریقت و تصوف کی امامت، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امامت،،

علوم و فنون میں امامت اس طرح امام جنس الاجناس، اور جنس عالی ہے، جس کے ماتحت کئی اجناس ہیں جنس کا تحقق اور وجود وجود افرادنی الخارج برسوقف سے افراد جنس کلی متاطل کے درجے میں ہیں، مابہ

الامتياز، اور ماہہ التفصل وہ امور خارجہ اور نفس الامریہ ہیں، جن میں فرد معین کا حصر اور قصر مطلوب ہے مضاف الیہ کی تمیز اور تخصص مضاف (امام) کے تخصص اور تمایز کو مستلزم ہوگا، مثلاً جب ہم امام الشریعہ (مجتہد فی الشرع) کہیں گے تو بوصف اضافت، امام نوع کے حکم میں چلا جائے گا، اس سے مراد امام مجتہد فی الشرح ہوگا، اور یہ نوع چار افراد پر مشتمل ہوگی، امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم،

اور جب طریقت و حقیقت کی امامت کا مسئلہ ہوگا تو اس سے مراد آئمہ طریقت ہوں گے ان کی تعداد کثیر ہے، اور جب صرف و نحو میں معاملہ امامت زیر غور ہوگا تو سیسیویہ اور مبرد جیسے لوگ نامزد ہوں گے اور جب حدیث کی امامت کا موضوع زیر بحث آئے گا تو امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد رضی اللہ عنہم وغیرہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہوں گے تفسیر کی امامت کا مسئلہ آئے گا تو امام رازی، امام ابن جریر رضی اللہ عنہما وغیرہ کے نام آئیں گے،

معانی، بلاغت، نحو وغیرہ علوم میں زیر غور لانے سے عبدالقادر جرجانی کا نام آئے گا، اسی طرح جب طریقت، شریعت اور نسبت اہل بیت کے حوالے سے پیشوایان امت کو زیر غور لائیں گے تو آئمہ اہل بیت کے اسماء گرامی پر انحصار کرنا ہوگا،

اہل سنت و جماعت تمام پیشوایان امت کا احترام کرتے ہیں جن میں آئمہ اہل بیت سرفہرست ہیں، لیکن مسئلہ تقلید میں صرف آئمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی تقلید کرتے ہیں کسی اور کی نہیں، اہل سنت و جماعت رسول اللہ ﷺ کی امت کے تمام بزرگ جو کسی نہ کسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ آپ کے تمام صحابہ سے محبت کرنے والے، خدمت دین کرنے والے، شیع اسلام کو اسوۂ رسول، اور طریق صحابہ پر فر و ز اں رکھنے والے ہیں ان سے قلبی محبت اور ان کا دل سے احترام کرتے ہیں، حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ دینی بزرگ اور پیشوا کے طور پر بے شک امام ہیں، اہل تشیع بھی ان کو اپنا امام مانتے ہیں لیکن اہل سنت و جماعت اہلبیت عظام کا فرد اور دینی راہنما کے طور پر امام مانتے ہیں ان کی فقہی تقلید نہیں کرتے، جبکہ اہل تشیع ان کو خلیفہ برحق ہونے کے معنی میں

امام مانتے ہیں اور پھر نبی کی صفت معصومیت کا ان پر اطلاق اور علیہ السلام کا نطق بھی کرتے ہیں اہل سنت و جماعت ایسا نہیں کرتے، علم الکلام، علم العقائد کی بنیادی اہم اور درسی کتاب شرح عقائد نسفیہ میں ہے: ﴿لا کما زعمت الشيعة خصوصا الامامية منهم ان الامام الحق بعد رسول الله علي ثم ابنه، الحسن، ثم اخوه الحسين، ثم ابنه علي زين العابدين ثم ابنه محمد الباقر ثم ابنه جعفر الصادق ثم ابنه موسى الكاظم، ثم ابنه علي الرضا ثم ابنه محمد التقى، ثم ابنه علي النقی، ثم ابنه الحسن العسكري ثم ابنه محمد القاسم المنتظر المهدي﴾ ☆ رضوان الله تعالى عليهم اجمعين ☆

ترجمہ: امام (خلیفہ) کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا وہ عقیدہ نہیں جس طرح شیعہ بالخصوص امامیہ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام حق (خلیفہ برحق) حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت حسن، ان کے بعد ان کے بھائی حضرت حسین، ان کے بعد ان کے فرزند ارجمند امام علی زین العابدین، پھر ان کے پسر محمد باقر، پھر ان کے لخت جگر جعفر صادق، پھر ان کے نور چشم موسیٰ کاظم، پھر ان کے نور نظر علی رضا، پھر ان کے پسر محمد تقی، پھر ان کے لخت جگر علی تقی، پھر ان کے فرزند ارجمند حسن عسکری، پھر ان کے فرزند محمد قاسم المنتظر المہدی رضی اللہ عنہ۔

(ص: ۱۵۵) بیان شدہ یہ سلسلہ نسب خلافت حقہ کے اعتبار سے ہے اہل تشیع بالخصوص فرقہ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ برحق جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، یہ وہ بنیادی اور اعتقادی فرق ہے جو اہل تشیع اور اہل سنت کے درمیان وجہ اختلاف اور وجہ امتیاز ہے یعنی اہل تشیع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق کی فضیلت اور خلافت کا انکار کرتے ہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿قولہ ان الامام الحق بعد رسول الله ﷺ ابو بکر الصديق﴾ (حاشیہ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق (خلیفہ برحق) حضرت ابو بکر صدیق ہیں (رضی اللہ عنہ) اس وضاحت سے اہل سنت و جماعت اور اہل تشیع کے درمیان امامت کے مسئلہ میں جو بنیادی اور

اعتقادی فرق ہے وہ واضح ہو گیا کہ اہل تشیع حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کو امام بمعنی خلیفہ برحق مانتے ہیں اور دیگر آئمہ کی طرح ان کو بھی معصوم مانتے ہیں اہل تشیع کے نزدیک خلفائے برحق کی فہرست میں یہ پانچویں نمبر پر ہیں، جبکہ اہل سنت و جماعت ان کو اپنا روحانی، دینی پیشوا مانتے ہیں خلافتِ حقہ کے عنوان میں پانچویں نمبر پر خلیفہ برحق نہیں مانتے، معصوم صرف انبیاء و رسولوں اور فرشتوں کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں، اور نبوت کی دوسری علامت علیہ السلام کا اطلاق بھی نہیں کرتے، اہل بیت کے فرد خاص اور چشم و چراغ ہونے کے ناطے دیگر بزرگ ہستیوں کی طرح ان کا بھی احترام کرتے ہیں،، سید نجم الحسن کراوری پشاوری نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے چودہ ستارے، اس کے بیرونی دائیں طرف کے ٹائٹل پر چودہ ستاروں میں جو اسمائے گرامی تحریر ہوئے ہیں ان میں حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی درج ہے، تعداد کے لحاظ سے آپ ساتویں نمبر پر ہیں اور عدد آئمہ کے اعتبار سے پانچویں نمبر پر ہیں، یہ کتاب امامیہ کتب خانہ لاہور مغل حویلی اندرون موچی دروازہ لاہور سے عام دستیاب ہے۔

نجم الحسن کراوری پشاوری مشہور شیعہ مجتہد ہے، اگر شیعہ امامیہ مذہب والے ان کو اپنا امام نہ مانتے تو چودہ ستارے کتاب کے ٹائٹل پر ان کا ذکر اور اندراج کیسے ہوتا؟ اسی طرح ملا عبدالرحمن جامی نے بھی، بندہ گنہگار سید صاحب اور ان کے ہم نواؤں کو دعوتِ غور فکّر دیتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا دو کتب کا مطالعہ کریں ہم نے نعوذ باللہ کذب لکھنا نہ بہتان طرازی سے کام لیا ہے مستند کتب کے اوراق پر چمکتے دسکتے حقائق کو تحریر کیا ہے تمہیں تسلیم کر لینا چاہیے، ضد برائے ضد علم و دانش کے خلاف ہے، ذاتی انا کی تسکین پر ایجنڈا، اشتہار بازی سے تو ہو جاتی ہے مگر حقائق بدلتے ہیں نہ مسخ ہوتے ہیں جدید تحقیق اور علمی دور کے تقاضے کچھ اور ہیں دشنام طرازی اور ہٹل بازی نہیں۔

☆ فہم فکر و تدبیر ☆

اجماع غنصی یا سکوتی ابو بکر صدیق کی افضلیت پر ہوتا تو اس کا منکر کافر ہوتا؟

اجماع غنصی ہوا ہے اس کا تفصیلی جواب

سید صاحب: اگر اجماع غنصی یا سکوتی حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر ہو چکا ہوتا تو اجماع غنصی کی

صورت میں منکر کافر ہوتا،، (زبدۃ: ۲۵۳)

اقول: سید صاحب کے اس علمی (زبدۃ) شاہکار اور اجماع کے انکار کی بنیاد قاضی ابوبکر باقلانی کا وہ قول ہے جو زبدۃ کے ص: ۱۸ پر منقول ہے کہ امام ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ کے نزدیک توقف سب سے افضل مذہب ہے توقف کا معنی یہ ہے کہ ہم اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرتے ہیں، انہی،، مگر سوال یہ ہے کہ باقلانی کا یہ عقیدہ کہاں سے اخذ ہوا؟ اور وہ کونسی دلیل قطعی ہے جس نے ۴۰۳ھ میں اس عقیدہ کی بنیاد رکھی ہے۔

اور وہ کونسے موانع اور اسباب ہیں کہ صحابہ کرام، تابعین اور جمہور اہل سنت اس سے نابلد اور نا آشنا رہے رسول اللہ ﷺ کے دور پر نور سے لے کر باقلانی کے دور تک اس دلیل قطعی کو لا علمی کی دیز تہہ میں مستور رکھا گیا اگر باقلانی کی اس رائے کو درست مان لیا جائے تو درج ذیل امور کا کیا جواب ہوگا؟

﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ نے بارہا بتا دیا کہ دہل زبان رسالت سے فضیلت ابوبکر صدیق کو بیان فرمایا اگر خاموشی، بہتر بھی تھی تو آپ نے درجنوں احادیث میں فضیلت ابوبکر صدیق کا اعلان اور اعلام کیوں فرمایا؟

﴿2﴾ صحابہ اور تابعین کا اجماع فضیلت ابوبکر صدیق پر کس دلیل قطعی کی مرہون منت تھا؟

﴿3﴾ جمہور علمائے امت اور تمام اہل سنت و جماعت نے فضیلت ابوبکر صدیق پر جو اجماع کیا اس کی بنیاد کی وجہ کیا ہے؟

﴿4﴾ باقلانی کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ ۴۰۳ھ تک کے تمام احوال، خطا، پر تھے ان کا فضیلت ابوبکر کا اجماع اور اجتماعی فیصلہ حقیقت اور نفس الامر کے خلاف تھا، خاموشی اختیار کرنے کی بجائے تحریر کے ذریعے آفاق عالم میں اس کو مستہر کیا،، اب بتایا جائے کہ:

۱: ایک طرف باقلانی کا قول ہے جو چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہے اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے فرمودات (احادیث صحیحہ) اقوال صحابہ و تابعین (احادیث مرفوعہ) اور اجماع علمائے امت اہل سنت ہے جو سلسلہ قطعیت کی مضبوط، مربوط، اور پیوست کڑیاں ہیں جن کا ترک اور واگذاری بے دینی کے سوا کچھ نہیں اور دوسری طرف شخص واحد کی ذاتی، غیر منطقی، ان امور بالا کے مخالف رائے ہے، حفظ ایمان

اظہار اسلام، اعتماد و امتثال کے لائق فرمودات نبویہ، ارشادات صحابہ و تابعین، اور جمہور علمائے امت کا عمل ہے یا شخص واحد کی، بے تکی، بے وزن اور باغیانہ رائے؟ پھر عقیدہ امر توفیقی ہے یا امر اختیاری اور اجتہادی، عقیدہ کامرکز موردر شرع ہے یا قول شخصے، عقیدہ متفق علیہ امر کا نام ہے یا امر اختلافی کا؟ سید صاحب نے زبان رسول سے سرزد، اور بیان ہونے والی الہامی افضلیت ابو بکر صدیق کو کتب ہائے حدیث کے سینوں میں جگمگاتے نہیں دیکھا؟ افضلیت ابو بکر صدیق کی تشہیر اور تفسیر بھرے بیانات ملاحظہ نہیں کئے؟ افضلیت ابو بکر صدیق پر ہونے والے اجماع صحابہ و تابعین کا اعلان امام شافعی کی زبان حق ترجمان سے نہیں سنا؟ اگر سنا ہے تو صرف ابو بکر الباقلائی کا قول جو چوتھی صدی ہجری کی ایجاد ہے:

جو چاہے اس کا حسن کرشمہ ساز کرے

سید صاحب نے اپنا سارا قلمی زور اجماع کی نفی پر صرف کیا ہے کیونکہ اجماع ہی وہ خشت اول ہے جس پر خلافت ابو بکر صدیق اور افضلیت ابو بکر صدیق کی بلند وبالا اور عظمت بھری عمارت قائم ہے جس کے معماروں میں قرآن و حدیث، اقوال صحابہ، جمہور علمائے امت خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان سے صرف نظر کرنا دن کو رات کہنے کے مترادف ہے، جو ایک کائناتی جھوٹ، اور نفس الامری اعلان بغاوت ہے۔

جلد اول میں اجماع، اقسام اجماع اور احکام اجماع پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے انکار اور صرار کی بھی ایک حد ہوتی ہے مگر سید صاحب کا کمال ہے کہ انہوں نے زبدۃ کی بنیادوں سے لے کر تکمیل و اختتام تک پینترے بدل، بدل کر اجماع کا انکار کیا ہے جہاں تک افضلیت ابو بکر صدیق پر انعقاد اجماع کا تعلق ہے مستند کتب، اور معتداتئمہ سے اس کو مبرہن کیا جا چکا ہے مگر سید صاحب کا جی ابھی تک نہیں بھرا وہ ہر دوسرے صفحہ پر اجماع کی لٹھی پر غیر مستند، غیر معتبر اور شاذ روایات کا سہارا لیکر استشہاد کرتا ہے جس کی تردید علمی اور استدلالی وضاحت سے لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔

افضلیت ابو بکر صدیق پر اجماع کا ہونا امام نوادی کی شرح مسلم شریف، ابو منصور بغدادی، تہذیب

الاسماء واللغات ارشاد الساری شرح بخاری، مواہب اللدنیہ، شرح دلائل الخیرات، بستان فقیہہ ابواللیث، زواجرا بن حجر، تکمیل الایمان، قصیدہ بداء لامالی، شرح فقہ اکبر، الصواعق المحرقة، وغیرہ کتب میں یہ تصریح موجود ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اجماع سے ثابت ہے، الصواعق المحرقة اور شرح فقہہ اکبر کے علاوہ تمام کتب کا اندراج اور متعلقہ عبارات کی نقل امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خان رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف مطلع القمرین: ص: ۶۴، ۶۵ پر فرمائی ہے ان کتب کا بالاستیاب ذکر جلد اول میں کر دیا گیا ہے ان تمام مستند، اور معتد تحریری ثبوت اور دلائل کے باوجود اگر سید صاحب فقط باقلانی کے قول پر تسلیم نہیں کرتا، اور اساطین امت کے مقابل باقلانی کو ترجیح دیتا ہے تو اس کو مبارک ہو، لیکن باقلانی کا فارمولا اور سید صاحب کا عقیدہ ہمارے لئے قابل عمل نہیں کیونکہ صحابہ تابعین اور جمہور اہل سنت کے اجماع کے مقابل چوتھی صدی ہجری کے شخص واحد کی ذاتی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

صحابہ اور تابعین کا دور بہت پہلے کا ہے جس میں افضلیت ابو بکر میں کوئی اختلاف نہیں تھا حضرت میمون بن مہران کا واقعہ پہلے نقل ہو چکا ہے جو اس بات کا تین ثبوت ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں شیخین کی افضلیت پر اجماع تھا، صحابہ اور تابعین کے اجماع کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے تسلیم فرمایا ہے اور امام بیہقی نے "اعتقاد" نامی کتاب میں اس کا خصوصی تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

اجماع کے متعلقہ ضروری امور کا تذکرہ بجز اللہ جلد اول میں کر دیا گیا ہے مگر بعض امور کی وضاحت مزید کی خاطر یہاں اس کے تذکرے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو!

شیخ احمد المعروف ملا جیون رحمہ اللہ نور الانوار شرح السنار میں اجماع کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں

﴿وهو في اللغة الاتفاق وفي الشريعة اتفاق مجتهدين صالحين من امة محمد في

عصر واحد على امر قولی او فعلی﴾

ترجمہ: اجماع لغت میں اتفاق کرنے کا نام، یعنی متفق ہونا اجماع کا لغوی معنی ہے، اصطلاح شریعت

میں محمد رسول اللہ (ﷺ) کی امت میں سے صالحین کی جماعت جو اہل اجتہاد میں سے ہو کا قول یا عمل

کے ذریعے کسی بات پر متفق ہو جانے کا نام اجماع ہے، اس سے معلوم ہوا اجماع دو قسم ہے اجماع قولی اجماع فعلی صاحب منار عبد اللہ بن احمد بن محمود ابوالبرکات النفسی رحمہ اللہ نے فرمایا ﴿وکن الاجماع نوعان، عزیمۃ، وھو التکلم منھم بما یوجب الاتفاق﴾ ترجمہ: ارکان اجماع دو قسم کے ہیں (۱) عزیمت یعنی ایسی کلام کرنا جو سب کو دائرہ اتفاق میں لے آئے، شارح ملا جیون رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ای اتفاق الكل على الحكم بان يقولوا اجمعنا على هذا ان كان ذلك الشی من باب القول﴾

ترجمہ: تمام صالحین مجتہدین کا کسی حکم پر اتفاق کر لینا اجماع قولی ہے یعنی اگر اس شی کے حکم کا تعلق قول سے ہو تو وہ یہ کہہ دیں کہ ہمارا اس حکم پر اتفاق ہے۔

﴿اوشروعهم فی الفعل ان كان من بابہ﴾

ترجمہ: اگر اس شی کا تعلق فعل سے ہو جس کا حکم معلوم کرنا ہے تو اجماع فعلی ہے۔

شارح نے فرمایا: ﴿ای كان ذلك الشی من باب الفعل﴾ یعنی اس شی کا تعلق فعل (عمل) سے ہو (۲) اجماع کا دوسرا رکن رخصت ہے، صاحب منار رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ورخصۃ وھو ان یکلم او یفعل البعض دون البعض﴾ یعنی بعض صالحین مجتہدین کوئی کلام کریں یا فعل کریں اس کا نام رخصت ہے۔

شارح ملا جیون رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ای یتفق بعضهم على قول او فعل وسکت الباقون منھم ولا یردون علیھم بعدمضى مدة التامل وھی ثلثة ايام ومجلس العلم ویسمى هذا اجماعاً سکوتياً وھو مقبول عندنا﴾ ترجمہ: اگر ایک بات یا فعل پر کچھ مجتہدین کا اتفاق رائے ہو جائے اور باقی مجتہدین تین دن تک جو مدت غور و فکر ہے خاموش رہیں اور بعض کے فیصلے کو رد نہ کریں تو یہ اجماع سکوتی ہوگا۔ اہل سنت (احناف) کے نزدیک یہ حجت شرعیہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے اجماع کے ارکان دو ہیں، عزیمت، اور رخصت، عزیمت دو قسم ہے قولی اور فعلی اسی طرح رخصت بھی دو قسم ہے قولی اور فعلی، اجماع کی چاروں اقسام احناف کے نزدیک حجت شرعیہ ہیں۔

ملا احمد جیون رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿قد ضل بعض المعتزلة والروافض فقالوا ان الاجماع ليس بحجة لان كل واحد منهم يحتمل ان يكون مخطنا فكذا الجميع﴾  
ترجمہ: بعض معتزلہ، اور روافض (اہل تشیع) نے کہا ہے کہ اجماع حجت شرعیہ نہیں کیونکہ اجماع کرنے والے خطا کار ہو سکتے ہیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی، ملا جیون رحمہ اللہ کے اس قول سے واضح ہو گیا اہل سنت و جماعت کے نزدیک اجماع اپنی چاروں اقسام کے ساتھ حجت شرعیہ ہے مفید یقین قطع ہے جبکہ معتزلہ اور رافضی سرے سے ہی اجماع کے منکر ہیں، کیونکہ ان کے مذہب پر کوئی بھی محفوظ عن الخطاء نہیں، سب خطا کار ہیں۔ اب اس وجہ انکار کو تلاش کرنے میں کوئی خواباتی نہیں رہا کہ سید صاحب نے زبدۃ کے اوراق میں اجماع کے انکار پر مورچہ بندی کیوں کر رکھی ہے؟

صاحب منار نے فرمایا: ﴿و حکمہ فی الاصل ان یثبت المراد بہ شرعا علی سبیل الیقین﴾  
ترجمہ: اجماع وضعی طور پر امور شرعیہ میں یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتا ہے، یعنی اجماع صرف امور شرعیہ کے احکام میں یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتا ہے، یعنی جس قول یا فعل پر مجتہدین صالحین اتفاق رائے کر لیں وہ یقینی اور قطعی ہو جاتا ہے اس کا انکار اور اس سے انحراف گمراہی اور بے دینی ہے جیسا کہ ملا جیون علیہ الرحمہ کے قول: ﴿قد ضل بعض المعتزلة والروافض، الخ﴾ سے معلوم ہو چکا ہے، یقین اور قطعیت کا فائدہ دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی مخالفت کے تمام پہلو اور تمام احتمالات ناشی عن دلیل ہوں یا ناشی بلا دلیل ہوں کلیتاً ختم ہو جاتے ہیں، اس نوعیت کے اجماع کا منکر کافر ہوگا اس اجماع کی مثال اجماع صحابہ ہے، جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سفیہ بنی ساعدہ میں منعقد ہوا۔ اس کی توضیح میں علمائے اصول نے فرمایا: اجماع صحابہ سب سے قوی قسم ہے ﴿فلا قوی اجماع الصحابة نصاً﴾ (حسامی)

سب سے طاقتور صحابہ کا نصی اجماع ہے محشی نے مثال دیتے ہوئے نقل فرمایا:

﴿كاجماعهم علی خلافة ابی بكر لانه اجماع لا خلاف لاحد فی صحته لوجود عترۃ الرسول علیہ السلام و علیہم الرضوان فیہم و لوجود النص عن الكل فكان

مثل المحکم من النصوص والمتواتر ﴿حاشیہ: ۱۲: ص: ۱۲۱﴾

ترجمہ: جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہوا ہے اس لئے کہ اس کے صحیح ہونے میں کسی بھی مجتہد کا اختلاف نہیں کیونکہ اس اجماع میں رسول اللہ ﷺ کے اعضاء وقرابتدار موجود تھے (علیم الرضوان) یہ اجماع نص محکم اور خبر متواتر کا حکم رکھتا ہے اسی لئے اس اجماع کے منکر کو کافر کہا گیا ہے اس اجماع کی کیفیت اور ہیبت سے ثابت ہوا کہ بیعت کے وقت بنی ہاشم کے جملہ افراد وہاں موجود تھے جنہوں نے بزبان خود حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت کو تسلیم کیا اور زبان سے اظہار اور اقرار بھی فرمایا جو حضرت عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح نے صحابہ کے سامنے ﴿انت سیدنا وفضلنا﴾ کے الفاظ میں پیش کی تھی جس کی منظر کشی کتوتے ہوئے اور اجماع کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے شاہ عبدالعزیزی محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿اس کلمہ ایشاں را جمیع حاضران از مہاجرین و انصار انکار نہ کردہ بلکہ مسلم داشتہ بس خیرت و افضلیت ابو بکر نزد جمیع صحابہ مسلم الثبوت و قطعی بود﴾ (تحفہ اشاعریہ: ص: ۲۷۱)

یعنی تمام مہاجرین اور انصار صحابہ کا سن کر انکار نہ کرنا بلکہ تسلیم کرنا اجماع نصی ہے اس اجماع سے ثابت ہونے والا حکم (افضلیت) قطعی ہے، اور یہ اجماع کا پہلا رکن ہے جس کا نام عزیمت ہے کہ تمام صحابہ نے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے قول ﴿انت سیدنا وفضلنا﴾ کو سنا اور اس پر اتفاق کیا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزی محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿روایات صحیحہ اہل سنت ثابت است کہ سعد بن عبادہ ہم با ابو بکر بعد ازیں صحبت بیعت کرد، و حضرت امیر و حضرت زبیر نیز بیعت کردہ اند و عذر تحلف در روز اول بیان نموده، و شکایت آنکہ چرا بر مشورہ موقوف نداشتے بر زبان آور دند ابو بکر در جواب آں شکایت پر خاموش انصار و غلبت آنہا دریں کار مذکور نموده حضرت امیر و حضرت زبیر ایں وجہ غلبت را پسندیدہ و قبول فرمودہ اند، چنانچہ در جمیع صحاح اہل سنت بشہرت و تواتر ثابت است﴾ (تحفہ اشاعریہ: ص: ۲۷۱)

ترجمہ: اہل سنت سے مروی روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس مجلس (ستیفہ بنی ساعدہ) کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور حضرت علی اور حضرت زبیر بن العوام

رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت کی ہے اور پہلے دن بیعت نہ کرنے کا عذر یہ بتایا گیا کہ خلافت کے معاملہ میں ان سے مشاورت نہیں کی گئی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے کہا یہ معاملہ غلت میں طے ہوا ہے کیونکہ انصار نے خلافت کے معاملہ میں نزاع کھڑا کر دیا ہے، حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے اس عذر کو قبول کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ تفضیل اہل سنت کی صحاح میں موجود ہے،،

شاہ صاحب کی اس تصریح سے ثابت ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس سے سید صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جناب صدیق اکبر کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا پھر بھی وہ سنی ہیں غلط ثابت ہوا، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت سعد بن عبادہ کی بیعت ثابت کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔

## اجماع نصی ہوا ہے

محب الدین طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿لما قالت الانصار منا امیر ومنکم امیر قال عمر بن الخطاب من له مثل هذا الثلاث، ثانی اثین اذهما فی الغار اذيقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا، قال ثم بسط يده فبايعه وبايعه الناس بيعة حسنة جميلة﴾

(الرياض النضرة: ج: ۱: ص: ۲۳۵)

ترجمہ: جب انصار نے یہ کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے تو حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ کوئی ہے جو ان تین فضائل کا جامع ہو، ﴿ثانی اثین اذهما فی الغار، اذيقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا﴾ پھر آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور جناب صدیق اکبر کی بیعت کی پھر سب صحابہ نے بیعت کی جو بیعت حسنة اور بیعت جمیلہ تھی،، تو جب طلب امر یہ ہے کہ جب انصار نے ائمتہ العارفات کا مطالبہ کیا اور تجویز یہ دی کہ ایک امیر مہاجرین میں سے منتخب کیا جائے اور ایک انصار میں سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ﴿من له مثل هذه الثلاث﴾ کیوں فرمایا؟ اور یہ چیخ کیوں دیا کہ

for more books click on the link

جس میں یہ خصوصیات موجود ہوں وہ آگے آئے اور منصب خلافت کا مطالبہ کرے، حضرت عمر کا یہ اعلان اور یہ پیغام صحابہ کی اس پوری جمعیت کیلئے تھا جو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھے۔

حضرت عمر کے یہ الفاظ جن میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت انفرادی اور شخصی وجاہت آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن اور فروزاں تھی تمام صحابہ کے دل میں اتر گئے تمام صحابہ کیلئے ایسا ہونا ممکن نہ تھا کیوں کہ یہ اوصاف و فضائل اسی شخصیت کو بجانب اللہ بہہ ہوئے تھے، جس نے شوق ہجرت میں کئی راتیں اور سب راتیں در محبوب کی چوکھٹ پر قربان کی تھیں، اور غار ثور کے بطن سے اٹھنے والے موت کے طوفان کو اپنے سینے میں روک لیا تھا، یہ تمدن افضلیت اسی کو عطا ہوا تھا جس نے غار کے دہانے پر موت کے رقص کو دیکھ کر یہ یقین کر لیا تھا کہ اس کی موجودگی اور حاضری میں اس کے ایمان کی دولت اس کے دل کا سرور اور اس کی آنکھوں کا نور لٹ جانے والا ہے اس کو اپنی جان کے جانے کا غم ہے نہ فکر، غم محبوب اس کی جان کو کھائے جا رہا ہے یہ لمحات ذات صدیق کیلئے جانکنی سے کم نہیں بطن غار جاں نثاری اور جاں بازی کی امتحان گاہ ہے کائنات جو تماشا ہے کہ صدیق کو فکر جاں ہے یا فکر محبوب؟ مگر رب کائنات نے ثانی الثین اذہما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا یحزن ان اللہ معنا کی تفصیلات پر مبنی اپنا فیصلہ نازل فرما کر کائنات کو خبردار کر دیا کہ صدیق کو فکر محبوب ہے فکر جاں نہیں یہی وہ الہامی اور آسمانی فضائل تھے جن کو تمام صحابہ کے سامنے بطور چیلنج پیش فرمایا، انصار و مہاجرین کی جمعیت پر سکتہ اور جمود طاری کر دیا سقیفہ بنی ساعدہ میں جلالت شان کے علمبردار، عظمتوں کے پیکر، رفعتوں کے مجسمے، رشد و ہدایت کے مینار عشق و جان بازی کے خوگر، خیر و فضیلت کی داستانیں، بحر توحید کے ثنا و اسلام و قرآن کے ترجمان عظمت انسانی کے نشان موجود اور مصروف گفتار ہیں، دونوں طرف سے بیان فضائل اور توضیح دلائل کے انبار ہیں مگر ثانی الثین اذہما فی الغار کی جلو توں اور سطوتوں کو لوٹنے و لاصدق کے سوا اور کوئی نہیں، فضیلت وہ جو رب فرمائے، دلیل وہ جو قرآن میں آئے، جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دلیل قطعی سے حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت کو ثابت کیا اور تمام صحابہ نے تسلیم فرمایا، کسی طرف سے انکار اور مخالفت کی آواز نہ اٹھی اور ان ہی فضائل ثلاثہ کی بنیاد پر سب صحابہ نے بیعت کی جس بیعت کو

محب الدین طبری نے بیعت حسنہ جلیلہ کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے یہ بیعت جو دلیل قطعی کی بناء پر معرض وجود میں آئی ہے بیعت حسنہ اور جلیلہ نہیں؟ ابو بکر صدیق کیلئے ان فضائل ثلاثہ کا بطور چیلنج پیش کیا جانا اور اس کی نفی یا تفیض میں کسی دلیل یا کسی شخص کا مقابل نہ آنا اجماع صحابہ نہیں؟ اور عملی طور پر بیعت کر لینا اجماع کارکن اعلیٰ عزیمت نہیں؟

آیہء مقدسہ ﴿ثانی اثینین اذہما فی الغار، الایہ﴾ دلیل قطعی نہیں؟ اس آیہء کریمہ میں وہ فضائل ثلاثہ بیان ہوئے ہیں جس کا لزوم فقط ذات صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے ہے کوئی فرد صحابی ان لوازمات فرد میں مشارک ہے نہ مساوی تو بحکم قرآن یہ ماننا پڑے گا کہ ان فضائل خاصہ لازمہ بینہ کے اعتبار سے دنیا کے صحابیت کا کوئی فرد، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مساوی ہے نہ مماثل، تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا لازمی ہوگا کہ ابو بکر صدیق ہی آسمان افضلیت کے وہ نیر تاباں ہیں جس کی ضیاء پاشوں سے قیامت تک آنے والے کارواں سنیت منور ہو کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہیں گے،

محب الدین طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت عامہ کے موقعہ پر مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما ہو کر فرمایا: ﴿وان اللہ قد جمع امرکم علی خیرکم صاحب رسول اللہ ﷺ وثنائی اثینین اذہما فی الغار واولیٰ الناس بامورکم فبیاعوہ فبیاع الناس ابابکر بیعة العامة بعد بیعة السقیفة﴾ (الریاض النضرة: ج: ۱: ص: ۲۴۰)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے امر خلافت کو ایک ایسے شخص پر متفق علیہ فرمادیا ہے جو تم سب سے بہتر ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا مخلص ساتھی، اور غار میں دو کا دوسرا تھا، وہ تمہارے معاملات (دینی ہوں یا دنیاوی) کو بہتر طور پر حل کرنا جانتا ہے پس تم ایسے شخص کی بیعت کرو، پھر سب لوگوں نے ابو بکر صدیق کی بیعت کی، یہ بیعت عامہ تھی جو سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد مسجد نبوی میں منعقد ہوئی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جن دلائل قطعیہ کے ذریعے جناب صدیق اکبر کو تمام صحابہ سے افضل قرار دیا تھا، مسجد نبوی میں منگل کے روز جمع صحابہ کے سامنے انہی دلائل کا اعادہ کیا ان دلائل کو سن کر تمام صحابہ نے بیعت کی کوئی فرد صحابی ان دلائل کا معارضہ یا انکار نہ کر سکا کیونکہ یہ

دلائل نصوص قرآنی ہو کر قطعیت کا حکم اٹل رکھتے ہیں۔

پھر ان نصوص کا محل ورود اور شان نزول زمینی اور کائناتی شہادت تھی، حکم ہجرت اور سفر ہجرت کی لازوال اور صد اقسوتوں بھری داستان کا ہر شخص گواہ اور عالم تھا انکار کرنا ممکن ہی نہ تھا اس لئے تمام صحابہ نے سربہ تسلیم خم کیا یہاں یہ دہرانا ضروری ہوگا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی علت اور امور مرتبہ کیا ہیں؟ جن کا سامنا کوئی فرد صحابی نہ کر سکا، خلافت کی علت اور امور داعیہ وہ ذاتی، شخصی فضائل ہیں جن کو منطقی و معقول کے لوگ خواص لازمہ بینہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں ان خواص لازمہ بینہ کا کمال یہ ہے کہ یہ اپنے موصوف کا پیچھا قبر تک نہیں چھوڑتے، اپنے موصوف کے ساتھ مماثلت، مساوات اور شراکت فردی کو بالکل برداشت نہیں کرتے اور نہ اپنے موصوف کو دیگر افراد کے ساتھ مشارکت کی اجازت دیتے ہیں، جس فرد کو ان کی ارزانی میسر آجائے وہ فرد انحص اور جزئی حقیقی کے حکم میں چلا جاتا ہے جس کیلئے الگ قانون اور ضابطہ ہے۔

جس طرح ادوار رسالت میں واقعہ ہجرت، دیگر واقعات کی فہرست میں انحص اور جزئی حقیقی ہے جس کی کوکھ سے اسلام اور ایمان کی تکمیل نے جنم لیا، اسلام اور ایمان کے نشہء تکمیل پہلو مکمل ہو کر حرف آخر بنے، اعتقاد و اعمال کے خوابیدہ گوشے بیدار ہو کر انوار وحی سے روشن اور منور ہوئے، اسلام کی شیرازہ بندی نے عرب دنیا کو پھلانگ کر قیصر و کسریٰ اور اس کی ذیلی حکومتوں کو فتح کیا، اس طرح اللہ کی زمین پر اللہ کا نور، اور نبی کا دستور پھیل گیا، اسی طرح اس واقعہ میں خلوص و محبت کی سوغات پانے والے ابوبکر اور یکتائی صدیق کے دریا قیامت تک بہتے رہیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پہلے ان فضائل خاصہ لازمہ بینہ کا ذکر فرما کر یہ واضح کر دیا کہ خلافت کے معاملہ میں ابوبکر صدیق کی نامزدگی اور ترجیح ان کی افضلیت کی بنیاد پر ہے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا، کہ آپ کی موجودگی میں مہاجرین نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کیوں کی؟ تو آپ نے فرمایا ان کو مجھ پر چار باتوں میں افضلیت حاصل ہے۔

(۱) سب سے پہلے انہوں نے اسلام ظاہر کیا

(۲) رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا میرا رفیق ہجرت کون ہوگا عرض کیا صدیق، وہ رفیق ہجرت ہیں۔

(۳) ہر شخص نے دعویٰ نبوت میں میری تکذیب کی مگر ابو بکر بلاتامل اور بدوں تردد مجھ پر ایمان لے آئے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ نے ان کو خیر الناس فرمایا ہے۔ (الریاض النضرۃ: ج: ۱: ص: ۲۱۰)

یہ حدیث اپنے الفاظ کے ساتھ پہلے آچکی ہے یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ابن عسا کر نے حضرت علی المرتضیٰ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کو نماز میں امامت کا حکم دیا ہم موجود تھے غائب نہ تھے، تندرست تھے بیمار نہ تھے پس جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے دین کے بارے میں ہمارا امام بنانا پسند کیا ہم اس کو دنیا کے معاملہ میں اپنا امام بنانا پسند کیوں نہ کریں، تو گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانچ وجوہ کی بناء پر حضرت ابو بکر صدیق کو اپنے سے افضل قرار دے کر تسلیم کیا ہے۔ نسائی کی روایت ہے کہ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تم میں سے کس کا جی چاہتا ہے کہ وہ ابو بکر صدیق کو پیچھے کر کے خود آگے ہو جائے انصار نے کہا:

﴿نعوذ باللہ ان نتقدم علی ابی بکر﴾ گویا حدیث امامت حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے نزدیک متفق علیہ ہے محدثین نے اس حدیث کو متواتر فرمایا ہے جو دلیل قطعی ہے، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو یکجا کرنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ افضلیت ابو بکر دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جن کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن حکیم، احادیث، اور اجماع سے افضلیت ابو بکر صدیق ثابت ہے۔

آیات ہجرت نصوص قطعیہ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما ہو کر انصار و مہاجرین صحابہ کے سامنے بیان کرنا ان کا انکار نہ کرنا، بلکہ بعد از تسلیم بیعت کر لینا اجماع صحابہ ہے جو دلیل قطعی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پانچ فضائل کا اعتراف و اقرار کرنا حدیث مرفوعہ دلیل قطعی ہے۔

ان دلائل سے یہ بات پوری آب و تاب کے ساتھ واضح اور ثابت ہوگئی کہ حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت ظنی نہیں بلکہ قطعی ہے کیونکہ وہ دلائل قطعیہ کا مفاد ہے۔

(۲) یہ بھی نکھر کر سامنے آگیا کہ افضلیت ابو بکر صدیق پر بھی اجماع ہوا ہے سید صاحب کا اجماع غنسی اور اجماع سکوتی کا انکار کرنا غلط اور خلاف نقل ہے۔

سید صاحب کا یہ کہنا کہ: اگر اجماع غنسی یا سکوتی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ہو چکا ہوتا تو اجماع غنسی کی صورت میں منکر کا فر ہوتا،، (زبدۃ: ۲۵۳)

جو اب کہا جائے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع صحابہ کا ہونا مسلمات میں سے ہے جمع صحابہ نے بیعت کا عمل کر کے اجماع کی حقیقت کو مکمل اور رکن اجماع عزیمت پر مہر تکمیل مثبت فرمائی ہے اس لئے اس اجماع کا منکر کا فر ہے اور اس پر جمع علمائے اصول، اور جمع فقہاء کرام کا اتفاق ہے۔ ملا جیون رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ان الاجماع فی الامور الشرعیۃ فی الاصل یفید یقین و القطعیۃ فیکفر جاحدہ﴾ (نور الانوار، بحث اجماع) امور شرعیہ میں واقع اجماع درحقیقت یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتا ہے اس لئے اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی، اس پر محشی نے ملا علی القاری رحمہ اللہ سے نقل فرمایا: ﴿کذا عند مشائخ بخارا وبلغ حتی حکموا بکفر الروافض لانہم انکروا امامۃ ابی بکر الصدیق التی ثبت بالاجماع﴾ (حاشیہ: ۱۰)

ترجمہ: مشائخ بخارا کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ وہ روافض کی بھی تکفیر کرتے ہیں کیونکہ وہ حضرت ابو بکر کی خلافت کا انکار کرتے ہیں جس کا ثبوت اجماع صحابہ سے ہے۔

شیخ اکبر محمد بن الدین ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ان الشخص مادام یتمسک بالکتاب و السنۃ لا یکفر وان کان تاویلہ فاسدا..... فلو کان المجمع علیہ من ضروریات الدین بحیث یعرفہ الخاصہ و العامۃ فیکفر جاحدہ﴾ (ایضاً)

ترجمہ: جو شخص قرآن و سنت اور ان کے فرمودہ احکامات سے وابستہ رہے گا، اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اگرچہ سلسلہ دلیل میں اس کی تاویل فاسد ہی کیوں نہ ہو، ہاں اگر مجمع علیہ (جس امر پر اجماع ہوا

ہے) امر ضروریات دین سے ہو ہر خاص و عام (عالم اور جاہل) اس کو جانتا پہچانتا ہو تو پھر اس کے انکار پر تکفیر کی جائے گی اور اگر مجمع علیہ امر ضروریات دین سے نہ ہو، اور اس کا منکر کسی تاویل فاسد کی بناء پر انکار کر رہا ہو تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا کافر نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس امر کے شرعی اور قواعد شریعت کے تحت نہ ہونے کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس کے حکم اور اتشال حکم کی پاسداری میں فاسد دلیل اور فاسد تاویل سے شک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ولذا قيل ان لزوم الكفر ليس بكفر والنزاهة الكفر كفر﴾ (ایضاً) اسی لئے کہا گیا ہے کہ اگر کسی بات سے آدمی پر کفر لازم آ رہا ہو تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، جب تک کہ وہ اس کو درست تسلیم نہ کرے۔

## تاویل باطل کی مثال

بخشی نے نقل فرمایا: ﴿والروافض انكرو امامة ابي بكر الصديق بتاويل باطل وهو ان عليا كرم الله بایعه بالتقية فلم يتحقق الاجماع فلذا لا يكفرون﴾ (ایضاً) ترجمہ: روافض نے ایک باطل تاویل کا سہارا لیا وہ تاویل یہ ہے کہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کے طور پر حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت کی تھی، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صمیم قلب اور خلوس اعتقاد کے ساتھ بیعت کی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جری، بہادر، اور دلیر انسان تھے تقیہ بزدلی ہے تقیہ کی نسبت حضرت حیدر کرار کی طرف کرنا ان کی کسر شان ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے اگر اجماع کسی ایسے امر پر ہو جو ضروریات دین میں سے ہو، اور ہر خاص و عام کو علم ہو کہ یہ امر ضروریات دین میں سے ہے باطل تاویل کر کے اس کا انکار کرنا کفر ہے۔

## افضلیت کا منکر کافر کیوں نہیں؟

اسلام میں خلیفۃ المسلمین کیلئے اہل زماں سے افضل ہونا اجماع امت کے مطابق شرط ہے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کا فرمان شرح فقہ اکبر کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے تو خلیفہ کی افضلیت من جملہ

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

ضروریات دین سے ہے، لیکن یہ مسئلہ چونکہ علمائے متکلمین کا ہے وہی جانتے ہیں عوام الناس کو اس کا علم نہیں اس لئے اس کا منکر ضلال ہے کافر نہیں، اولاً تو یہ ثابت ہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق پر اجماع نصی ہوا ہے جیسا کہ حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما نے سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام صحابہ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیق کو مخاطب کر کے کہا:

﴿انت خیرنا وفضلنا﴾ صحابہ نے یہ سنا، انکار نہ کیا بلکہ ”مسلم داشتہ“ اس صورت حال پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے افضلیت ابو بکر صدیق کو قطعی کہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کو مخاطب کیا اور کہا ﴿من له مثل هذا الثلاث، ثانی اثنین اذہما فی الغار، اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا﴾ صحابہ کرام نے سنا تائید کرتے ہوئے بیعت کی جو بیعت حسنہ جمیلہ کے نام سے مشہور اور موسوم ہوئی۔

امام ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ تین ارشادات بھی نقل فرمائے ہیں ﴿ابو بکر سیدنا و خیرنا، و احبنا الی رسول اللہ ﷺ﴾

ان تمام دلائل کو ترتیب دیکر اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ اجماع سکوتی ہوا ہے پھر بھی یہ حجت قطعیہ ہے، اور افضلیت قطعیہ کیلئے مفید ہے، اجماع سکوتی اس لئے تسلیم ہوا کہ حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہما کا قول افضلیت صحابہ نے سنا اور سکوت کیا انکار نہیں فرمایا۔

صاحب منار نے اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ثم الذین نص البعض وسکت الباقون من الصحابة وهو المسمى بالاجماع

السکوتی ولا یکفر جاحده وان کان من الادلة القطعیة﴾

ترجمہ: پھر وہ اجماع جس میں بعض صحابہ نے ایک مسئلہ پر تکلم فرمایا اور باقی صحابہ خاموش رہے انکار کیا نہ تردید کی تو یہ اجماع سکوتی ہے اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی باوجودیکہ اول قطعیہ میں سے یہ بھی دلیل قطعی ہے۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود ابوالہرکات رحمہ اللہ کے قول سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ایک صحابی کسی

امر پر اپنی رائے، اپنے فیصلے کا اظہار کرے بیان کرے دیگر صحابہ خاموش رہیں، انکار و تردید نہ کریں تو یہ اجماع ہوگا اور دلیل قطعی ہوگا، علمائے اصول کی دنیا میں اس کا نام اجماع سکوتی ہے، اب آئیے

حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح کے قول ﴿انت خیرنا و افضلنا﴾

کی طرف ہر دو حضرات نے یہ الفاظ افضلیت صحابہ کے مجمع میں، سقیہ بنی ساعدہ میں علی الاعلان کہے سب نے سن کر قول افضلیت کو تسلیم کیا تو یہ اجماع سکوتی ہوا (علی سبیل التزل) اجماع سکوتی بھی دلیل قطعی ہے تو پھر بھی افضلیت ابو بکر صدیق دلیل قطعی سے ثابت ہوئی، جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف تحفہ اثنا عشریہ: ۲۷۱، پر وضاحت فرمائی ہے سید صاحب کا یہ کہنا کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع ہوا ہی نہیں نہ نصی نہ سکوتی، غلط اور بے بنیاد ہے اور اسی طرح یہ کہنا کہ افضلیت کا عقیدہ محض اختیاری تھا، بھی غلط ہے بنیاد اور خلاف نقل ہے یہ عقیدہ محض اختیاری نہیں بلکہ اجماعی ہے،

واضح رہے کہ اجماع نصی کی مثال علمائے اصول نے خلافت ابو بکر صدیق پر اجماع صحابہ کی صورت میں پیش فرمائی ہے اجماع صحابہ آئیے قرآنہ اور خبر متواتر کی طاقت اور حکم رکھتا ہے اسی لئے اس کے منکر کو کافر کہا گیا ہے۔ اور اجماع سکوتی قطعیت اور وجوب عمل میں متواتر کی طرح ہے۔

اصول الثاشی میں ہے ﴿ثم الاجماع بنص البعض وسکوت الباقین فهو بمنزلة المتواتر﴾

محشی نے توضیح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فی القطعیة ووجوب العمل به لکن لا یکفر

جاحده لانه متفاوت عن الاول نظرا الی ان السکوت محتمل لالتباس الامر لعدم

الیقین بالنفی والاثبات﴾

ترجمہ: وجوب عمل اور دلیل قطعی ہونے میں یہ خبر متواتر کی طرح ہے اس کے باوجود اس کے منکر کو کافر

نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس اجماع سے جو امر ثابت ہو رہا ہے، ثبوت اور عدم ثبوت کے التباس کی وجہ

سے اب وہ یقینی نہیں رہا، یعنی کسی امر کے ثبوت اور تحقق پر جب کچھ صحابہ نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا

تو اس امر کا ثبوت اور وجود ان کے نزدیک یقینی اور حتمی ہے مگر جن صحابہ کرام نے سن کر تسلیم و رضایا انکار

و تردد پر خاموشی اختیار کر لی اور اپنی رائے محفوظ رکھی ان کے نزدیک یہ امر یقینی ہے نہ حتمی کیونکہ وہ شک و یقین کی کیفیت میں سرگرداں ہیں، ان کے سکوت کی وجہ سے یہ اجماع سکوتی ہے اگر یہ اپنی زبان سے بذریعہ تکلم تائید کرتے تو یہ اجماع غصی ہوتا، اگر مخالفت کرتے تو یہ اجماع ہی نہ ہوتا، سن کر بدوں اقرار ہو یا انکار ضرور بولنا چاہیے تھا، مگر نہیں بولے جبکہ یہ بولنے کا مقام تھا، بولنے کے مقام پر نہ بولنا بولنا ہی ہوتا ہے کیونکہ ﴿السکوت فی معرض البیان بیان﴾ ہمہ گیر کلیہ ہے۔

لہذا ایسے مقام پر نہ بولنا اس حکم کی توثیق اور تاکید ہے جو حکم بعض صحابہ نے اپنی رائے سے ثابت اور واجب کیا ہے باقی صحابہ کی خاموشی نے اس حکم کی توثیق فرما کر اس کو دلیل قطعی بنایا اور واجب العمل قرار دیا ہے، دور صحابہ میں اس کی مثال موجود ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اکثر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مانعین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کیا جائے لیکن بعض صحابہ خاموش تھے، اگر اجماع سکوتی، قطعی اور واجب العمل نہ ہوتا تو مانعین زکوٰۃ کے خلاف ہرگز جہاد و قتال عمل میں نہ لایا جاتا،

اجماع سکوتی کیلئے شرط یہ ہے کہ مدت تامل گزر جائے اور کوئی تردید سامنے نہ آئے تو دلیل قطعی اور واجب العمل ہو جائے گا، مدت تامل یعنی تردید کا وقت تین دن تک ہے اگر تین دن کے اندر تردیدی قول سامنے آجائے تو قول بعض اجماع ہے نہ دلیل قطعیت،، ملا جیون علیہ الرحمہ نے فرمایا: ﴿ای یتفق بعضهم علی قول او فعل وسکت الباقون منهم ولا یردون علیہم بعد مضي مدة التامل، وهي ثلثة ايام او مجلس العلم ویسمى هذا اجماعا سکوتیا وهو مقبول عندنا﴾ ترجمہ: کچھ مجتہد ایک بات یا فعل پر متفق ہو جائیں، اور باقی اہل مجلس خاموشی اختیار کریں، غور و تامل کی مدت بھی ختم ہو جائے جو صرف تین دن ہے اور مجلس علم کی طرف سے بعض اہل اجماع کے قول کی تردید نہ آئے تو یہ اجماع سکوتی ہوگا، جو احناف کے نزدیک مقبول ہے یعنی مفید قطعیت اور موجب عمل ہے کیونکہ قول بعض پر سکوت ہے اس کا انکار نہیں باوجودیکہ قول بعض کی تائید یا تردید کیلئے تین دن کا عرصہ موجود تھا، یہ سکوت حکم کی توثیق اور تائید ہے، صاحب حسامی نے فرمایا:

﴿لان السکوت فی الدلالة علی التقریر دون النص﴾

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zonalphasanattari>

باقی صحابہ کرام کا سکوت قول بعض کی توثیق و تائید نہیں بلکہ قول بعض سے جو حکم ثابت ہو رہا ہے اس کی تائید، توثیق اور تقریر ہے، اب پھر پلٹ آئیے سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبوی کی طرف جہاں صحابہ کرام کے مجمع عام میں حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہما افضلیت ابو بکر صدیق پر اہانت خیرنا و افضلنا اور اکیلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ﴿ثانی اثنین اذہما فی الغار، اذ یقول لصاحبه لا یحزن ان اللہ معنا﴾

اور پھر ﴿من لہ هذه الثلاثة﴾ سے جناب صدیق اکبر کی افضلیت پر استدلال فرمایا: اور پھر دوم مرتبہ فرمایا، ایک بار سقیفہ بنی ساعدہ میں اور دوسری بار مسجد نبوی میں مگر ہر دو جگہ ان کے استدلال کو رد نہ کیا گیا باقی صحابہ نے سن کر سکوت فرمایا، تین دن تو درکنار، جناب صدیق اکبر کی زندگی کے آخری سانس تک افضلیت ابو بکر صدیق کے منافی کوئی قول سامنے نہ آیا، بلکہ جناب حیدر کرار اور دیگر بنو ہاشم نے بھی اسی افضلیت کا اقرار فرمایا جس کا اعلان سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبوی میں کیا جا چکا تھا، اس سارے عمل سے افضلیت ابو بکر صدیق پر اجماع سکوتی متحقق ہوا، جس نے قطعیت اور ایجاب عمل کا فائدہ دیا، جس کو ملا جیون رحمہ اللہ نے ﴿وہو مقبول عندنا﴾ سے تعبیر فرمایا، کہ اجماع سکوتی احناف کے نزدیک دلیل قطعی ہے اور واجب العمل ہے اجماع سکوتی کا منکر کا فر نہیں کیوں؟

ملا احمد جیون رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ولا یکفر جاحده وان کان من الادلة القطعية﴾ ترجمہ: اگرچہ اجماع سکوتی ادلہ قطعیہ سے ہے لیکن اس کے باوجود اس کے منکر کو کا فر نہیں کہا جائے گا، محشی نے وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ﴿ولا یکفر جاحده بل یضلل جاحده لوجود خلاف الشافعی فیہ: کما موجب العام قطعی عندنا ولا یکفر جاحده لخلاف الشافعی فیہ فان موجب العام عنده ظنی﴾

ترجمہ: اجماع سکوتی کے منکر کو کا فر نہیں بلکہ گمراہ کہا جائے گا اس لئے کہ اس کے حکم میں امام شافعی کا اختلاف ہے محشی نے مثال دیتے ہوئے فرمایا: جس طرح عام کا لفظ احاطہ افراد، اور استغراق حکم میں مفید قطعیت ہے اس کے باوجود اس کی کلیت، اور استغراق کے منکر کو احناف کا فر نہیں کہتے، مگر امام شافعی

کے نزدیک لفظ عام کا اشتمال جمع افراد کیلئے مفید قطعیت نہیں مفید ظن ہے اسی طرح ان کے نزدیک اجماع سکوتی مفید قطعیت نہیں مفید ظن ہے۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت پر صحابہ کا اجماع نصی تام ہے مفید قطعیت ہے اس کا منکر کافر ہے اور افضلیت ابو بکر صدیق پر بھی اجماع صحابہ ہے مفید قطعیت ہے حجت شرعیہ ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اجماع سکوتی مفید قطعیت نہیں بلکہ مفید ظن ہے اس لئے اس اجماع کا منکر کافر نہیں۔

۲: خلیفہ کیلئے باجماع امت افضل ہونا شرط ہے مگر چونکہ یہ شرط اور یہ قید متکلمین اور فقہاء کا موضوع ہے عوام الناس کو اس کا علم نہیں اس لئے اس اجماع کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ اور مبتدع ہے لیکن محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا اس اجماع پر چونکہ اکثر امت ہے اور ان کا اجماع حجت قطعیت ہے لہذا اس کے منکر کو کافر، بدعتی، اور گمراہ کہنا جائز ہے۔ (الصواعق المحرقة: ۵۹)

احناف کے نزدیک اجماع سکوتی دلیل قطعی ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے مگر امام شافعی کے نزدیک دلیل ظنی ہے دلیل قطعی نہیں چونکہ اس اجماع سکوتی کے مقابل، ایک قول مخالف موجود ہے اس لئے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ گم گشتہ قرار دیا جائے گا، اور علمائے اصول نے جہاں بھی یہ کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اجماع سکوتی کو اجماع تسلیم نہیں کرتے اس سے مراد یہ ہے کہ اجماع سکوتی ان کے نزدیک ایسا اجماع نہیں جو مفید قطعیت ہو، ہر قسم کے اجماع کے منکر معتزلہ اور روافض ہیں ملاحظہ ہو ملا احمد جیون کا فرمان ذی شان:

﴿وقد ضل بعض المعتزلة والروافض فقالوا ان الاجماع ليس بحجة لان كل واحد منهم يحتمل ان يكون مخطأ﴾ (نورا لانوار)

ترجمہ: بعض معتزلہ اور روافض گم گشتہ راہ ہو گئے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ اجماع حجت شرعیہ نہیں

سید صاحب اگر حنفی ہیں تو پھر ہر قسم کے اجماع کا انکار چہ معنی دارد؟ اجماع کا انکار کرنے والے تو معتزلہ اور روافض ہیں، اجماع سکوتی کے منکر کو کافر نہ کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ جو امر ضروریات دین سے ہو اور ہر خاص و عام کو اس کا علم ہو، ایسے امر کا انکار کفر ہے۔ شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی نے فرمایا:

﴿فلو كان المجمع عليه من ضروریات الدین بحيث يعرفه الخاصة والعامة فيكفر جاحده﴾ (تور الانوار: ۸)

ترجمہ: وہ امر جس پر اجماع ہوا ہے اگر وہ ضروریات دین سے ہو اور اس قدر معروف و مشہور ہو کہ ہر خاص و عام (عالم، جاہل) اس سے واقف ہو تو پھر اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی، اس ضابطہ کی روشنی میں اجماع سکوتی کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ خلافت کی اہمیت، اس کا واجبات شرعیہ میں سے ہونا، خلیفہ کا اہل زمان سے افضل ہونا وغیرہ علم الکلام کے موضوعات ہیں جن تک رسائی عام اہل علم کو حاصل نہیں بلکہ ان کی معلومات رکھنے والا علماء کا ایک مخصوص طبقہ ہے جو خدا داد علم و دانش کے ذریعے ان موضوعات کی گہرائیوں میں اتر کر عقیدہ کے پیچیدہ معاملات کی گتھیوں کو سلجھاتے ہیں چونکہ افضلیت اسلام میں خلافت کی بنیادی شرط اور لوازمات سے ہے جس تک رسائی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اجماع سکوتی جو دلیل قطعیت ہے افضلیت ابو بکر صدیق کیلئے مفید ہے اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں بلکہ گم گشتہ راہ ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اجماع سکوتی کا انکار نہیں کیا بلکہ حکم قطعیت میں اختلاف کیا ہے انکار کرنے والے معتزلہ اور روافض ہیں جیسا کہ ملا احمد جیون کے حوالے سے اوپر گزر چکا ہے۔ (وللہ الحمد)

بفضل اللہ العظیم اجماع کے موضوع پر پہلی جلد میں بھی قدرے تفصیل آچکی ہے مناسبت مقام کے حوالے سے ضروری معلومات کی فراہمی ہم پر لازم تھی جو اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے، اب ہم اجماع پر مزید بحث کے بغیر رواں بسوئے مقصود ہوتے ہیں، اللہ ہی ہے توفیق رفیق عطا فرمانے والا

﴿جل جلالہ وعم نوالہ﴾

## امام حسن مجتبیٰ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما

سید صاحب نے ابن حزم اندلسی کی کتاب الفصل فی الملل: ج ۴: ص ۱۳۴، کے حوالے سے لکھا کہ:  
﴿کان عمار بن یاسر والحسن بن علی یفضلان علی بن ابی طالب علی ابی بکر  
وعمر رضی اللہ عنہم﴾

ترجمہ: عمار بن یاسر اور حسن بن علی، جناب علی المرتضیٰ کو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر سے افضل سمجھتے تھے رضی اللہ عنہم۔

آگے تبصرہ میں لکھا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں خلیفہ راشد گزرے ہیں جن کا قول اور فعل باقی راشدین کی طرح شرع میں سند اور حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ: بحیثیت خلیفہ ان کے زمانے میں ان کی بات شرع میں سند اور حجت کی حیثیت رکھتی ہے لیکن جو خلفائے راشدین ان کے زمانہ اقدس سے پہلے گزرے ہیں ان کے متعلق ان کا قول اور فعل سند اور حجت کی حیثیت نہیں رکھتا؟ ان سے پہلے چار خلفائے راشدین ہو گزرے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ انہوں نے تو صحابہ کے مجمع عام میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بیان کی۔

۲: شیخین کی افضلیت نصوص قطعیہ اور احادیث مبارکہ سے ثابت اور مسلمہ ہے۔

۳: ان کے والد گرامی سے مرفوع حدیث منقول ہے، جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سماعت فرما کر روایت کی ہے جس کے آخری راوی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں، الفاظ حدیث یہ ہیں:

﴿ما طلعت شمس ولا غربت علی واحد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی

بکر﴾ (الریاض النضرۃ: ۱: ص: ۱۳۶)

یہ حدیث صریحاً دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء اور رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق سے افضل کسی کو پیدا ہی نہیں کیا یہ حدیث بقول سید صاحب تمام احادیث کی سردار ہے۔

اور کتاب قابل چیلنج نہیں۔ (دیکھئے نعرہ حدیثی: ص: ۱۵: ۱۶)

for more books click on the link

۴: حضرت امام حسن اور حضرت عمار بن یاسر کی مذکورہ بالا روایت اگر صحیح ہو تو حدیث موقوف کہلائے گی جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مرفوع ہے مرفوع کے مقابل حدیث موقوف مروج ہے سند اور حجت نہیں۔

۵: ابو بکر صدیق کی افضلیت پر اجماع صحابہ ہے جو دلیل قطعی ہے اگر ابن حزم کی روایت صحیح بھی مان لی جائے تو بھی یہ خبر واحد ہے اجماع صحابہ کے مقابل جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

۶: ابن حزم فرقہ ظاہریہ کا پیروکار ہے شریعت کی چوتھی دلیل (قیاس) کا منکر ہے اس کے غلط عقائد کی وجہ سے علمائے معاصرین نے اس کو رد کر دیا تھا۔ (ابن کثیر: ج: ۱۲: ص: ۹۸: پڑھیے) اس لئے ابن حزم اندکی غیر معتبر اس کی کتاب بھی غیر معتبر ہے۔

۷: سید صاحب نے تحریر کیا کہ عمار بن یاسر سابقین اولین میں سے ہیں تو کیا حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سابقین اولین میں سے نہیں؟ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی فضیلت جنگ صفین میں شہادت ہے تو حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شہید ہیں ان کی شہادت تو ایک اعلیٰ فرض کی ادائیگی میں اعلیٰ مقام پر ہوئی ہے۔

۸: سید صاحب کا یہ کہنا کہ ان دونوں حضرات کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھنا اور تادم آخرین جناب مرتضیٰ کا ساتھ دینا اور ۳ھ میں جنگ صفین میں جام شہادت نوش فرمانا اس امر کی وضاحت کرتا ہے جناب مرتضیٰ کے نزدیک اگر یہ عقیدہ حد مفری کو ستلزم ہوتا یا کم از کم قابل اعتراض ہوتا تو امام حسن رضی اللہ عنہ اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ انہیں تنبیہ کر دی جاتی کہ یہ عقیدہ قابل اعتراض ہے اس سے تائب ہو جانا ضروری ہے، اس لئے غلط ہے کہ خود علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ﴿ابابکر وعمر افضل الامة﴾ کہ بے شک ابو بکر اور عمر ساری امت سے افضل ہیں، اس میں تخصیص اور تمحیص ہے: جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی نسبت امام ذہبی نے فرمایا: ﴿وقد تو اتر ذالک عنہ فی خلافته وکرسی مملکتہ و بین الجرم

الغفیر من شیعته ثم بسط الاسناد الصحیحة فی ذالک قال ویقال رواه عن علی

نیف و ثمانون نفساً و عدد منهم ثم قال فقیح اللہ الرفضیة ما اجهلهم ﴿﴾  
ترجمہ: جناب علی رضی اللہ عنہ کا فضیلت شیخین پر بیان بطریق تو اتر مروی ہے اور یہ فرمان اس وقت  
سرزد ہوا جب آپ خلیفہ اور کرسی خلافت پر متمکن تھے، یہ بیان آپ نے اپنے تبعین کے جم غفیر کے  
سامنے جاری فرمایا، نام ذہبی نے اس قول پر بے شمار روایات صحیحہ سے استدلال بھی کیا ہے بلکہ ان کا  
کہنا ہے کہ اسی سے زائد افراد اس قول کے راوی ہیں، ان میں سے ایک جماعت کو بھی نامزد کیا گیا  
ہے پھر فرمایا کہ اللہ رافضیہ کا حال بدتر فرمائے وہ بہت ہی جاہل ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شیخین کی ساری امت پر فضیلت کو اپنے کثیر تعداد  
لشکریوں کے سامنے بیان فرمایا، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی لشکری تھے بھی تو جنگ صفین میں حضرت  
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے، یہ کیسے ممکن ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی  
اللہ عنہ کے لشکری ہوں اور یہ فرمان سماعت نہ کریں اور نہ ان تک پہنچے خلیفہ کا فرمان تو بجلی کے جھٹکے اور  
کڑکے کی طرح پوری مملکت میں پھیل جاتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو امام ذہبی، اور  
ابن عساکر نے متواتر کہا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ﴿ان ابابکر و عمر افضل الامة﴾ مصدرہ  
بزبان علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حدیث متواتر ہے اور دوسری طرف ابن حزم اندلسی اور سید صاحب کی اپنی  
قیاس آرائیاں ہیں جن کی بنیاد خبر واحد ہے آیا اصول حدیث کے مطابق توازن اور تقابلی صورت میں  
ترجیح کس کو حاصل ہوگی تو لاحالہ حدیث متواتر راجح اور لائق عمل ہے خبر واحد مرجوح اور متروک ہوگی۔

۹: حضرت حسن کی خلافت کا وجود بعد کا ہے جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تقدم زمانی حاصل  
ہے، جب جناب علی المرتضیٰ نے اپنے دور خلافت میں مملکت کی آخری حدوں تک یہ اعلان پہنچا دیا تھا  
کہ رسول اللہ ﷺ کی ساری امت میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما افضل ہیں اور پھر سخت رویہ اپناتے ہوئے  
افضلیت شیخین پر مہر قطعیت لگاتے ہوئے فرمایا جو مجھے شیخین پر فضیلت دے گا وہ افتراء ساز ہے میں  
اس پر حد مفتری جاری کروں گا، محدث دارقطنی نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور یہی روایت محدث  
ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے الصواعق المحرقة میں بھی نقل فرمائی ہے، اب دیکھئے ایک طرف محدث دارقطنی

ہے جو دنیا کے حدیث کا مجھا ہوا محدث اور روایت و روایت کے دقائق کا عالم ہے دوسری طرف ابن حزم اندلی غیر معتبر شخص ہے جو روایات شاذہ کا خوشہ چیں ہے، محدث دارقطنی اور محدث ابن حجر کی رحمہما اللہ پر کسی بھی لحاظ سے قابل تزیج نہیں،، یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیخین کو ساری امت سے افضل کہیں خلافت و مملکت کے درود یوارسن لیں مگر ان کے فرزند ارجمند کو علم نہ ہو یا سن کر والد کے خلاف عقیدہ رکھیں یہ دور از دانش و فہم ہے ماننا پڑیگا کہ ابن حزم کی روایت شاذ اور از قسم احاد ہے۔ جو حدیث متواتر، اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

## کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ خیر البریہ ہیں؟

سید صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خیر البریہ ہونے پر ابن عساکر کی تخریج کردہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی حدیث نقل کی ہے کہ ﴿كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَقْبَلَ عَلِيَّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنْ هَذَا وَشِيعَتُهُ لَهُمْ الْفَائِزُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَنَزَلَتْ إِنْ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ وَكَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا أَقْبَلَ عَلِيٌّ قَالُوا جَاءَ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ اتنے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آئے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ شخص اور اس کی جماعت کے لوگ ہی قیامت میں کامیاب ہونے والے ہیں، اور یہ آیت نازل ہوئی، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی علی المرتضیٰ ان کے سامنے آجاتے تو وہ کہتے ”سب مخلوق میں سے اچھا شخص آگیا“

درمنثور کے حوالے سے ابن عدی اور ابن عساکر کی تخریج کردہ حدیث ابی سعید سے مرفوعاً نقل کی کہ علی خیر البریہ ”علی رضی اللہ عنہ خیر البریہ ہیں“ (زبدۃ: ص: ۲۵۷) سید صاحب نے جو ان احادیث سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کا جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سب مخلوق سے اچھا فرمانا ایک حجت قویہ شرعیہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل فرمانا اس بات کا ثبوت ہے

کہ اس میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ امت کا مجموعی عقیدہ ہے۔ (زبدۃ  
ص: ایضاً)

جواباً کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بے شک خیر البریہ ہیں مگر اپنے زمانے میں اور  
شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد اس کی دلیل حدیث پاک کے یہ الفاظ ہیں ﴿ان هذا وشيعته لهم الفائزون﴾  
بے شک علی رضی اللہ عنہ اور ان کے تابعین ہی قیامت کے دن فوز و فلاح پانے والے ہیں، رسول اللہ  
ﷺ کے زمانے میں لفظ شیعہ کا استعمال موجود نہیں، لفظ شیعہ کا صحابہ کرام پر اطلاق ہے اور نہ کوئی  
صحابی اس کا منطوق و مدلول ہے لفظ شیعہ کی وضع اہل کوفہ کی ہے جس سے ان کی مراد خاص تھی قرآن  
حکیم میں جو لفظ شیعہ آیا ہے یہ تا بعد اور قبیح فی الدین کے معنی میں ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ  
کے دور خلافت میں شیعہ کا لفظ خاص وضع اور مخصوص افراد اور مخصوص اصطلاح میں ہونے لگا تھا، رسول  
اللہ ﷺ نے جناب علی المرتضیٰ کے دور کے تابعین کو اس لفظ سے موسوم فرما کر اس بات کی خبر دی ہے کہ  
خلافت کے تنازعہ میں جو لوگ آپ کی اتباع کریں گے قیامت کے دن وہی سرخرو ہوں گے اور وہی  
چھکارا پائیں گے، المختصر یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تابعین فی العمل والا اعتقاد کو لغوی معنی میں شیعہ  
کہا گیا ہے، یہ لوگ صحابہ اور تابعین تھے، جن کو شاہ عبدالعزیزی محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحفہ اثنا  
عشریہ ص: ۴۰ پر شیعہ مخلصین کے نام سے ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرمادی ہے کہ یہ  
مذہب اور مسلک اہل تشیع نہ تھے بلکہ اہل سنت و جماعت کے مقتداء اور پیشوا تھے اس کی قدرے تفصیل  
جلداول میں آچکی ہے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔

۲: خیر البریہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے نہ استدلال کیا جاسکتا ہے کیونکہ  
آیہ کریمہ خود اس کی نفی کر رہی ہے ﴿ان الذين امنوا وعملوا الصلحت اولئک ہم خیر البریة﴾  
آیہ مقدسہ میں مومنین مخلصین جو اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کو خیر البریہ کہا گیا ہے، ضمیر ہم برائے  
جمعیۃ اس پر قرینہ مقالیہ موجود ہے آیہ مقدسہ بصریہائے جمع، قضیہ مہملہ کا فائدہ دے رہی ہے، جس  
میں کسی بھی مومن صالح کی نامزدگی ہے نہ تخصیص، اور نہ ہی کوئی قرینہ صارفہ موجود ہے جو اہمال کو حذف

کر کے جزئیات حقیقیہ کا عنوان اور مفہوم پیدا کرے، اگرچہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قافلہ ہائے خیر البریہ کے سالار اعظم ہیں، مگر الفاظ آیت تائید کرتے ہیں نہ تو شیق،،

۳: آئیہ مقدسہ کے معنی میں موجود عموم کو اخص کرنے کیلئے ادلہ قطعیہ میں سے کسی ایک دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ عام کی دلالت اپنے تمام افراد پر احاطہ اور استغراق کے لحاظ سے قطعی ہے، لہذا دلیل قطعی سے ہی عموم معنی کو اخص کیا جاسکتا ہے جبکہ ایسی کوئی دلیل قطعی دستیاب نہیں، لہذا فرد اخص پر عموم معنی رکھنے والے لفظ کا اطلاق درست نہ ہوگا،،

۴: ابن مردویہ کی حدیث جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے سے بھی ہمارے موقف یعنی عموم معنی کی تائید ہوتی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ﴿من اکرم الخلق علی اللہ قال یا عائشہ رضی اللہ عنہا ماتقرئین ان الذین امنوا و عملوا الصلحت اولئک ہم خیر البریہ﴾ (زبدۃ: ۲۵۶) یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اکرم الخلق یعنی خیر البریہ کی تخصیص، تعیین اور انفرادیت کے متعلق پوچھا کہ وہ افراد کون کون سے ہیں، ان کو نامزد فرمائیے مگر رسول اللہ ﷺ نے عنوان خاص (ایمان، عمل صالح) کے حامل افراد پر مبنی جواب ارشاد فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ خیر البریہ سے مراد فرد اخص نہیں بلکہ ایمان لانے، اور عمل صالح کرنے والی جمعیت مراد ہے۔

۵: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مراد لیا جائے تو یہ اقتضاء النص ہے، جبکہ دلالت النص کے مطابق ہر مومن متقی خیر البریہ کے مفہوم میں موجود اور شامل ہے، دلالت النص کے عام معنی کو اقتضاء النص میں تبدیل کرنا محتاج ثبوت ہے اگر یہ دلیل دی جائے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے پیروکاروں کو فوز و فلاح سے ہمکنار کئے جانے کی بشارت دی اور ازاں بعد آئیہ مقدسہ نازل ہوئی جس کا محل ورود اور شان نزول اگرچہ اخص ہے مگر حکم عام ہے، رہا یہ کہ صحابہ کرام کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ آنکلتے تو وہ آپ کو خیر البریہ کہتے اس کا مفہوم یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین وہ ہیں جن کی وجہ سے آیت خیر البریہ نازل ہوئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے

تبعین کو رسول اللہ ﷺ نے لہم الفائزون یوم القیامۃ کی خوشخبری سنائی اور اللہ رب العزت نے انہیں خیر البریہ کا لقب عطا فرمایا، جو درحقیقت لہم الفائزون یوم القیامۃ کی علت اور سند ہے، اور یہ لقب سب کیلئے ہے جو اولئک ہم خیر البریہ کے مزاج اور مشاریہ ہیں۔

۶: اگر خیر البریہ سے مراد صرف علی کرم اللہ وجہہ ہوں تو تعارض لازم آئے گا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں نعتیہ اشعار کہے ان میں سب سے پہلا شعر خیر البریہ اتقاہا واعدلہا بعد النبی سے شروع ہوتا ہے اور آخری شعر وکان حب رسول اللہ ﷺ قد علموا من البریۃ لم يعدل بہ رجلا ہے (زبدۃ: ۵۱، ۵۲)

یہ اشعار رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت کو اپنے دربار روز بار میں خود طلب فرما کر سماعت فرمائے جس سے یہ اشعار حدیث تقریری ہوئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحابہ کے سامنے آنا اور ان کا خیر البریہ کہنا حدیث موقوف ہے اس پر حدیث تقریری جو حکماً اور معنا حدیث مرفوع ہے کو ترجیح حاصل ہے اور حدیث موقوف مرجوح ہوگی لیکن دونوں پر عمل کرنا بھی ممکن ہے وہ اس طرح کہ حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ ﷺ کے بعد علی الاطلاق خیر البریہ ہیں اور اس پر پہلے شعر کا پہلا حصہ دلالت کر رہا ہے، خیر البریہ اتقاہا واعدلہا بعد النبی، اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں خیر البریہ ہیں۔

۷: قرآن و حدیث نے خیر البریہ کا انفرادی اور خصوصی حکم جناب علی المرتضیٰ کو عطا نہیں فرمایا اگر صحابہ کرام خیر البریہ کہتے ہیں تو ان کا قول دلیل قطعی نہیں دلیل ظنی ہے، جبکہ قرآن و حدیث کا حکم عام اور آئیہ مقدسہ ”اولئک ہم خیر البریہ، اور لہم الفائزون یوم القیامۃ دلیل قطعی ہے، پھر بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے خیر البریہ کا اطلاق علی الاطلاق قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے جبکہ جناب صدیق اکبر کیلئے خیر البریہ کا حکم علی الاطلاق ہے اور قطعی ہے۔

اگر سید صاحب اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ صحابہ کا عمل امت کا مجموعی عقیدہ ہے تو پھر:

من البرية لم يعدل به رجلا

بھی امت کا مجموعی عقیدہ ہے حجت شرعیہ تو یہ ہے کیونکہ اس مجموعی عقیدے پر قطعیت کی مہر ثبت ہے اور وہ مجموعی عقیدہ سید صاحب کی ذاتی سوچ کا نتیجہ ہے، جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

لہذا سید صاحب کا کہنا کہ یہاں کوئی تاویل ممکن نہیں ہوگی غیر مسلم ہے کیونکہ اگر تاویل نہ ہو تو حدیث مرفوعہ اور حدیث موقوف کے درمیان تعارض لازم آئے گا اور پھر قول صحابہ فرمان رسول ﷺ سے نکلے گا جو حدیث ابی الدرداء میں ﴿ما طلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر﴾ (الریاض النضرة: ۱: ص: ۱۳۶) اور پھر حضرت جابر کی حدیث سے نکلے گا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے

﴿لا تقدموا علی ابی بکر احدا فانہ افضلکم فی الدنیا والاخرة﴾ (الریاض النضرة: ۱۳۷)

حضرت انس کی حدیث سے نکلے گا، خیر اصحابی ابو بکر (ایضاً) کیونکہ اضافت جمع مفید استغراق، مفید جنس ہے یہ تینوں احادیث صحیحہ اور مرفوعہ ہیں، جبکہ قول، صحابہ، حدیث موقوف ہے۔

### مقام علی المرتضیٰ، صدیق اکبر (رضی اللہ عنہما) کی نظر میں

محدث دارقطنی نے امام شعبی کے حوالے سے یہ اخراج کیا ہے کہ ﴿قال بینما ابوبکر جالس اذ طلع علی فلما راه قال من سره ان ينظر الی اعظم الناس منزلة واقربهم قرابة وافضلهم حالة واعظمهم حقا عند رسول الله ﷺ فلينظر الی هذا الطالع﴾ ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ حضرت علی ادھر آئے جب انہوں نے انہیں (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو) دیکھا تو کہا جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ مقام والے، سب سے زیادہ قریبی سب سے افضل حال والے، سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں سب سے بڑے حقدار کو دیکھے وہ اس سامنے ہونے والے کو دیکھے، سید صاحب نے اس پر جو تبصرہ کیا وہ درج ذیل ہے۔

دارقطنی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کو حوالہً حدیث موقوف ہے مگر حکماً حدیث

for more books click on the link

مرفوع ہے دیکھنے پر انسان جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ سے آشنا ہو جائے گا، اعظم الناس منزلة (سب سے بڑے رتبہ والا) کہنا افضلہم حالۃ کہنا علی المرتضیٰ کی افضلیت کو پوری طرح واضح کرتا ہے اگر غیر ابو بکر صدیق کو جناب ابو بکر صدیق سے افضل سمجھنا سنیت سے خروج کے معنی دیتا ہے پھر جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنیت بھی خطرے میں پڑ گئی ہوتی۔ (زبدۃ: ۲۵۸)

سید صاحب نے دارقطنی کی مذکورہ حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب لوگوں سے افضل سمجھتے تھے۔

(۲) جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق سے افضل جانے، عقیدہ رکھے وہ سنی ہے سنیت سے خارج نہیں ہوتا۔ (۳) یہ حدیث لفظاً موقوف اور حکماً مرفوع ہے۔

بفضل اللہ تعالیٰ ہم ضمن و اراں کا جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے واضح رہے کہ سنی ہونے، سنی کہلوانے اور دائرہ سنیت میں رہنے کی پہچان کیا ہے؟ ملاحظہ ہو، حیث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضیل الشیخین ومحبة الختانیین (شرح فقہہ اکبر: ۷۵) ترجمہ: علمائے متکلمین بر علمائے احناف کے نزدیک اہل سنت و جماعت (سنی) میں سے ہونے کی نشانی یہ ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے دامادوں سے محبت کی جائے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب کیا ہے؟ ﴿وفی

المنتقى سئل ابو حنیفة عن مذہب اهل السنة والجماعة فقال ان نفضل الشیخین ای ابابکر وعمر ونحب الختانیین ای عثمان وعلیا الخ﴾ (شرح فقہہ اکبر: ۹۰)

ترجمہ: فتاویٰ المنتقی میں ہے کہ جناب امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہم شیخین یعنی ابو بکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ سے افضل سمجھیں اور ہم رسول اللہ ﷺ کے دامادوں یعنی حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے

محبت کریں، سنی ہونے اور سنیت کے دائرے میں رہنے کا فارمولہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا، اور سنی مذہب کی پہچان اور حقیقت بھی واضح فرمائی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ سنی ہونے، سنی کہلوانے اور دائرہ سنیت میں رہنے کا بنیادی، اور واضح اصول یہی ہے کہ شیخین کو تمام صحابہ پر تفضیل دی جائے، اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت کی جائے۔ جس طرح سنی ہونے کی دلیل اور شناخت تفضیل شیخین ہے اسی طرح حنفی ہونے کا ثبوت اور علامت بھی تفضیل شیخین ہی ہے۔

جہاں تک شیخین، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے درمیان تفضیلی اور توصیفی کلمات کے تبادلے کا تعلق ہے۔ ہمارے لئے ایمانیات کا حصہ ہے مگر چونکہ ان کی بنیاد، کیفیت، اور ماحول سے نابلد ہیں، اس لئے تبصرہ کرنے کی اجازت نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو تعظیمی، توصیفی کلمات جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمائے وہ امانا و صدقا ہے مگر ان کلمات کو بنیاد، یا حتمی دلیل قرار دیکر یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں کیونکہ قول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابل نصوص قطعیه موجود ہیں، جن کا صدور، وجود اور محل ورود فضیلت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت جزو ایمان، اور سنی، حنفی ہونے کی دلیل اور شناخت ہے۔

سید صاحب نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کو حدیث موقوف تحریر کیا اور ساتھ ہی اضافی گرہ لگا دی کہ حکماً یہ قول مرفوع حدیث ہے قول صدیق رضی اللہ عنہ حدیث موقوف ہونے کی حد تک مسلم ہے مگر حکماً حدیث مرفوع ہونے کی حد تک قابل تسلیم نہیں، کیونکہ یہ قول کس وقت اور کس زمانے کی پیداوار ہے اس کی کوئی وضاحت نہیں اور اس پر کوئی قرینہ بھی موجود نہیں، حکماً حدیث مرفوع ہونے کیلئے ضروری ہے کہ صحابی کے قول یا فعل کی نسبت زمانہ نبوی کے ساتھ ہو، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

﴿ان لم یضفہ الی زمن النبی ﷺ فهو موقوف، وان اضافہ فالصحيح انه مرفوع﴾  
(تدریب الراوی)

حضرت ابو بکر صدیق کے قول میں زمانہ نبوی کے ثبوت اور وجود پر کوئی دلیل موجود نہیں نہ دلیل مطاہقی اور نہ دلیل تفسیمی، لہذا قول صدیق رضی اللہ عنہ حدیث موقوف ہے اس کے مقابل آئیہ کریمہ ﴿لا یستوی منکم من انفق الایة﴾ موجود ہے اس قول کے مقابل حضرت ابی الدرداء کی مرفوع حدیث ﴿ماطلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر﴾

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ﴿ابو بکر سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ ﷺ﴾ حضرت انس سے مروی حدیث مرفوع موجود ہے ﴿خیر اصحابی ابو بکر﴾ (کلہا من الریاض النضرة: ج: ۱: ص: ۱۳۶، ۱۳۷)

حضرت ابو بکر صدیق کا فرمان اپنی جگہ حق اور صحیح ہے، سر مو انحراف نہیں کیا جاتا مگر آپ کا قول مبارک حدیث موقوف ہے اور مذکورہ بالا احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں جو قابل ترجیح ہیں۔ پھر یہ الفاظ دوستانہ تعلقات، ادب و احترام اور باہمی بھائی چارے کی تعبیر بھی ہو سکتے ہیں۔

سید صاحب نے محب الدین طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: ﴿جاء ابو بکر وعلی یزوران قبر النبی ﷺ بعد وفاته ستة ایام، قال علی لابی بکر، تقدم یا خلیفة رسول اللہ ﷺ﴾ قال ابو بکر ما كنت لا تقدم رجلا سمعت رسول اللہ ﷺ يقول علی منی

کمنزلتی من ربی﴾

ترجمہ: حضرت نبی کریم ﷺ کے وصال کے چھ دن بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قبر حضور ﷺ کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ آپ آگے ہوں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایسے آدمی سے آگے بڑھنے کا نہیں ہوں، (جس کے بارے میں) سرکارِ دو عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ میرے سامنے ویسے ہی ہے جیسا کہ میرا مرتبہ پروردگار کے سامنے ہے،

تبصرہ میں تحریر کیا کہ: ظاہر ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا مرتبہ بزم انبیاء میں یکتا و بے ہمتا ہے تو اس تشبیہ کا

مقصد یہ ہوگا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ صفوف صحابہ رضی اللہ عنہم میں یکتا و بے ہمتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد غالب حاجت نہیں رہتی،،

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تشبیہ بھرا فرمان سر آنکھوں پر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یکتا و بے ہمتا مقام مسلم ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کا کیا جواب اور کیا محمل ہوگا؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں ﴿قال رأيت رسول الله ﷺ واقفا مع علي اذا قبل ابوبكر فصافحه النبي ﷺ وعانقه وقبل فاه ابى بكر فقال ﷺ يا ابا لحسن منزلة ابى بكر عندى كمنزلتى عند ربى خرج الملاء فى سيرته﴾  
(الرياض النضرة: ۱: ص: ۱۸۵)

ترجمہ: میں نے (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) رسول اللہ ﷺ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کھڑے دیکھا، اچانک حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) آگئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے مصافحہ فرمایا، گلے لگایا ابوبکر کے منہ کو بوسہ دیا پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اے ابوالحسن ابوبکر کا مقام میرے سامنے ایسے ہی ہے جس طرح میرا مرتبہ میرے پروردگار کے سامنے ہے،، سیرت نگاروں کی جماعت کثیرہ نے سیرت ابوبکر میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلی حدیث کے خود راوی ہیں، اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں نقل کرنے والے محبت الدین طبری رحمہ اللہ ہیں، دونوں احادیث مرفوع ہیں، البتہ مضمون احادیث باہم متعارض اور متقابل ہے کسی ایک کو بھی ترک نہیں کیا جاسکتا، بیک وقت عمل بھی ناممکن ہے اس پیچیدہ صورت کو سلجھانے اور مشکل صورت حال سے نکلنے کیلئے تاویل ناگزیر ہے وہ تاویل یہی ہے کہ جہت صحابیت، جاثاری، اور خدمت گزاری کے لحاظ سے صفوف صحابہ میں میرے بعد صدیق اکبر کا مقام ہے وہی افضل الصحابہ ہے، اور جہت قرابت داری، اور تعلق ہاشمیت کے

حاجظ سے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میرے نزدیک تمام بنو ہاشم اور قرابتداروں سے افضل ہیں اب کوئی منافاة ہے نہ تعارض، تشبیہات کے میدان میں افضلیت ابو بکر کو پھر بھی برتری ہی حاصل رہی،

☆ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ☆

## حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول معارض کا جواب

سید صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۱: ص: ۲۳۵، سے یہ نقل کیا کہ: ﴿عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ثلاثه من الانصار لم یکن احد منهم یلحق فی الفضل کلهم من بنی عبد اللہ الا سهل سعد بن معاذ اسید بن حضیر، وعباد بن بشر﴾ ترجمہ: تین انصاری تھے جن کے مرتبے کو کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا، اور وہ سارے بنی عبد اللہ اشہل میں سے تھے، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر، عباد بن بشر،

آگے تبصرہ کرتے ہوئے نقل کیا کہ سیدہ عائشہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اجماع مبین میں جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شریک نہیں، جبکہ آپ مجتہدہ ہیں، اگر اس پر اجماع ہوا ہوتا تو جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرور پتہ ہوتا، جبکہ آپ کا وصال، ۶۷ یا ۵۸ھ میں ہوا (زبدۃ: ص: ۲۶۰)

بار بار پڑھ کر یہ حیرت ہوتی ہے کہ سید صاحب کے دل و دماغ میں یہ بات کیوں گھر کر گئی ہے کہ اجماع نہیں ہوا، اور یہ اس کی نوک قلم پر کیوں چھا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق افضل نہیں بلکہ حضرت علی المرتضیٰ افضل ہیں، کیونکہ افضلیت ابو بکر پر اجماع ہوا ہی نہیں، اجماع کے منکر تو معتزلہ اور رافضی ہیں، سید صاحب تو اپنے آپ کو سنی لکھتے اور کہلاتے ہیں یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ ہیں، اور اجتہاد اس امر میں ہوتا ہے جس کی توضیح اور صراحت قرآن و سنت میں نہ ہو، امارت و خلافت کا مسئلہ قرآن و سنت میں موجود ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ جو بغیر امیر (خلیفہ) کی بیعت کے مرادہ جاہلیت کی موت مرا، اس لئے یہ وقت اجتہاد کا نہیں اجماع کا ہے۔

۲: امارت و خلافت کا تعلق نسوانیت سے نہیں بلکہ مردان پاکباز سے ہے امارت و خلافت کے اہل اور مستحق مردان صاف گو، اور صاحب کردار ہیں، جنس نازک کی رائے لینا اور اس کا ہر لمحہ باخبر یا بعلم رہنا ضروری نہیں، بالفرض اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پتہ نہ ہو پھر بھی تو اجماع کیلئے نقصان اور ضرر کا باعث نہیں۔

بایں ہمہ مذکورہ بالا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابل دو احادیث پیش کرتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا درجہ کیا ہے؟ ﴿اخرج البخاری فی تاریخہ ، والنسائی ، والترمذی والحاکم عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال نعم الرجل ابوبکر ، نعم الرجل عمر نعم الرجل ابو عبیدہ بن الجراح ، نعم الرجل اسید بن حضیر ، نعم الرجل ثابت بن قیس بن شماس ، نعم الرجل معاذ بن جبل ، نعم الرجل معاذ بن عمر بن الجموع نعم الرجل سہیل بن بیضاء﴾ (الصواعق المحرقة : ۷۹) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے اپنی تاریخ، نسائی، ترمذی، اور حاکم نے بھی کی ہے، رحمہم اللہ، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین مرد ابوبکر ہے، بہترین مرد عمر ہے، بہترین مرد ابو عبیدہ ابن الجراح ہے، بہترین مرد اسید بن حضیر ہے، بہترین مرد ثابت بن قیس بن شماس ہے، بہترین مرد معاذ بن جبل ہے، بہترین مرد معاذ بن عمرو بن الجموع ہے، بہترین مرد سہیل بن بیضاء ہے۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا جسکو ابی یعلیٰ نے روایت کیا ہے: ﴿ارأف امتی بامتی ابوبکر ، واشدہم فی الدین عمر ، واصلقہم حیاء عثمان واقضاهم علی وافر ضہم زید بن ثابت واقراہم ابی واعلمہم بالحلال والحرام معاذ بن جبل الا وان لكل امة امینا وامین هذه الامة ابو عبیدہ بن الجراح﴾ (ایضاً)

ترجمہ: میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں اور دینی معاملات میں سخت گیر عمر ہیں، شرم و حیاء میں سچے عثمان ہیں، اور میری امت کے سب سے بڑے قاضی علی المرتضیٰ ہیں علم الفرائض

کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابت ہیں اور میری امت کے سب سے بڑے قاری ابی ہیں، حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل ہیں، سنو ہر امت کا ایک امین ہوا ہے اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں رسول اللہ ﷺ اپنے ہر صحابہ کے ظاہر اور باطن کو جانتے تھے، علمی اور تعلیمی معیار اور صلاحیت سے بھی پوری طرح باخبر تھے، ہر صحابی گفتار و کردار کے حوالے سے آپ کے حضور نمایاں اور منفرد تھا اس لئے آپ نے ان صحابہ کے انفرادی اور ذاتی خصائص اور فضائل کو آشکارا فرمایا، آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے صادر ہونے والے ان فضائل و خصائص کو سب صحابہ جانتے تھے کسی صحابی کو در رسول اللہ ﷺ سے ملنے والی ہر فضیلت اور ہر اعزاز ہر صحابی کے ذہن و قلب میں نقش پائیدار کی طرح پیوست تھا، لیکن اس کے باوجود تمام صحابہ نے تاج افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تین انصاری صحابہ کو جو فضیلت عطا فرمائی ہے وہ اسی نوعیت کی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا صحابہ کرام کو ایک ایک جامع فضیلت سے نوازا ہے جس کا وجود اور ثبوت پوری امت میں سے کسی فرد کیلئے نہیں یہاں اس بات کا ذہن میں رکھنا از حد ضروری ہے کہ آستان نبوت سے اعزاز پانے والے ان نفوس قدسیہ کے سالار اعظم جناب شیخین کریمین رضی اللہ عنہما ہیں رسول اللہ ﷺ نے اعزاز اور فضیلت پانے والے خوش نصیبوں کی فہرست میں ان کو اول اور مقدم رکھا ہے آج اگر صرف اول سے اٹھا کر آخری صفوف میں دھکیلنے کی کوشش کی گئی تو ناقابل برداشت ہوگی، حضرت جابر کی حدیث میں ہے ﴿ما طلعت الشمس علی احد منکم افضل منه و اخرج الطبرانی وغیرہ﴾ (الصواعق المحرقة: ۶۸) ترجمہ: تم میں سے کسی بھی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا، جو ابو بکر صدیق سے افضل ہو اس حدیث کی تخریج طبرانی وغیرہ محدثین نے کی ہے محدث ابن حجر کی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ولہ شواہد من وجوہ اخر تقتضیٰ له بالصحة او الحسن وقد اشار ابن کثیر الہ الحکم لصحته﴾ (ایضاً) ترجمہ: اس حدیث کی نسبت اور طریقے بھی شہادت دیتے ہیں جو اس کی صحت یا حسن ہونے کا تقاضا کرتے ہیں۔

محدث مذکور رحمہ اللہ نے حدیث ہذا کی فنی تحقیق کے حوالے سے واضح فرمایا ہے کہ الفاظ حدیث کی تائید اور توثیق اور طریقوں (اسناد) سے بھی ہوتی ہے جس سے یہ بات پائیدار ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن حافظ ابن کثیر عماد الدین نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ایک طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تین انصاری صحابہ کے افضل، صاحب فضیلت ہونے کا قول ہے اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی صحیح یا صحیح حسن حدیث موجود ہے جس میں تمام صحابہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل فرمایا گیا ہے، بے شک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین اور تمام صحابہ سے اعلم ہیں مگر ان کا فرمان حدیث موقوف ہے اور اس کے مقابل رسول اللہ ﷺ کا فرمان حدیث صحیح اور حدیث حسن ہے، اب ترجیح کس کو حاصل ہوگی، ظاہر ہے حدیث صحیح یا حدیث حسن کو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ایک جامع فرمان ہے جس میں تمام صحابہ سے علی الاطلاق افضلیت ابو بکر پر مہر تصدیق ثبت فرمائی گئی ہے،

سید صاحب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے استدلال کیا ہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق پر اجماع نہیں ہوا، اگر اجماع ہوا ہوتا تو جتنا یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرور پتہ ہوتا، (زبدۃ: ص: ۲۶۰)

یہ طرز استدلال بے بنیاد، اور نفیء اجماع کا قول غلط ہے، وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عمر و ابن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے نزدیک عورتوں میں سب سے افضل عائشہ اور مردوں میں (ابوہا) ان کے والد ابو بکر ہیں (رضی اللہ عنہما)  
(۲) رسول اللہ ﷺ کا ابو بکر کیلئے نماز کی امامت کا حکم دینا۔

(۳) خود ابو بکر کو چھوڑ کر تمام راستوں کی بندش کا حکم فرمانا حضرت عائشہ صدیقہ کے علم میں تھا جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کو حق الیقین کی حد تک افضلیت ابو بکر کا علم تھا، ابو بکر صدیق کی لازوال مثالی خدمات، عقل و فہم کی دسترس سے بالا، علم و دانش کی سوچ سے وراہ الوری محبت رسول کا آپ کو علم نہ ہو، یقیناً آپ کو علم تھا اور اس کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت

کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق کی عدم موجودگی میں مصلیٰ امامت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور تکبیر تحریر یہ کہی، ﴿فسمع رسول اللہ ﷺ تکبیرہ فاطلع راسہ مغضبا فقال

این ابن ابی قحافہ﴾ (الصواعق المحرقة: ۲۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ساعت فرمائی، بحالت غصہ چادر سے اپنا چہرہ مبارک ظاہر فرمایا، اور پھر فرمایا ابن ابی قحافہ کہاں ہے؟ معلوم ہوا مسجد نبوی میں تکبیر و قرأت کی آواز حجرہ شریفہ میں صاف اور بطریق ابلیغ سنائی دیتی تھی، اگر سنائی نہ دیتی تو رسول اللہ ﷺ اپنا چہرہ انور بعد از ساعت ظاہر نہ فرماتے، اور غضبناک کیفیت میں جناب صدیق اکبر کی نسبت دریافت نہ فرماتے، منگل کے روز رسول اللہ ﷺ کی تجمیر و تکفین سے فراغت کے بعد مسجد نبوی میں بیعت عامہ کی غرض سے صحابہ کرام کا اجتماع ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نص قرآنی ﴿ثانی اذھما فی الغار، اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا﴾ سے افضلیت ابو بکر پر استہادہ فرمایا، اور پھر اعلان فرمایا: ﴿من لم ینح علیٰ ہذہ الثلاث﴾ ابو بکر کے علاوہ کوئی ہے جو ان فضائل کا مالک ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چیلنج بھری اس تقریر کے بعد کوئی خلافت کا امیدوار، یا خلافت کا انکار سامنے نہ آیا تمام صحابہ نے ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی، جو بیعت حسنہ جمیلہ کا روپ دھار گئی، اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیر تحریر نہ کہیں، اور آواز حجرہ کے اندر پہنچ کر قلب مصطفیٰ ﷺ کو بے چین کر سکتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر جو مسجد نبوی میں افضلیت ابو بکر صدیق پر ہوئی ہے اس کی گرجدار آواز حجرہ عاتشہ میں نہیں جاسکتی اور وہ ساعت بھی نہیں کر سکتیں اور جنابہ عاتشہ صدیقہ کو اتنا عالم اور ادراک بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ اجتماع صحابہ میرے والد کی خلافت اور افضلیت پر اجتماع ہے وہ یہ بھی محسوس نہیں کر سکتیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت زیر بحث ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر میرے والد گرامی رسول اللہ ﷺ کی تجمیر و تکفین کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے تھے اور مہاجرین صحابہ کی نمائندگی میں مصروف ہیں افضلیت ابو بکر کا بیان اور خلافت ابو بکر کا اعلان ایک طوفان، اور ایک آندھی کی طرح مدینہ کے دروہام پر چھا گیا تھا، اور ہر مرد و زن اس سے باخبر با علم تھا،

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ کہنا کہ انہیں اجماع کا پتہ نہ تھا، صحابہ کا یہ اجماع ان کے حجرہ کے دروازے پر ہو رہا ہے حضرت عمر جیسے جہیر الصوت صحابی فضائل ابو بکر کو آیت قرآنی سے ثابت فرما رہے ہیں تمام صحابہ تسلیم و رضا کی تصویر بن کر بیعت کر رہے ہیں مگر حضرت عائشہ بے خبر اور لاپتہ ہیں؟ جہالت کی ظلمتوں میں ڈوبا ہوا شخص احمقوں کی دنیا کا باسی بھی اس حقیقت کا اعتراف اور اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ افضلیت ابو بکر پر اجماع ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی شیخین پر جو نوازشات کی برسات تھی ان کی عظمتوں اور شرافتوں کو جو چار چاند رازاں ہوئے تھے، فضائل و خصائص کی جو طویل۔ لازوال اور بے مثال فہرست زبان رسالت سے جو جاری ہوئی تھی، شیخین کے صدق و محبت کے جو گلہائے عقیدت آستان نبوت پر نچھاور ہوئے تھے، شخص کیلئے سایہ کی مانند رہنے والے ابو بکر و عمر آج کیوں غائب ہیں؟ تو حید کا مظہر، رسالت کا خوگر انوار وحی سے خفیہ بخت سینوں کو بیدار کرنے والے ہر کہ و مہ سے پیار کرنے والے رحمتوں کے مالک پست و خستہ حال انسانیت کو اوج کمال عطا کرنے والے ہر بندہ مومن کے دل کی دھڑکن بننے والے چند لمحوں بعد آنکھوں سے اوجھل ہونے والے ہیں، ابو بکر و عمر اپنے محبوب یکتا کے سفر آخرت میں نیاز عقیدت لٹانے سے کیوں پس پردہ ہیں، نیاز مندی، اور عقیدت کے اس موقع پر ان کا کردار کیوں خاموش ہے روح ایمان (علیہ السلام) ان کی حاضری اور موجودگی کی منتظر ہے یہ رسم مہر و وفا کا دستور ہے نہ دنیائے عشق و محبت کا اصول کہ بلبل پھول کو پروانہ شمع کو اور صدیق اپنے رسول کو چھوڑ جائے، نگاہ محبوب اور رضائے حبیب کی قربان گاہ پر جان، مال اور اولاد کی قربانی دینے والے دہلیز محبت پر مٹنے والے صدیق جناب عمر کے ہمراہ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ مگر انصار کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بطور امیدوار سامنے لے آنا بھی معنی خیز اور زبان زد عام ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہر صحابی کے ہر فعل کا علم ہے ایام علالت میں رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کیلئے تحریر خلافت دینے کا اظہار فرمایا تھا ان تمام شواہد کی موجودگی میں یہ تصور کر لینا یا کہہ دینا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو افضلیت ابو بکر پر اجماع صحابہ کا علم نہیں، پتہ نہیں، خبر نہیں، اجماع ہوا ہی نہیں وغیرہ وغیرہ دن کو رات

کہنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ بحث و تکرار نہیں ہوئی؟ جنگ و قتال تک نوبت نہیں پہنچی تھی؟ پوری تفصیل دیگر کتب کے علاوہ الریاض النضر ۱: ص: ۲۳۷، پر موجود ہے، لیکن جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بغیر شرائط خلافت کو پورا کرنے والا دوسرا کوئی شخص سامنے نہ آیا تو ابو بکر صدیق کو ان کی افضلیت کی شرط پر خلیفہ منتخب کر لیا گیا جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کے عنوان میں پانچ خصوصی فضائل کو وجہ افضلیت اور وجہ خلافت تسلیم کیا جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور اس کیلئے دیکھیے: الریاض النضر ۱: ص: ۲۱۰“

سوال یہ ہے، جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ سے واپس تشریف لائے تو اس وقت آپ صرف صدیق اکبر آئے تھے یا خلیفہ رسول اللہ کا تاج پہن کر آئے تھے، لوگ آپ کو کس لقب سے پکار رہے تھے؟ کیا صحابہ کی عوامی گفتگو بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی؟

نیز قول عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ ثلثہ من الانصار اور یہ جملہ ﴿لم یکن احد منهم﴾ قابل توجہ ہیں، ﴿منہم﴾ ضمیر کا مرجع انصار ہیں، یہ انصار بھی علی الاطلاق مراد نہیں ورنہ قرآن و سنت اور اجماع کی مخالفت لازم آئے گی بلکہ مراد وہ انصار ہیں، جو بنی عبد الاشہل سے ہیں، معنی یہ ہے کہ بنی عبد الاشہل کے انصار میں سے ان تین انصار کے پائے کا کوئی نہیں، اس سے اجماع اور افضلیت ابو بکر صدیق کی نفی کیسے ثابت ہوئی؟ سید صاحب نے تحریر کیا کہ اس پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ جب کوئی کسی بھی صحابی کو افضل کہے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی نفی لازم آتی ہو دور حاضر کے دانشور پر سکتہ طاری نہیں ہوتا ہے اور خاطر عاطر پر ہرگز یہ بات گراں نہیں گزرتی مگر جوں ہی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لیا جائے آتش بداماں ہو جاتا ہے۔ (زبدۃ: ۲۶۱)

جو ابابا کہا جائے گا کہ یہ الزام تراشی ہے ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے قرآن و حدیث میں صحابہ کرام کے جو اوصاف، فضائل اور خصائص بیان ہوئے ہیں ان کا انکار کرنا دولت ایمان سے تہی دامن ہونے کی دلیل ہے بالخصوص خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی جو انفرادی اور امتیازی شان بیان ہوئی ہے

جو مدارج اور مراتب بتائے گئے ہیں ان میں کمی زیادتی کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے، تحفظ ایمان کیلئے خلفائے اربعہ کے درجات، اور فضائل کے حوالے سے قرآن و سنت اور عقیدہ سلف کی شاہراہ پر چلنا ناگزیر ہے اعتقادی قبلہ کی درستگی اور صحت کیلئے اسی سمت کا تعین کرنا ایک بنیادی تقاضا ہے جو اسلاف نے دقت نظر سے خلف کیلئے متعین فرمائی ہے اس کے خلاف کرنا، اس سے مخالف سمت چلنا قرآن و سنت کی پاسداری ہے نہ عقیدہ سلف کی تابعداری،، حب علی رضی اللہ عنہ اسی طرح جزو ایمان ہے جس طرح حب صدیق رضی اللہ عنہ علامت ایمان ہے،،

ہماری دعوت کا اصل موضوع یہی ہے کہ قرآن و سنت میں موجود دلائل اور توضیحات اسلاف پر اعتقادی عمارت استوار کی جائے،، قاضی ابوبکر باقلانی، عبدالکریم شہرستانی، ابن حزم اندلسی، کے خود ساختہ اجتماع، اور جمہور مخالف نظریات اور ابن عبدالبر اندلسی کی ”استدکار“ کو الہامات کے مقابل ترجیح نہ دی جائے،،

سید صاحب نے تحریر کیا کہ: ملاحظہ فرمائیے جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبیلہ عبدالاشہل کے تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام لیا انہیں پوری امت سے افضل کہا مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رہیں گی، بالفرض اگر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام آجاتا کئی گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی،، شور محشر برپا ہو جاتا الخ (زبدۃ: ۲۶۱)

زبدۃ کی زہر نشان یہ تحریر حقیقت کا منہ چڑا رہی ہے ایسا کوئی مسلمان ہے ہی نہیں جس کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نام مبارک سے چڑھو، اور اس افضلیت کا منکر ہو جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے ان کو عطا فرمائی ہے، بقول سید صاحب اگر افضلیت و مفضولیت کا مسئلہ ضروریات دین سے نہیں جھگڑے کی بات نہیں تو اجتماع، جمہور اور اسلاف کے مسلک کے خلاف، شاذ غیر معتبر اور اقوال احادہ سے چار صد صفحات پر مشتمل زبدۃ التحقیق لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے اجماع پر معارضہ

اور اس کا جواب

سید صاحب نے امام حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج: ۲: ص: ۱۵۸) سے ان کا قول نقل کیا: ﴿اما انه لاخبرهم واحبهم الى رسول الله ﷺ اخرجہ احمد

وبخاری﴾

ترجمہ: لیکن (زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ) وہ تو یقیناً سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب ہیں، رسول اللہ ﷺ کو۔

تبصرہ میں کہا: امام ابن حجر عسقلانی نے بحوالہ امام احمد اور بخاری جناب زبیر ابن العوام کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں سب سے افضل کہا اور سب سے زیادہ پیارا کہا، اگر ابو بکر صدیق کی افضلیت پر اجماع ہو چکا ہوتا تو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب کیسے کہا جاتا؟ جواباً کہا جائے گا کہ امام عسقلانی علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا ہے: ﴿اما البعدیة فی الرتبة فیقال فیہا الافضل بعد الانبیاء ابو بکر وقد اطبق علی انه افضل الامة، حکمی الشافعی وغیرہ اجماع الصحابة والتابعین علی ذالک﴾

ترجمہ: بخاری کے باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ میں بعدیۃ سے مراد بعدیۃ رتبہ بھی ہو سکتی ہے اس معنی کی بناء پر یہ کہا جائے گا کہ انبیاء کے بعد ابو بکر صدیق سب سے افضل ہیں اور ان کے افضل الامت ہونے پر سب کا اتفاق ہے امام شافعی اور دیگر آئمہ نے اس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نقل کیا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت سے افضل ہیں،

اب ایک طرف افضلیت ابو بکر صدیق پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے اور اجماع کے نقل کرنے والے حضرت امام شافعی اور دیگر آئمہ رحمہم اللہ ہیں، اور دوسری طرف امام ابن حجر عسقلانی ہیں صحابہ اور تابعین کے اجماع کے مقابل امام عسقلانی یا کسی اور کے قول کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔

## ☆ حضرت ابوالطفیل صحابی رضی اللہ عنہ کے قول سے معارضہ

اور اس کا جواب

سید صاحب نے ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ کے حوالے سے حضرت ابوالطفیل عامر بن داؤد کا قول ”نفی اجماع“ پر نقل کیا کہ: ﴿عن ابی الطفیل قال ادرکت ثمان سنین عن

حیة النبی ﷺ قال ابو عمر ، کان یعترف بفضل ابی بکر و عمر لکنہ یقدم علیہ﴾

ترجمہ: ابوالطفیل روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی ظاہری زندگی کے آٹھ سال پائے ابو عمر نے کہا ابوالطفیل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضل و شرف کے قائل تھے مگر وہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل سمجھتے۔ (زبدۃ: ۲۶۲)

تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اگر جناب ابو بکر صدیق کی افضلیت پر اجماع ہو گیا ہوتا اس اجماع کی مخالفت یہ صحابی ہو کر کیسے کرتے؟

جواباً کہا جائے گا کہ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ان کی وفات ۱۰۲ھ میں ہوئی امام شافعی رضی اللہ عنہ نے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نقل کیا ہے امام شافعی رحمہ اللہ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی جس کا صاف اور سہل ترین مفہوم یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کے درمیان ۱۰۲ھ سال کا عرصہ موجود پایا گیا ہے۔ اگر ابوالطفیل رضی اللہ عنہ صحابہ اور تابعین کے اجماع کے خلاف ہوتے تو امام شافعی ۲۰۴ھ تک اجماع کا مسلسل ہونا بیان نہ فرماتے،، کیونکہ اجماع میں یہ ضروری ہے کوئی ایک رائے بھی مخالفت میں نہ آئے، اگر ابوالطفیل اجماع میں شریک نہ ہوتے، انہیں علم نہ ہوتا تو یہ اجماع دور صحابہ سے گزر کر تابعین کے دور تک نہ پہنچتا

ان کو تو وحید کے انوار، وحی کے آثار اور نبوت کے رموز و اسرار صرف آٹھ سال تک دیکھنے کا موقع ملا مگر امام شافعی کے نور علم اور بصیرت افروز نگاہوں نے بنی ساعدہ کی حویلی سے پھوٹنے والی اجماع کی

تجلیات کا نظارہ ۲۰۰۴ء تک کیا، اس لئے ابو عمر کی روایت خبر احاد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، یہ قابل ترجیح کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ اس کے مقابل اجماع صحابہ اور تابعین کی دلیل قطعی موجود ہے پھر حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کا عمل اجماع کے مخالف نہیں کیونکہ انہوں نے شیخین کی فضیلت کا انکار نہیں کیا بلکہ اعتراف کیا ہے اجماع کی نفی اس وقت ہوتی جب وہ شیخین کی فضیلت کا انکار کرتے اور کھلے بندوں یہ کہتے کہ شیخین سے جناب علی المرتضیٰ افضل ہیں،

### ثالثاً: تقدیم و قسم ہے

(۱) تقدیم بلحاظ شرف و نسبت و تعلق خاص

(۲) شرف بلحاظ خدمت اسلام اور مسلمین اور کثرت ثواب

شرف نسبت اور شرف نسبت و تعلق کے اعتبار سے جناب علی المرتضیٰ شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں، اسلام، مومنین کی خدمت اور کثرت ثواب کی وجہ سے شیخین پوری امت سے افضل ہیں، اختلاف جہات کی بناء پر حضرت ابوالطفیل کا عمل درست تسلیم ہے، بہر حال ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کے عمل کو اجماع کی نفی میں بطور دلیل پیش کرنا غلط ہے۔

فرمان رسول اللہ ﷺ علی رضی اللہ عنہ امام المتقین ہیں تحقیق کے اجالے

میں سید صاحب نے ابن عساکر رحمہ اللہ کی کتاب تاریخ مدینہ دمشق: ۴۲: ص: ۳۷۰، سے یہ نقل کیا ہے کہ ﴿قال، رسول الله ﷺ مرحبا بسيد المسلمين، و امام المتقين﴾ ترجمہ: آنا تمہارا مبارک اے سارے مسلمانوں کے سردار اور سارے متقیوں کے امام۔

یہ حدیث مرفوع ہے سرکارِ دو عالم ﷺ کا جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام مسلمانوں کا سردار فرمانا جملہ امت محمدیہ میں فضیلت کی کافی دلیل نہیں ہے کیا؟ سب انقیاء کا سردار فرمانا سب سے اکرم ہونگی دلیل نہیں ہے کیا؟

جو ابابا کہا جائے گا کہ بے شک جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ سید المتقین، اور امام المتقین ہیں لیکن اس

روایت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے افضل الامت ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَقَ بِهِ أَوْلَانِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ (الزمر، ۳۳، ۲۴)

وہ ذات جو سچ لیکر آئی، اور وہ شخص جس نے اس سچ کی تصدیق کی وہی متقین ہیں۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ: جناب مولانا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ شخص جو سچ لایا اس سے مراد سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے، اور جس نے سچائی کی تصدیق کی اس سے مراد جناب صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ (زبدۃ: ۸۹)

یہ قرآنی شہادت ہے کہ جاء بالصدق سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اور صدق بہ سے مراد جناب صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ مراد اور یہ تفسیر جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے خود بیان فرمائی ہے اولئک ہم المتقون بھی انہی دو ذات سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سند اور تصدیق جاری فرمائی گئی ہے کہ اللہ کے ہاں یہ ہی ذاتِ رسول اللہ ﷺ اور صدیق متقی ہیں، کیونکہ اس جملہ میں اولئک اسم اشارہ، ہم ضمیر منفصل مبتداء اور المفلحون اس کی خبر ہے، اور جب مبتداء اور خبر دونوں معرّف ہوں تو خبر، مبتداء کیلئے حصر قصر اور اختصاص کا فائدہ دیتی ہے جس طرح اولئک ہم المفلحون میں اولئک اور ہم ضمیر کے مراجع کیلئے المفلحون میں پائی جانے والی فلاح کا ثبوت قصر اور اختصاص کی وجہ سے ثابت ہو رہا ہے، سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿اولئک ہم المفلحون و هذه الجملة لا تخلوا عن افادة الحصر كما لا يخفى﴾ ترجمہ: اولئک ہم المفلحون کا جملہ حصر کا فائدہ دے رہا ہے جس طرح اہل علم پر مخفی نہیں، وہ یوں کہ اولئک اسم اشارہ اور ہم ضمیر یکے بعد دیگرے مقام ابتداء میں واقع ہو کر متقین کی طرف لوٹ رہی ہیں جن کے اوصاف پہلے بیان ہو چکے ہیں وہ اوصاف کیا ہیں؟ ان کا ایمان بالغیب ہے، نماز کے پابند ہیں، اللہ کے دیئے ہوئے رزق حلال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور پھر اولئک ہم المفلحون کے جملہ اور ضمیر کے ساتھ حصر کر دیا گیا ہے کہ یہی کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہونے والے ہیں، ان صفات کے

حامل لوگ ہی متقین ہیں اور یہی فوز و فلاح کے حقدار ہیں،، علامہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ اولئک اور المفلحون کے درمیان ہم ضمیر کا آجانا قصر کیلئے بھی ہو سکتا ہے ﴿و ضمیر الفصل اما للقصر او لمجرد تاکید النسبة﴾

ہم ضمیر مرفوع منفصل ہے، اس کا اولئک اور المفلحون کے درمیان آنا، قصر اور نسبت کی تاکید کیلئے بھی ہو سکتا ہے یعنی المفلحون کی جو نسبت المفلحون کی طرف کی گئی ہے اس نسبت کی پختگی کیلئے بھی ہو سکتی ہے یعنی ان متقین کی فلاح یقینی اور حتمی ہے اس کے خلاف ہونا محال شرعی ہے، پھر فرمایا اگر یہ ضمیر ”ہم“ قصر کا فائدہ دے تو پھر:

قصر اضافی کی تین اقسام مراد ہو سکتی ہیں،

(۱) قصر قلب، (۲) قصر تعین، (۳) قصر افراد

قصر قلب کی صورت میں مخاطب کے ذہن میں یہ تھا کہ متقی اور غیر متقی سب کیلئے فلاح ہے اس جملہ، اور اس میں واقع ضمیر کے ذریعے اس کے خیال کو پلانا کر فرمایا گیا کہ غیر متقین کیلئے فلاح نہیں فلاح صرف متقین کیلئے ہے، قصر افراد اور قصر تعین کی صورت میں یہ منفرد اور متعین کیا گیا ہے کہ فلاح صرف اور صرف متقین کا ہی مقدر اور نصیب ہے،،

یہی قواعد اور یہی ضوابط آیت ﴿والذی جاء بالصدق وصدق به اولئک ہم المتقون﴾ پر بھی منطبق ہوتے ہیں اور وہی کلیہ یہاں بھی جاری ہوتا ہے ”اولئک“ اور ”المتقون“ کے درمیان ”ہم“ ضمیر منفصل کا آجانا قصر اور قصر کیلئے ہے ”المتقون“ کا حصر اور قصر ابتدائی اور حتمی طور پر ذات رسول ﷺ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے ہے، سید صاحب نے خود حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ثابت کیا اور تحریر بھی کیا ہے،، ثابت ہوا کہ بحکم آیہ ”مقدسہ اور بروایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ متقین صرف رسول اللہ ﷺ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، اور ابن عساکر کی روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ سید المسلمین اور امام المتقین ہیں۔

قرآنی نص اور حدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا ہے اس لئے اس تعارض کو دور کرنا اور توافق پیدا

کرنا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں تقویٰ سے مراد حقیقی تقویٰ ہے اور حدیث میں تقویٰ سے مراد اضافی تقویٰ ہے یعنی سب سے زیادہ متقی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور ان کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متقی ہیں اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ متقی ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ باقی متقین لوگوں کے امام و پیشوا ہیں، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ شعر کہا

﴿خیر البریة اتقاها واعدلها بعد النبی و اوافاها بما حملا﴾

اس کا ترجمہ سید صاحب نے یہ کیا ہے:- ساری مخلوق (بعد از نبی) سے وہ اچھا ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یہ حدیث تقریری ہے، جو ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت سے اتقی ہیں یہ معنی ہماری بیان کردہ توجیہ کی تائید اور توثیق ہے،

تالثاً: اس پر مستزاد یہ کہ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے پوچھ بھیجا کیا رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کو اپنا خلیفہ بنانا چاہا تھا؟ تو آپ نے فرمایا ﴿والله الذی لا اله الا هو استخلفه لهو کان اتقی لله﴾ (شرح فقہ اکبر: ص: ۷۴)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو خلیفہ بنانا چاہا تھا کیونکہ آپ ہی اتقی لله تھے یعنی سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے تھے۔

حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے معلوم ہوا کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اتقی تھے، یہ بھی ہمارے موقف اور ہماری تحریر کردہ توجیہ کی تائید مزید ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ متقی ہیں امام المتقین ہیں، مگر جناب صدیق اکبر اتقی لله ہیں، اور اتقی لله ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہا تھا، مختصر یہ کہ صدیق اکبر نبی کریم ﷺ کے بعد اتقی ہیں، اور جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ اپنے دور میں اتقی لله ہیں، ایسی صورت میں کوئی منافق اندری۔

رابعاً: ابن عساکر ۵ھ میں فوت ہوئے، تاریخ مدینہ دمشق بانچوس صدی ہجری کا کارنامہ ہے لیکن

راوی روایوں کا نام لئے بغیر یہ لکھ دیا کہ قال رسول اللہ ﷺ، الحدیث اس طرزِ تحریر سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حدیث رفع حسن اور صحت کی صفات سے متصف ہے، حدیث مرفوع تب ہو سکتی ہے جب سلسلہء سند کا رفع رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہو، جب اس کی سند کا تہ پہنچتا ہی نہیں تو یہ حدیث مرفوع کیسے ہوگی؟ صحیح مرفوع اور حسن ہونے کیلئے روایت کی نقل ضروری ہے۔

سید صاحب نے حدیث زیر بحث کو بدون نقل روایت کیسے کہہ دیا ہے؟

خامساً: متقین، متقی کی جمع ہے متقی اسم فاعل ہے زمانہء حال و مستقل سے وابستہ ہو کر معنی مصدری کے صدور و حدوث پر دلالت کرتا ہے حال پر دلالت کرنے کی وجہ سے حدوث اور صدور تو ہے مگر حتمی اور قطعی نہیں کیونکہ معنی مصدری کا اظہار ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا، مگر اتقی اسم تفصیل ہونے کی بناء پر دلالت کر رہا ہے کہ بے شک معنی مصدری (تقویٰ) دیگر افراد میں بھی موجود ہے مگر اس کیفیت اور اس درجہ کا نہیں پایا جا رہا جو اتقی کے مدلول اور مصداق میں پایا جا رہا ہے تو گویا اتقی اور متقی کے درمیان مفہوم اور مدلول کے لحاظ سے نسبت عام خاص مطلق پائی گئی ہے ہر اتقی متقی ہے۔

مگر ہر متقی اتقی نہیں متقی کلی ہے جو ہر فرد متقی پر اطلاق ہوتی ہے اور تمام متقی لوگ اس کے افراد خارجیہ اور نفس الامریہ ہیں، افراد متحققہ فی الخارج یا نفس الامریہ پر متقی کا اطلاق کلی متواطی کے طور پر ہے جبکہ اتقی بصیغہ اسم تفصیل، مخصوص معنویت اور مخصوص اطلاق کی وجہ سے جزئی حقیقی ہے جو شرکت غیر کیلئے عقلاً اور خارجاً مانع ہے اس ضابطہ کی روشنی میں جناب صدیق اکبر اتقی ہیں، اور جزئی حقیقی ہیں آپ کی موجودگی میں دوسرا کوئی فرد اس وصف خاص میں آپ کا مشارک ہے نہ مماثل، رسول اللہ ﷺ کے بعد پوری امت میں آپ ہی اتقی ہیں، مندرجہ بالا اصول و قواعد کی روشنی میں متقی پر اتقی کا اطلاق نہیں ہو سکتا،

اندریں حالات اتقی پر متقی کا اطلاق اور متقی کو اتقی کے معنی میں تبدیل کرنا غلط اور خلاف قواعد ہے یعنی امام متقین کو امام الاتقیاء پر حمل کرنا اور اس سے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی اور اجماع کے انکار پر استدلال کرنا اور بھی غلط ہے۔

سید صاحب نے مزید لکھا یہاں سب اقیاء سے اتقی ہونا کسی حدیث یا آیت سے استنباط نہیں کیا گیا بلکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر صراحت فرمائی کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب اقیاء کا سردار ہو کر اکرام الامت ہیں۔ (زبدۃ: ص: ۲۶۴)

جواباً تحریر کیا جاتا ہے کہ حضرت علی اتقی اور اکرام الامت ہیں مگر اپنے زمانے میں،،

اہل سنت و جماعت کے نزدیک ترتیب افضلیت ترتیب خلافت پر ہے،، امام عبدالشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اجماع امت سے دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام جمع ہوئے اور سب نے بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کیا اور کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت صدیق اکبر کے خلیفہ بنانے سے ہوئی اس پر بھی کسی نے انکار نہیں کیا، پھر خلافت حضرت عثمان غنی، اور خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہما اجماع امت سے ہوئی،، (تمہید ابوشکور سالمی: ص: ۳۵۱، ۳۵۲، فرید بکناں لاہور) شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: چاروں صحابہ کرام کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے دیکھی جاسکتی ہے اور اس فضیلت سے ثواب کی زیادتی بھی پائی جاتی ہے،، (تکمیل الایمان: ص: ۱۵۳، مکتبہ نبویہ لاہور)

امام ابوالحسن الأشعری رحمہ اللہ کے حوالے سے محدث ابن حجر کی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿ان تفضیل

ابی بکر ثم عمر علی بقیۃ الامۃ قطعی﴾ (الصواعق المحرقہ: ۵۷)

ترجمہ: بے شک ابوبکر، پھر عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا:

﴿اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابو بكر، ثم عمر، ثم

عثمان، ثم علی، الخ﴾ (رضی اللہ عنہم)

ترجمہ: اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل البشر ابوبکر صدیق ہیں

اور ان کے بعد حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور کمال الدین محقق ابن الہمام رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿فضل الصحابة الاربعة على حسب ترتيبهم في الخلافة﴾ (المسائرة: ۲۵۷)

ترجمہ: خلفائے اربعہ کی افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے عقیدہ الطحاویہ کے حوالے سے نقل فرمایا کہ:

﴿ان ترتيب الخلفاء الراشدين في الفضيلة كترتيبهم في الخلافة﴾ (شرح فقہ اکبر: ۸۲)

ترجمہ: خلفائے راشدین کی ترتیب افضلیت، ترتیب خلافت کی طرح ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:

﴿والصحيح ما عليه جمهور اهل السنة وهو الظاهر من قول ابى حنيفة على ما رتبة

هنا وفق مراتب الخلافة﴾ (شرح فقہ اکبر: ۷۵، مطبع سعیدی کراچی)

ترجمہ: صحیح مذہب وہی ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے، اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول سے

ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین کی افضلیت ترتیب خلافت پر ہے۔

مندرجہ بالا تمام حوالہ جات سے روز روشن کی طرح ثابت اور واضح ہوا کہ افضلیت کا معیار ترتیب

خلافت ہے اور ترتیب خلافت پر اجماع صحابہ اور اجماع اہل سنت ہے، اجماع صحابہ اور اجماع اہل

سنت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی افضل البشر ہیں، رہا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سب امتیاز ہونا اور اکرم الامت ہونا تو محقق ابن الہمام رحمہ

اللہ نے فرمایا:

﴿ولما اجمعوا على تقديم على بعد هم دل على انه كان افضل من بحضرتہ وکان

منهم الزبير وطلحة فثبت انه كان افضل الخلق بعد الثلاثة هذا﴾ (المسائرة: ۲۵۹)

ترجمہ: اور جب اس بات پر اجماع ہو گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ خلفائے ثلاثہ کے بعد افضل ہیں تو اس

سے اس بات پر بھی دلالت پائی گئی کہ آپ اپنے زمانے کے سب لوگوں سے افضل تھے، جن میں

حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، پس ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ

افضل ہیں مگر خلفائے ثلاثہ کے بعد آپ اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے علی الاطلاق افضل ہیں، سید صاحب کا آپ کو تمام اتقیاء کا سردار کہنا اور اکرم الامت کہنا اجماع صحابہ، اجماع اہل سنت کے خلاف ہے، ہرگز قابل پذیرائی نہیں،، کیونکہ خلفائے ثلاثہ کی افضلیت اولہ سمعیہ سے ثابت ہے۔

کمال الدین محمد بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿وثبت افضلیۃ الثلاثة علیہ بادلۃ السمع﴾ (المسامرہ: ۲۵۹)

ترجمہ: یہ بات ثابت ہوگئی کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کے بعد تمام اہل زمان سے افضل ہیں، خلفائے ثلاثہ سے افضل نہیں کیونکہ خلفائے ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان، رضی اللہ عنہم) کی افضلیت اولہ سمعیہ سے ثابت ہے۔

سید صاحب کا من مانی تاویلات کر کے جناب علی المرتضیٰ کو اکرم الامت قرار دینا اولہ سمعیہ کے انکار کے مترادف ہے۔

## علیؑ خیر البریۃ ہیں؟ جو نہ مانے وہ کافر ہے، تحقیق کی کسوٹی پر

سید صاحب نے بحوالہ درمنثور یہ روایت نقل کی ہے: ﴿عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال علی الخیر البریۃ﴾

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (جو افاضل صحابہ میں سے ہیں) نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ علی سب مخلوق سے (باستثنائے انبیاء افضل ہیں تبصرہ میں لکھا کہ یہ حدیث مرفوع ہے یہ کسی صحابی مکرم کی ذاتی رائے نہیں۔ (زبدۃ: ۲۶۴)

جواباً کہا جائے گا کہ اس کے مقابل اس حدیث کا کیا جواب ہوگا جس کے راوی امام جعفر صادق، امام باقر، امام علی زین العابدین، امام حسین، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں،،

اور نعرہ حیدری کے، ص: ۱۶، کے مطابق وہ حدیث تمام حدیثوں کی سردار بتائی گئی ہے اور نعرہ حیدری ۱۵، کے مطابق وہ کتاب مستند اور معتمد بہ ہے جس میں وہ حدیث مذکور اور منقول ہے،، ملاحظہ ہو وہ

حدیث: ﴿ما طلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من

ابی بکر ﴿(الریاض النضرۃ : ۱ : ص : ۱۳۶)﴾

ترجمہ: انبیاء اور مرسلین کے بعد سورج کی آنکھ نے نہ چڑھتے دیکھا اور نہ ڈوبتے کسی ایک شخص کو جو ابوبکر صدیق سے افضل ہو،

معلوم ہوا کہ کائنات ارضی اور سلسلہ آدمیت میں اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق سے افضل کس کو پیدا ہی نہیں کیا، بقول سید صاحب یہ حدیث سب حدیثوں کی سردار ہے کیونکہ اس کے راوی حضرت امام زین العابدین ہیں جو اپنے والد گرامی کے واسطے سے جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث مرفوع ہے، تمام احادیث کی سردار ہے کتاب بھی مستند ہے تو دونوں احادیث متعارض ہوئیں، مگر بعد والی حدیث ارجح ہوگی کیونکہ یہ سب حدیثوں کی سردار ہے اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث مروج ہوگی، پھر بھی نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخ انسانی میں از اول تا آخر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خیر البریۃ ثابت ہوئے ہیں۔

سید صاحب نے اختلافی موقف دربارہ اجماع برافضیت جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو کہ ایک حدیث مرفوع ہے،

(۱) ﴿عن ابی حذیفۃ بن یمان قال سمعت النبی ﷺ یقول علی خیر البشر من ابی فقد کفر﴾

حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سب انسانوں سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔

(۲) ﴿علی خیر البشر، من ابی فقد کفر﴾

ترجمہ: علی رضی اللہ عنہ خیر البشر ہیں جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے۔

(۳) ﴿عن جابر علی خیر البشر لا یشک فیہ الا منافق﴾

علی رضی اللہ عنہ خیر البشر ہیں اس میں منافق کے سوا کوئی شک نہیں کرتا۔

(۴) ﴿عن جابر قال سئل عن علي فقال ذالك خير البرية لا يبغضه الا كافر﴾  
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ سے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں  
پوچھا گیا آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا وہ باتثنائے انبیاء علیہم السلام سب مخلوق سے افضل ہیں  
، اس حقیقت کو کافر کے سوا کوئی ناپسند نہیں کرتا، (زبدۃ: ۲۶۵)

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ضروریات دین میں سے  
ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد ضروریات دین میں سے ہیں  
اسی طرح جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت بھی ضروریات دین میں سے ہو کر فرض ہے اسی  
لئے اس کا منکر کافر ہے، اگر ان روایات کو درست اور صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس حدیث کا کیا جواب  
ہوگا، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمد ا  
عبده ورسوله واقام الصلوه وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان متفق علیہ﴾  
ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے کلمہ شہادت "اشہد ان لا اله الا الله و اشہد ان محمد  
عبده ورسوله"

(۲) نماز کا قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) حج کرنا (۵) اور رمضان کے روزے رکھنا

ضروریات دین میں تو افضلیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کوئی عنوان ہے نہ باب، پھر اس کا  
منکر کافر کیسے ہو گیا؟

خوارج علی الاعلان حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کافر کہا کرتے تھے سید صاحب نے خود خوارج کے  
عقائد (۱) میں لکھا ہے کہ جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کافر کہنے پر ان کا اتفاق تھا۔ (زبدۃ: ۳۳)  
لیکن فقہاء نے ان کو کافر نہیں کہا اہل اہل اہوا کہا ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے،  
خود سید صاحب نے تحریر کیا ہے کہ جن اہل اہوا کے پیچھے نماز پڑھنے کو شاہ عبدالعزیز نے جائز  
قرار دیا ہے وہ اہل اہوا اہل قبلہ ہیں جن کے عقائد اہل سنت والے نہیں ہیں، اور وہ جبریہ، قدریہ  
، روافض، خوارج، معتزلہ، اور مشبہ ہیں۔ (زبدۃ: ۱۳۳)

خوارج تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق کافر کہتے ہیں وہ مسلمان (اہل قبلہ) ہیں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے، تو جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیر البشر خیر البریہ نہ مانے وہ کافر کیسے ہو گیا، خیر البشر، خیر البریہ نہ ماننا کافر کہنے سے زیادہ وزنی اور زیادہ براتو نہیں، کافر کہنے میں تمام اوصاف، تمام فضائل، تمام خصائص جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔ ان کا انکار اور ان کی نفی ہے جبکہ خیر البشر، خیر البریہ نہ ماننے میں صرف ایک فضیلت کی نفی ہے، اور پھر یہ افضلیت ہے بھی ظنی، یہ افضلیت قطعی اس وقت ہوگی جس وقت آپ رضی اللہ عنہ کو خلفائے ثلاثہ کے بعد اپنے زمانے کا خیر البشر مانا جائے اور اگر خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کو پھلانگ کر علی الاطلاق خیر البشر اور خیر البریہ کہا جائے اور جو نہ کہے اس پر کفر کا حکم نافذ کر دیا جائے تو یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ یہ عقیدہ ہی اسلاف کے عقیدے کے خلاف ہے اور یہ بدعت ہے، اور بدعت کا منکر کافر کیسے ہو گیا؟ یہ قول کلیتاً اجماع صحابہ، اجماع اہل سنت کے خلاف ہے لہذا ان کو صحت کا ہرگز مقام نہیں دیا جاسکتا ان کو احادیث مرفوعہ کہنا فرامین قرآن اور ارشادات نبویہ سے نابلد ہونے کی دلیل ہے اور یہ ثابت کرنا محال ہے کہ ظنی یا غیر ضروری امور کے انکار پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسی امتی کو کافر کہا ہو، اہل قبلہ جن کی فہرست زبدۃ بص: ۱۳۳، پر نقل ہو چکی ہے، ان کی تکفیر کا مسئلہ فقہاء اور متکلمین کا ہے جو بہت بعد کی پیداوار ہے، سید صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ بعض اہل علم نے ان پر کلام کیا ہے (ص: ۲۶۵) جس سے ان کا موضوع اور منکر ہونا واضح ہو جاتا ہے ابن عساکر نے مفہوم مخالف کے طور پر نقل کیا ہے لہذا یہ اقوال دلیل ہیں نہ حجت پھر یہ مسلمہ اصول ہے نقل کفر کفر نہ باشد تو ان روایات کے ناقلین پر ایرا، غیر احکم کیسے چسپاں کیا جاسکتا ہے؟

☆ فتنکرو وتدبر ☆

☆ افضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں ☆

سید صاحب نے اسد الغابہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

عن ابن بربدہ عن ابیہ قال! اُخدیجہ اول من اسلم مع رسول اللہ ﷺ ثم علی

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

، وقال ابو ذر والمقداد، خباب وجابر ابو سعيد الخدرى وغيرهم ان علياً اول من اسلم بعد خديجة وفضلته هوء لآء على غيره ﴿﴾

ترجمہ: ابن بريدہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا خديجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں پھر علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور ابو ذر اور مقداد اور خباب اور جابر اور ابو سعيد خدری (رضی اللہ عنہم) نے کہا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے جنابہ خديجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اور ان لوگوں نے انہیں (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو دوسرے صحابہ کرام اور افراد امت سے افضل سمجھا۔

تبصرہ میں لکھا کہ اس روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ اس روایت میں علامہ ابن عبد البر تہما اور متفرد ہیں غلط ہے اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے لہذا اس میں تفرد ابن عبد البر کی تاویل رکیک ہے جو اباً تحریر ہے کہ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ، عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خديجہ الکبریٰ ایمان لائیں، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آزاد بالغ اور خود مختار مردوں میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے، افضلیت کا تعلق کثرت ثواب سے ہے اور کثرت ثواب فضل جزائی ہے، اور فضل جزائی کا تعلق حسن اسلام سے ہے حسن اسلام، کثرت ثواب کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک سے ہے کیونکہ فضل کرنا، افضلیت عطا فرمانا اسی کی مرضی اور اسی کے دست کرم میں ہے، کمال الدین محقق ابن الہمام نے فرمایا:

﴿اذ حقیقة الفضل ما هو فضل عند الله تعالى و ذالك لا یطلع علیہ الا رسول الله ﷺ﴾ (المسائره: ص: ۲۵۷)

ترجمہ: در حقیقت فضیلت اس فضل کا نام ہے جو اللہ کے ہاں مقدر ہے، رسول اللہ ﷺ کے بغیر اللہ کسی کو اس پر مطلع نہیں فرماتا۔

ابن عبد البر اندلسی نے نقل کیا: ﴿واما التعین فیہم و تفضیل بعضهم علی بعض، فہذا الا یصح فی نظر ولا اعتبار ولا یحیط بذالك الا الواحد القهار المطلاع علی النیات

المحافظ للاعمال ﴿﴾

ترجمہ: مگر ان میں تعین کرنا، اور بعض پر فضیلت دینا یہ نظر اور اعتبار میں صحیح نہیں، اس کو سوائے واحد، اور تہار کے اور کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا، وہی جو نیتوں سے آگاہ ہے اعمال کا محافظ ہے،

(زبدۃ: ۱۸۰، ۱۸۱)

ہر دو تحریرات سے ثابت ہوا کہ فضیلت، و افضلیت کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہے وہی جانتا ہے کیوں کہ فضیلت اور افضلیت نیک نیتی اور اعمال صالحہ کا اثر مرتب ہے بندے کی نیت اور عمل صالح کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جب یہ بات ثابت اور متحقق ہوگئی کہ فضیلت و افضلیت کا علم اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانتے ہیں، اللہ ذاتی طور پر جانتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جانتے ہیں تو ابو ذر، مقداد، خباب، جابر، اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم کو کیسے علم ہو گیا کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لانے کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق اور بقیہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ایمان لائے اور اس کی وجہ سے افضل ہیں تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کے پوچھنے پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار کا حوالہ کیوں دیا؟ یہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کی شہادت ہے جو سب سے سچی اور سب پر حاوی ہے، حضرت حسان بن ثابت نے فرمایا:

﴿والثانی التالی الم محمود مشہدہ..... واول الناس منهم صدق الرسل﴾

ترجمہ: دوسرا ہے گنتی میں جس کی شہادت پسندیدہ یا جس کی حاضری نماز میں پسندیدہ ہے اور سب لوگوں سے پہلے رسول یا سارے رسولوں کی تصدیق کی۔ (زبدۃ: ۵۲)

سید صاحب نے ان اشعار کو حدیث تقریری کہا ہے (زبدۃ: ۵۲)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان کو بلوا کر یہ اشعار خود سماعت فرمائے، اس طرح ان اشعار کی اضافت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس سے ہونے کی بنا پر یہ اشعار حکماً حدیث مرفوع ہوئے حدیث تقریری اور حدیث مرفوع سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اول المسلمین ہونا ثابت

ہوا، حضرت جابر حضرت مقداد حضرت خباب حضرت ابوسعید الخدری وغیرہ (رضی اللہ عنہم) کا قول دربارہٴ افضلیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حدیث موقوف کے زمرہ میں آتا ہے اور دوسری طرف حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار حدیث تقریری اور حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں، جن کو بہر صورت حضرت جابر، حضرت مقداد، حضرت خباب، حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم کے قول پر ترجیح حاصل ہے، پھر حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر تمام صحابہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت نہ ہو سکی۔

حدیث موقوف مفید ظن ہے جبکہ حدیث تقریری اور حدیث مرفوع مفید قطع و یقین ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً﴾ حضرت جابر، حضرت مقداد، حضرت خباب، حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم کا کلیہ یہ تھا،

حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے جو پہلے اسلام لایا وہ سب سے افضل ہے لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، جبکہ حدیث تقریری اور حدیث مرفوع سے یہ ثابت ہو چکا کہ اول المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور وہی افضل ہیں۔

(۳) محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿فان قلت یسافی ما قدمته من الاجماع علی افضلیة ابی بکر، قول ابن عبد البر ان السلف اختلفوا فی تفضیل ابی بکر و علی رضی اللہ عنہما و قوله ایضاً قبل ذالک، روى عن سلمان و ابی و المداد، و خباب و جابر و ابی سعید الخدری و زید بن ارقم، ان علیا اول من اسلم و فضله هو و لاء علی غیرہ﴾

اگر تم یہ سوال کرو کہ آپ نے (محدث ابن حجر مکی) نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع کا ہونا نقل فرمایا ہے جبکہ ابن عبد البر نے تحریر کیا ہے کہ اسلاف نے ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے اور اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ سلمان، ابوذر، مقداد، خباب، جابر، ابی سعید خدری، زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں کیونکہ وہ سب

سے پہلے ایمان لائے تھے، محدث رحمہ اللہ نے یہ عبارت سوال کے طور پر نقل فرمائی ہے۔

قلت سے اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قلت اما ما حكاہ اولاً من ان السلف اختلفوا في تفضيلهما فهو شيء غريب، انفر عن غيره ممن هو اجل منه حفظاً واطلاعا فلا يعول عليه فكيف والحاكي لاجماع الصحابة والتابعين على تفضيل ابي بكر و عمر وتقديمها على سائر الصحابة جماعة من اكابر الائمة منهم الشافعي رضی اللہ عنہ كما حكاہ عنہ البهيقى وغيره﴾

ترجمہ: ابن عبد البر کا یہ کہنا کہ اسلاف نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے ایک عجیب بات ہے (انہونی بات ہے) ابن عبد البر کی یہ ذاتی رائے ہے، قابل اعتبار نہیں، کیونکہ حفظ و علم میں اس سے بھی بڑے بڑے لوگ ہو گزرے ہیں کسی نے بھی یہ رائے نہیں دی، ابن عبد البر کی یہ رائے کیسے درست ہو سکتی ہے جبکہ اس کے مقابل حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر آئمہ نے افضلیت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نقل فرمایا ہے اور تمام صحابہ پر شیخین کو افضلیت دی گئی ہے۔ پھر فرمایا: ﴿فيجاب عنہ بان الائمة انما عرضوا عن هذه المقالة لشذوذها ذهابا الى ان شذوذ المخالف لا يقدر فيه اوراء وانها حادثه بعد انعقاد الاجماع فكانت في حيز الطرح والرد﴾ (الصواعق المحرقة: ۵۸)

ترجمہ: دوسرا جواب یہ ہے کہ آئمہ عظام نے اس قول کے شاذ ہونے کی وجہ سے اعراض کیا اور فرمایا یہ اس کی ذاتی اور انفرادی سوچ کی پیداوار ہے اجماع صحابہ و تابعین کے بعد کی ایجاد ہے جو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے،،

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے بڑے بڑے آئمہ مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے امام بیہقی نے بھی اس اجماع کی تائید اور توثیق کی ہے ابن عبد البر کا یہ کہنا کہ مذکورہ بالا صحابہ کرام کی روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ پہلے اسلام لائے لہذا وہ سب سے افضل ہیں مردود اور غیر معتبر ہے۔

شیخ محقق الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں الغرض علمائے اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ تمام صحابہ پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضلیت حاصل ہے، آگے فرمایا: ابن عبد البر کلام مقبول اور معتبر نہیں، کیونکہ یہ شاذ روایت ہے جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جمہور آئمہ نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے، (تکمیل الایمان، ۱۶۳، مکتبہ نبویہ لاہور)

شیخ محقق رحمہ اللہ کے فرمان سے بھی واضح ہوا کہ ابن عبد البر کا قول غیر مقبول اور غیر معتبر ہے کیونکہ شیخین کی افضلیت اجماع صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے، ابن عبد البر کا قول اس کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتا، سید صاحب کا ابن عبد البر کے شاذ، غیر بالقبول اور غیر معتبر قول کو تلقی بالقبول کا سہارا دیکر حجت قرار دینا خطائے فحش ہے، جب اس کا تصادم صحابہ اور تابعین کے اجماع کے ساتھ ہے، جمہور آئمہ عظام اور معتبران اہل سنت نے اس کو رد کر دیا ہے، تو تلقی بالقول کہاں سے آگیا، سید صاحب نے لکھا کہ اب اجماع غصی و سکوتی کی تفصیلات ختم ہو رہی ہیں۔ پھر امام ابوبکر احمد بن علی انحصار رازی کی کتاب الفصول فی الاصول، جلد ۲، ص: ۱۳۶، سے یہ اقتباس نقل کیا کہ:

﴿اذا اختلف الجماعتان اللتان وصفهما ما ذكرنا في حكم الحادثة انكر بعضهم

على بعض ما قالوا ولم ينكره لم ينعقد باحدى الجماعتين اجماع اذا لم يكن يثبت ضلال الفريقين عندنا وهذا لا خلاف فيه﴾

ترجمہ: جس وقت ایسی جماعتوں کا باہم اختلاف ہو جائے جن کے اوصاف ہم نے کسی حادثہ کا حکم بیان کرنے میں ذکر کئے ہیں، (اہل ضلالت کے موافق ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ حق صحت اجماع میں شرط ہے اور وہ اجماع جو اللہ تعالیٰ کی حجت ہے وہ تو صرف اہل حق کا اجماع ہے جن کا فسق اور گمراہی ثابت نہ ہو)

ایک دوسرے کے قول کی تردید کریں یا نہ کریں تو ایک جماعت کے قول پر اجماع منعقد نہیں ہوگا جس وقت تک دونوں جماعتوں میں سے ایک کا گمراہ ہونا ثابت نہ ہو اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں،

(زبدۃ: ۲۶۷)

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اجماع کی بحث کے آخر میں مندرجہ بالا اقتباس لانے کا مقصد معلوم نہیں کہ سید صاحب یہ عبارت کیوں لائے ہیں؟ جبکہ صریحاً یہ عبارت ان کے موقف کے خلاف اور جمہور آئمہ امت اور تمام اہل سنت کے عقیدہ کی ترجمان اور موید ہے،، عبارت مذکورہ بالا میں دو جماعتوں کا ذکر ہے جو کسی امر حادث کے حکم میں متفق نہ ہوں ایک دوسرے کے قول کی تردید کرتی ہوں تو اجماع منعقد نہیں ہوگا،، کیونکہ اجماع اتفاق رائے کا نام ہے جو یہاں پایا گیا، ہاں ایک جماعت کا قول اور اتفاق اجماع اس صورت کہلائے گا جب دوسری جماعت کا اہل ضلالت ہونا ثابت ہو جائے،،

تبصرہ میں تحریر کیا ہے کہ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول یا حدیث تقریری ملتی ہیں جو اخبار واحدہ ہیں یا ظنی الدلالة یا متعارض ہیں۔ (زبدۃ: ۲۶۷) یہ تبصرہ اور تجزیہ بالکل غلط اور حقیقت کے برعکس ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر جو تقریری مواد زبدۃ کی ضخامت بڑھانے میں کام آیا وہ شاذ، ضعیف اور

اخبار آحاد ہیں ہم نے بفضل اللہ العظیم تحقیق کے ترازو میں تول کر ان کو بے وزن کیا ہے سید صاحب کا یہ کہنا کہ افضلیت ابو بکر صدیق پر حضرت عبد اللہ بن عمر کا یکا قول یا حدیث تقریری اور چند دوسری حدیثیں ملتی ہیں جو اخبار واحدہ یا ظنی الدلالة یا متعارض ہیں بالکل غلط ہے افضلیت ابو بکر صدیق پر آیات قرآنیہ، احادیث مرفوعہ، احادیث صحیحہ حسنہ اور اجماع صحابہ، اور اجماع اہل سنت (جمہور) موجود ہے جس کو مقام کے تقاضے کے مطابق ہم بحوالہ نقل کرتے آئے ہیں۔

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے ایک سو چودہ احادیث اور گیارہ آیات قرآنیہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں نقل فرمائی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو قول کہا جبکہ یہ حدیث مرفوع لفظاً اور معناً متواتر ہے۔

اس کی پوری تفصیل پہلی جلد میں آچکی ہے بار بار بحوالہ اور بدلیل نقل ہو چکا ہے کہ افضلیت ابو بکر پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے، جب اجماع ہے تو افضلیت ظنی ہوئی یا قطعی؟ ظنی کہنا اجماع کے انکار کو سترزم ہے سید صاحب نے حضرت ابو بکر صدیق سے افضلیت کو سلب کرنے کیلئے متعلقہ اور غیر متعلقہ

کسی قول اور کسی روایت کو نہیں چھوڑا یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کا قائل کس مذہب کا پیروکار ہے، مگر بفضل اللہ العظیم تحقیق کے دائرے میں رہ کر اس کا جواب دیا گیا ہے۔

سید صاحب نے پھر لکھا کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر، ۲۰، حوالہ جات از قسم احادیث مرفوعہ و اقوال صحابہ گزشتہ صفحات میں پیش کئے جا چکے ہیں اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع کے منعقد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کیونکہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویٰ ارتھوڑے ہیں، اور جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویٰ از زیادہ ہیں اور دلائل بھی کثیر از قسم احادیث مرفوعہ ہیں۔

سید صاحب کے عجیب تبصرہ کا رد بلوغ

سبحان اللہ کیا عجیب موازنہ، اور مفاضلہ بیان ہوا ہے سید صاحب کو معلوم نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت سرکار گولڑوی رحمہما اللہ نے سورہ حدید کی آیت نمبر ۱۰، سے شیخین کی افضلیت کو ثابت فرمایا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَقَ بِهِ أَوْلٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ثابت فرمایا دیگر آیات بیات سے محدث ابن حجر کبھی، مفسرین اور آئمہ نے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر استدلال فرمایا احادیث صحیحہ مرفوعہ بباغ و دہل افضلیت ابو بکر پر اعلان فرمانے والی کا معتد بہ ذخیرہ نقل ہو چکا ہے صرف ملاحظہ اور مطالعہ کی ضرورت ہے، افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ اور تابعین کا اجماع موجود ہے اہل سنت کا اجماع ہے ان منقولہ حقائق سے صرف نظر کرنا اور درخور اعتناء نہ سمجھنا کوئی آسان بات ہے؟

قاری اور ناظر خود فیصلہ کر لے گا کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پیش آمدہ مواد قطعی اور حتمی ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر پیش کیا جانے والا ثبوت مفید ظن اور مرجوح ہے۔

ہمیں اس بات سے تعجب ہوا کہ سید صاحب سقیفہ بنی ساعدہ کے اجماع کو اٹھا کر مسئلہ افضلیت میں لے آئے ہیں، جبکہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان مفاضلے کا فیصلہ طریفین

کے نظریات اور دلائل پر موقوف نہیں اس مفاضلہ کا فیصلہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں سیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبوی میں مجمع صحابہ میں ہو چکا جبکہ آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور بیعت کی گئی اس کا فیصلہ سیبوت ہو گیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ﴿لَا لَآلِآءَ يَآبَى اللّٰهِ وَ الْمَسْلُومِ الْاَبَا بَكْرٍ﴾ اور پھر جس وقت ﴿مَرُوا الْاَبَا بَكْرٍ فَلْيَصِلْ بِالنَّاسِ﴾ فرمایا تھا۔ سید صاحب اجماع کے نہ ہونے کا فیصلہ آج اور روایات شاذہ، غیر معتبرہ، غیر مقبولہ کی روشنی میں کر رہے ہیں۔ رازی رحمہ اللہ کے منقولہ اقتباس کی روشنی میں یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ افضلیت کے قائلین اہل ضلالت ہیں، اس لئے اجماع نہیں ہوا، کیوں کہ یہاں دو جماعتیں ہیں۔

ایک افضلیت ابو بکر صدیق کی دعویٰ ہے یہ صحابہ، تابعین اور جمہور علمائے امت اور اہل سنت و جماعت ہیں، اور دوسری جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی دعویٰ ہے پہلی جماعت افضلیت ابو بکر صدیق پر متفق ہے اور یہی اجماع ہے دوسری جماعت افضلیت ابو بکر کی منکر ہے یعنی اجماع کی منکر ہے ایسی صورت میں لازم ہے کہ وہ پہلی جماعت صحابہ، تابعین اور جمہور اہل سنت کا اہل ضلالت ہونا ثابت کرے۔ یہ ثابت کرنا محال شرعی ہے، جب یہ ثبوت محال شرعی ہے تو اس کے مقابل افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے وہ لامحالہ ثابت ہوگی کیونکہ دونوں کا ارتقاع محال عادی اور محال عقلی ہے، اس کلیہ کی روشنی میں بھی افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ثابت ہے اور اجماع صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے۔

بصورت دیگر: بقول سید صاحب افضلیت علی رضی اللہ عنہ کے دعویٰ راکشیر ہیں ان کے دلائل قطعی ہیں اور ان کے مقابل منکرین تھوڑے اور ان کے دلائل کمزور، اخبار واحادہ ہیں پھر بھی ان کو اہل ضلالت ثابت کرنا ضروری ہوگا، تاکہ ان کے دلائل بے وزن اور بے اثر ہو سکیں یہ منکرین کون لوگ ہیں، صحابہ، تابعین اور جمہور علمائے امت اور اہل سنت ہیں ان کو اہل ضلالت ثابت کرنا محال شرعی ہے یہ محال کس سے لازم آیا کہ حضرت علی افضل البشر بعد از انبیاء والمرسلین ہیں، قانون یہ ہے کہ جس سے امر محال لازم آتا ہو وہ خود محال ہوتا ہے لہذا پھر بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت علی المرتضیٰ افضل البشر ہیں محال شرعی

☆ وهو المقصود ☆

ہے۔

امام جصاص رازی رحمہ اللہ کے اقتباس کا جواب اور ایک منطقی دلیل

سید صاحب نے لکھا کہ چونکہ صحابہ کرام میں افضلیت کے بارے میں اجماع نہیں ہو سکا لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال خلافیہ میں سے کسی ایک پر عمل کیا جاسکتا ہے مگر ان اقوال خلافیہ میں سے خارج ہونا جائز نہیں۔ (زبدۃ: ۲۶۸)

شاید سید صاحب کا اشارہ ان بیس صحابہ کی طرف ہے جن کا حوالہ ابن عبد البر نے دیا ہے اس کے قول کے شاذ، غیر معتبر اور غیر مقبول کی گواہی الصواعق المحرقة اور تکمیل الایمان سے ہم پیش کر چکے ہیں ہاں ان کے علاوہ اگر اور کوئی ثبوت ہو تو پیش کیا جائے۔

سید صاحب نے ابو منصور بغدادی کا قول، شرح فقہ اکبر کے حوالے سے نقل کیا کہ:

﴿اجمع اهل السنة والجماعة على ان افضل الصحابة ابوبكر، فعمر، فعثمان فعلى الخ﴾ ترجمہ: اہل سنت وجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ بے شک تمام صحابہ سے افضل حضرت ابوبکر پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿ولعله اراد بالاجماع اجماع اكثر اهل السنة لان الاختلاف واقع بين عثمان وعلى عند بعض اهل السنة﴾

ترجمہ: ابو منصور بغدادی کی مراد شاید اکثر اہل سنت ہوں کیونکہ بعض اہل سنت نے عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: حضرت ملا علی قاری ہر وہی رحمہ اللہ نے شوافع کے دعویٰ اجماع کی نفی فرمادی کیونکہ اجماع یا نصی ہو سکتا ہے یا سکوئی؟ (زبدۃ: ۲۶۹)

جواباً کہا جائے گا کہ سید صاحب کو فہم عبارت میں سہو ہوا ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اجماع کی تردید نہیں فرمائی۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تمام اہل سنت کا اس پر اجماع نہیں بلکہ اکثر اہل سنت کا اجماع ہے اس

پر قرینہ لفظی موجود ہے ﴿ولعله اراد بالاجماع اجماع اكثر اهل السنة﴾

بالاجماع کے بعد بطور وضاحت اجماع اہل السنۃ تحریر کرنا اس بات کی لفظی دلیل ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اجماع کی تردید نہیں فرمائی بلکہ تمام اہل سنت کے اجماع کی تردید فرمائی ہے، اگر شوافع اجماع پر ایمان رکھنے والے نہ ہوتے تو امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ یہ کیوں نقل فرماتے:

﴿اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابو بكر، ثم عمر، ثم عثمان ثم علي، الخ﴾ (تاریخ الخلفاء، ۳۴)

ترجمہ: اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

ملا علی قاری نے فرمایا: ﴿ولا يخفى ان تقديم عليّ عليّ الشيخين مخالف لمذهب اهل السنة والجماعة علي ماعليه جميع اهل السلف﴾

ترجمہ: یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوشیخین پر تفضیل دینا اہل سنت و جماعت کے مذہب کے خلاف ہے اور تمام اسلاف کے مذہب کے بھی خلاف ہے۔

پھر فرمایا ان ﴿ان تفضيل ابى بكر قطعى، الخ﴾

حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت قطعی ہے (شرح فقہ اکبر: ۷۶)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب بیان فرمایا:

﴿والصحيح ماعليه جمهور اهل السنة وهو الظاهر من قول ابى حنيفة علي مراتبه

هنا وفق مراتب الخلافة وفي شرح العقائد علي هذا الترتيب وجدنا السلف﴾

(شرح فقہ اکبر: ۷۵) ترجمہ: صحیح مذہب وہی ہے جو جمہور علمائے امت اور تمام اہل سنت کا

مذہب ہے جو حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح ہے اور وہ ترتیب خلافت ہے شرح عقائد

میں ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کو اسی ترتیب خلافت پر ہی افضلیت کا معتقد پایا ہے۔ ملا علی قاری

رحمہ اللہ کا قول فیصل یہی ہے کہ جمہور اہل سنت اور اسلاف کا یہی مذہب ہے کہ افضلیت ترتیب

خلافت کے اعتبار سے ہے اور اس ترتیب خلافت کے مطابق شیخین تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھے وہ اسلاف، اور جمہور اہل سنت کا مخالف ہے۔ سید صاحب نے لکھا کہ آج تک افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے منکر کو کافر کسی نے قرار نہیں دیا اس کا جواب ہم شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی کی زبانی پہلے اجماع کی بحث میں نقل کر آئے ہیں۔ سید صاحب نے لکھا رہ جاتا ہے اجماع سکوتی وہ تو شوافع کے ہاں حجت ہی نہیں،

## اجماع سکوتی شوافع کے ہاں حجت ہے مگر مفید قطعیت نہیں

کہ سید صاحب شوافع سے ہیں یا احناف سے اگر شوافع سے ہوں تو بھی شیخین کی افضلیت پر اجماع صحابہ اور تمام اہل سنت کے اجماع کو تسلیم کرنا ہوگا، اگر احناف سے ہوں تو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ شیخین پوری امت سے افضل ہیں لیکن سید صاحب کو یہ علم ہونا چاہیے کہ امام شافعی اجماع سکوتی کے حکم قطعیت میں اختلاف کرتے ہیں جبکہ احناف اس کے حکم کی قطعیت کے قائل ہیں، فرق صرف اتنا ہے اس کی پوری تفصیل پہلے گزر چکی ہے، ملا احمد جیون رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿و یسمى هذا اجماعاً سکوتياً وهو مقبول عندنا﴾

اجماع سکوتی احناف کے ہاں مقبول یعنی حجت شرعیہ اور مفید قطعیت ہے سید صاحب مذہب احناف کے پیروکار ہیں، یا مذہب شوافع کے؟

مزید اگر افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نہ ہو اہوتا تو امام شافعی رحمہ اللہ اجماع کے ہونے کا دعویٰ اور اقرار کیوں کرتے؟ اگر امام شافعی رحمہ اللہ کا قول دربارہ اجماع صحیح اور پایہ ثبوت کو نہ پہنچتا تو امام بھتیجی جیسا محدث اور حافظ امام قسطلانی جیسا محدث، حافظ اور شارح بخاری، محدث ابن حجر مکی جیسا فنون حدیث کا امام، برصغیر کا بے مثال محقق اور بے نظیر محدث شاہ عبدالحق دہلوی امام شافعی کے حوالے سے اپنی اپنی شہرہ آفاق تصانیف میں یہ کیوں نقل فرماتے کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہوا ہے۔

## شرح مقاصد کے اقتباس سے معارضہ اور اس کا جواب

سید صاحب نے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی اور انکار پر علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی تصنیف شرح مقاصد سے یہ اقتباس نقل کیا ہے ﴿قال امام الحرمین مسئله امام المفضول لیست بقطعیة ثم لا قاطع شاهد من العقل علی تفضیل بعد الائمة علی البعض والاخبار الواردة علی فضائلهم متعارضة لکن الغالب علی الظن ان ابابکر افضل ثم عمر ثم یعارض الظنون فی عثمان وعلی رضی اللہ عنهما﴾ (زبده: ۲۷۱) ترجمہ: امام الحرمین نے کہا مفضول کی امامت کا مسئلہ قطعی نہیں پھر کوئی عقلی شہادت نہیں جس کی بناء پر آئمہ کی ایک دوسرے پر افضلیت کا فیصلہ کیا جاسکے، آئمہ کرام کے فضائل بارے جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ باہم متعارض ہیں لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ابو بکر صدیق سب سے افضل ہیں پھر عمر افضل ہیں، پھر حضرت عثمان اور حضرت علی کے بارے میں گمان آپس میں ٹکراتے ہیں مندرجہ بالا اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ علامہ تفتازانی اور امام الحرمین کے عقیدہ کے مطابق شیخین سب سے افضل ہیں، ان کی افضلیت میں کسی اہل علم کو اختلاف نہیں اگر قدرے اختلاف ہے تو وہ صرف حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے لیکن علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کا پنا عقیدہ گزر چکا ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کا عقیدہ ترتیب خلافت پر ہی پایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے نزدیک ترتیب خلافت ہی ترتیب افضلیت ہے۔ علامہ مزید فرماتے ہیں:

﴿والظاهر انه لو لم یکن لهم دلیل علی ذالک لما حکموا بذا لک﴾ (شرح عقائد) ترتیب افضلیت کی بنیاد ترتیب خلافت پر جو رکھی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اسلاف (صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم) کے پاس اس ترتیب خلافت پر ضرور کوئی دلیل تھی اگر دلیل نہ ہوتی تو ترتیب افضلیت کو ترتیب خلافت پر استوار نہ کرتے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم ﷺ نے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے مجھ سے وعدہ لیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے بعد مسلمانوں

کے امیر ہوں گے پھر عمر فاروق اور ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ (فتیۃ: ۲۶۴، فرید بکسٹال اردو بازار لاہور)

اس سے ثابت ہوا کہ ترتیب خلافت نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے خود بیان فرمادی تھی یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے چاروں امام ترتیب افضلیت کو ترتیب خلافت پر رکھتے اور دیکھتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا اجماع بھی اسی پر ہے اگر کوئی اس کے خلاف چلے برعکس عقیدہ رکھے تو اس کی کیسے اور کیوں تصدیق کی جائے کہ اس کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے۔

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ امام بیہقی کے حوالے سے اور وہ الزعفرانی سے روایت کرتے ہیں کہ:

﴿قال سمعت الشافعي يقول اجمع الناس على خلافة ابي بكر وذاك انه

اضطرب الناس بعد رسول الله ﷺ، فلم يجد واتحت اديم السماء خيرا من ابي

بكر فولوه رقابهم﴾ (الصواعق المحرقة: ۱۳)

ترجمہ: امام زعفرانی نے فرمایا میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو خود یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

تمام صحابہ نے حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت پر اجماع کیا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ

کی وفات کے بعد تمام صحابہ پریشان ہو گئے تھے کہ خلیفہ کس کو بنایا جائے؟ تو سب صحابہ نے غور و فکر

کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ اس وقت آسمان نیلگوں کے نیچے ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے بہتر اور

افضل کوئی شخص نہیں تو انہوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں،، امام زعفرانی کا یہ قول ثابت کرتا ہے کہ پہلے

صحابہ کرام کا اجماع افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہوا، اور پھر آپ کی خلافت پر ہوا۔ افضلیت

پر اجماع کی دلیل ﴿فلم يجد واتحت اديم السماء خيرا من ابي بكر﴾

کا جملہ ہے، اور خلافت پر اجماع کا ہونا ﴿فولوه رقابهم﴾ سے واضح ہے۔

امام ربانی، قطب یزدانی، الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے موقف سے بھی اس کی تائید مزید

ہوتی ہے فرمایا:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کے باہمی اتفاق سے خلیفہ منتخب ہوئے، اور یہ

اس طرح کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو انصار کے خطباء نے کھڑے ہو کر کہا ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو، اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے جماعت انصار کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کا حکم فرمایا، انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں، آپ نے فرمایا پھر تم میں سے کون حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنا پسند کرتا ہے، انہوں نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم ان سے آگے ہوں، غوث صدیقی نے پھر فرمایا ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس مقام سے ہٹا دے جس پر انہیں نبی کریم ﷺ نے کھڑا کیا ہے اس پر تمام حضرات نے بیک زبان ہو کر کہا ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہیں۔ (غیثیہ: ۲۶۳)

مندرجہ اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ انصار کے خطباء نے اپنے استحقاق، اور اپنی افضلیت پر دلائل دیئے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقریر کا ہر جملہ اس کی شہادت دے رہا ہے لیکن ان کے دلائل افضلیت کے جواب میں حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان پیش کیا، جس میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایک ایسی افضلیت کا بیان ہے جس کے مقابل کوئی فضیلت نہیں، اور نہ ایسی فضیلت کسی اور صحابی میں پائی جاتی ہے انصار نے چونکہ وہ فضیلت اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھی تھی، اقتداء اور اتباع کے عمل سے اس کو بسر و چشم قبول کیا تھا؟ اس لئے گہرائی میں اترے بغیر بیک زبان ہو کر اس کو تسلیم کیا اور اس کے بعد اپنے مطالبہء امارت سے دستبردار ہوئے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، قطب ربانی رحمہ اللہ کے اس بیان سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ پہلے افضلیت ابوبکر صدیق پر اجماع ہوا اور پھر آپ کی خلافت پر، تمام انصار و مہاجرین نے بیک زبان ہو کر حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت کو تسلیم کیا اور بیعت کی۔ یہ نصی اجماع ہے اس کا انکار کسی صورت ممکن نہیں۔

اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے بالوضاحت فرمایا ہے: کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہوا ہے، امام بیہقی نے محدث الزعفرانی کی روایت سے جس حدیث کا اخراج کیا ہے اس کے بعد یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نہیں ہوا۔

سید صاحب نے امام ابوالحسن اشعری کی کتاب ”الابانۃ عن اصول الدیانۃ“ سے نقل کیا کہ:

﴿اذا وجبت امامۃ ابی ابکر رضی اللہ عنہ وجب عنہ افضل المسلمین﴾

ترجمہ: جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت متحقق ہوگی تو یہ امر بھی متحقق ہو گیا کہ آپ سب مسلمانوں سے افضل ہیں اس عبارت کی منطقی شکل یہ بنے گی کہ جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (اہل حق کے اتفاق سے) خلیفہ قرار پائے اور جو خلیفہ ہو جائے وہ ان سب سے افضل ہوتا ہے جن کے حق میں خلیفہ بن جائے، لہذا نتیجہ منطقیہ ہوا کہ جناب ابو بکر سب سے افضل ہوئے، آگے تحریر کیا کہ امام ابوالحسن اشعری متونی 330ھ کا یہ نتیجہ فاسدہ ہے کیونکہ اس میں صحت صوری تو ہے مگر صحت مادی نہیں کیونکہ کبریٰ خلاف واقعہ ہے افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ بنایا جاسکتا ہے یہ روافض کا عقیدہ ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا لہذا خلافت مفید افضلیت نہیں ہوگی۔ (زبدۃ: ۲۷۲)

جواباً کہا جائے گا کہ سید صاحب نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی پر جو الفاظ کا جال بنا ہے یہ تاریخکبوت سے بھی کمزور ہے۔

امامت صغریٰ میں افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا  
چہ جائیکہ امامت کبریٰ میں امام بنے..... ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

1: ﴿ففى الخلاصة رجلاں فى الفقه والصلاح سواء الا ان احدهما اقراء فقدم اهل المسجد الاخر فقد اساءوا﴾

ترجمہ: فتاویٰ خلاصہ میں ہے کہ دو شخص فقہ اور حسن نماز میں مساوی ہیں لیکن ان میں سے ایک قرآن زیادہ اچھا پڑھتا ہے، مگر اہالیان مسجد نے غیر قاری کو امام بنایا تو سب گنہگار ہوئے۔

2: ﴿وَكَذَٰلِكَ الْوَقْدُ الْقَضَاءُ رَجُلًا وَهُوَ مِنْ أَهْلِهِ وَغَيْرِهِ أَفْضَلُ مِنْهُ﴾

ترجمہ: اسی طرح اگر ایک شخص کو قاضی کے منصب پر بٹھایا گیا وہ قضاء کا اہل بھی ہے مگر ایک دوسرا شخص اس سے افضل ہے تو اس مفضل کو قاضی بنانے والے گنہگار ہوں گے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اگر امانت اور منصب قضاء کے انتخاب میں مفضل کا تقرر عمل قبیح ہے عمل سوء ہے تو خلافت کیلئے مفضل کا تقرر کیسے جائز اور موجب اجر ہوگا؟

ملا علی قاری رحمہ اللہ خلافت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿وَأَمَّا الْخَلِيفَةُ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يُولُوا الْخِلَافَةَ إِلَّا أَفْضَلُهُمْ﴾ منصب خلافت اسی کو سونپا جائے گا جو تمام مسلمانوں سے افضل ہو، پھر فرمایا:

﴿وَهَذَا فِي الْخُلَفَاءِ خَاصَّةً وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ﴾ کُلُّهَا فِي شَرْحِ فَهْمِ الْكَبِيرِ: (۷۵)

ترجمہ: خلفاء میں خاص کرا فضیلت شرط ہے اور اس پر اجماع امت ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ کی پہلی عبارت اما الخلیفۃ الخ سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جناب صدیق اکبر کو افضل سمجھ کر ان کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اگر افضل نہ ہوتے تو ہرگز خلیفہ منتخب نہ ہوتے،

دوسری عبارت و هذا فی الخلفاء الخ سے ثابت ہوا کہ باجماع امت خلیفہ کا اپنے اہل زمان سے افضل ہونا ضروری ہے امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے اجماع امت کی پیروی میں کہا ہے کہ ابو بکر صدیق جب خلیفہ ہوئے تو آپ کا سب سے افضل ہونا ضروری ہوا، شکل اول میں لانے سے صورت قضایا یوں ہوگی ابو بکر صدیق باجماع صحابہ خلیفہ ہیں اور جو باجماع صحابہ خلیفہ ہو وہ افضل ہے۔ نتیجہ ابو بکر صدیق افضل ہیں یہ فضیلت صغریٰ میں محمول اور کبریٰ میں موضوع کی وساطت سے حاصل ہوئی ہے۔

## صغریٰ اور کبریٰ کیا کہتے ہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ صغریٰ اور صغریٰ میں واقع محمول نفس الامری اور متحقق فی الخارج ہے یا نہیں؟ بلاشبہ یہ نفس الامری اور متحقق فی الخارج ہیں اور صحیح ہیں، کبریٰ میں موضوع بھی متحقق فی الخارج اور نفس الامری ہے لہذا اس کی عدم صحت کا گمان تک نہیں کیا جاسکتا، لہذا کبریٰ کو خلاف واقعہ کہنا علمی لغزش ہے

۔ وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کبریٰ خلاف واقعہ ہے تو شکل اول کا ذب ہوگی کیونکہ کبریٰ کا انکار صغریٰ کے انکار کو مستلزم ہوگا جب شکل اول کا ذب ہوئی تو اجماع صحابہ کا انکار لازم آئے گا کیونکہ ابو بکر صدیق کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہے۔

(۲) کبریٰ میں واقع موضوع کا انکار، اجماع صحابہ کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ یہ شکل اول ہے شکل اول کے اجزائے ترکیبہ میں سے صغریٰ میں واقع محمول، اور کبریٰ میں واقع موضوع کی وحدت جنسی کا ہونا ضروری ہے، کبریٰ میں واقع موضوع کا انکار ہو یا محمول کا اجماع صحابہ کے انکار کو مستلزم ہے کوئی مسلمان دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے کسی بھی اجماع کا انکار کر سکتا ہے نہ متحمل ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر خلیفہ کے مفہوم اور مدلول سے افضلیت کی شرط کو حذف کر دیا جائے تو لازم آئے گا جو امراء اپنے معاصرین اور اہل زماں سے افضل نہیں ان کو بھی خلیفہ کہا جائے اور وہ خلافت شریعہ سے متصف ہوں، جیسے یزید، ولید، حجاج بن یوسف، وغیرہ، تو ماننا پڑے گا کہ اسلام میں خلافت بشرطیء کا نام ہے لا بشرطیء کا نہیں۔

سید صاحب نے امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کی کتاب ”مقالات اسلامیین“ ج ۲: ص ۱۳۷، سے نقل

کیا کہ ﴿قولہم فی افضل الناس بعد الرسول: واختلفوا فی التفضیل﴾

1: ﴿فقال قائلون افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی﴾

2: ﴿وقال قائلون افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ، ابو بکر، ثم عمر، ثم علی، ثم عثمان﴾

3: ﴿قال قائلون، نقول ابو بکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم نسکت بعد ذالک﴾

4: ﴿قال قائلون: افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ علی ثم بعدہ ابو بکر﴾

5: ﴿قال قائلون لا ندري ابو بکر افضل ام علی﴾ ترجمہ:

ان کا قول رسول اللہ ﷺ کے بعد کون افضل ہے؟ اس تفضیل میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے:

1: کچھ کہنے والوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

2: کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر، پھر عمر، پھر علی، پھر عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

3: کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، پھر چپ کر جایا کرتے تھے۔

4: کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل علی ان کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہما ہیں۔

5: کچھ لوگوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا علی رضی اللہ عنہ۔

پھر لکھا کہ اس جگہ قابل غور امر ہوگا کہ امام ابو الحسن اشعری کے نزدیک اگر خلافت مفید انضلیت ہوتی تو اہل سنت و جماعت کے ان مکاتب کا کیوں ذکر کرتے؟

جواباً کہا جائے گا:

کہ کسی چیز کا التزام، لزوم کو مستلزم نہیں ہوتا جب تک اس کا التزام نہ کیا جائے، امام موصوف نے ان قائلین اور ان طبقات کا ذکر کیا ہے جو نفس الامر میں پائے جاتے ہیں، ان تمام طبقات کو اہل سنت و جماعت کا مکاتب کہنا غلط ہے کیونکہ جو لوگ حضرت علی المرتضیٰ کو حضرت ابو بکر صدیق سے افضل مانتے ہیں وہ اہل سنت و جماعت سے نہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿ثم اعلم ان جميع الروافض و اكثر المعتزلة يفضلون عليا على ابي بكر﴾ (شرح فقہ اکبر: ۷۵)

ترجمہ: تمام رافضی اور اکثر معتزلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہیں، اس لئے طبقہ نمبر 4، اہل سنت نہیں۔

علامہ ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿وان كان يفضل عليا عليهما فهو مبتدع﴾ (ردالمختار جلد ۴، ۲۳: ۲) ترجمہ:  
 اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر تفضیل دیتا ہے تو بدعتی ہے۔  
 اسی طرح نمبر 5، کے قائلین بھی سنی مکتب فکر کے پیروکار نہیں،،

امام ابوالحسن اشعری کے نقل فرمودہ اقوال سے سید صاحب کی دھوکہ وہی

رہا یہ کہ وہ خلافت کو مفید افضلیت سمجھتے ہیں یا نہیں؟ بلاشبہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ خلافت ان کے  
 نزدیک مفید افضلیت ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی مشہور کتاب ”الابانہ عن اصول الديانہ“

ج: ۲، ۲۵۵، پر فرمایا ہے ﴿و اذا وجبت امامة ابي بكر رضی اللہ عنہ وجب عنہ افضل

المسلمین﴾ ترجمہ: جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت متحقق ہوگی تو یہ امر بھی متحقق ہو گیا

کہ آپ سب مسلمانوں سے افضل ہیں،، چونکہ بقول سید صاحب امام موصوف شافعی المذہب ہیں

امام شافعی کے نزدیک افضلیت ابو بکر صدیق پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے، اس کا تفصیلی جواب پہلے

اجماع کی بحث میں آچکا ہے،، شافعی ہونے کے ناطے اگر امام موصوف اجماع سکوتی کے قائل ہی نہیں

تو امام شافعی نے جو افضلیت پر اجماع نقل فرمایا ہے تو یہ اجماع نصی ہے سکوتی نہیں، لیکن سوال یہ ہے

کہ احناف کے نزدیک اجماع سکوتی مقبول ہے معتد بہ ہے حجت ہے مفید قطعیت ہے سید صاحب

اجماع نصی اور اجماع سکوتی کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان کا مبلغ علم حضرت امام شافعی کے علم سے

بھی بلند تر ہے،، ملا جیوں رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ بعض معتزلہ اور روافض نے اجماع کا انکار کر کے

گمراہی کا ارتکاب کیا ہے فرمایا: ﴿وقد فضل بعض المعتزلة والروافض فقالوا ان الاجماع

ليس بحجة لان كل واحد منهم يتحمل ان يكون منخطا فكذا الجميع﴾ (نور الانوار

بحث اجماع) ترجمہ: بعض معتزلہ اور تمام روافض گمراہ ہوئے جنہوں نے کہا کہ اجماع حجت

نہیں، کیونکہ بقول روافض اور معتزلہ ہر ایک بھی اور تمام بھی خطا کار ہو سکتے ہیں،، سید صاحب اگر حنفی

ہیں تو انہیں اجماع نصی اور اجماع سکوتی پر ایمان لانا چاہیے، اگر شافعی المذہب ہیں تو پھر بھی اجماع

نصی کو تسلیم کرنا چاہیے اور یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ افضلیت ابو بکر صدیق پر اجماع نصی ہوا ہے۔

سید صاحب نے تقریباً ہر دوسرے صفحہ پر اجماع غصی، اجماع سکوئی اور افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انکار کیا ہے جبکہ دوسرے صحابہ اور تابعین سے لے کر آج تک جمہور اور تمام اہل سنت افضلیت ابو بکر اور اس پر ہونے والے اجماع کے قائل اور دعویٰ دار چلے آ رہے ہیں۔

حضرت امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے کلیہ بیان فرمایا ہے کہ وجوب خلافت وجود افضلیت کو مستلزم ہے یہ شوافع کا متفق علیہ کلیہ ہے کیونکہ امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کا سن وصال 330ھ ہے جس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ افضلیت پر اجماع صحابہ اور تابعین امام شافعی رحمہ اللہ کے دور سے لیکر 330ھ تک مسلسل چلا آ رہا ہے، اور منکرین کا دور بہت بعد کا ہے جو لائق اعتماد اور قابل ترجیح نہیں۔

سید صاحب نے لکھا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں بیسیوں شواہد پیش کئے ہیں جن میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنے، جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ ﷺ کو خلفائے راشدین سے افضل سمجھے جانے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے افضل سمجھے جانے، اور جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھے جانے کا ثبوت ہے، ان عقائد کے رکھنے والوں کو کسی نے اہل سنت سے خارج نہیں کیا امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں وہ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلفاء و صحابہ سے افضل سمجھتے ہیں۔ (زبدۃ: ۲۷۴)

بفضل اللہ تعالیٰ ہم نے ان تمام باتوں کا جواب اور ہر ثبوت اور ہر قول کا مدلل، محقق جواب اہل سنت و جماعت کی کتب متداولہ سے دے دیا ہے کسی بات کا ادھار اپنے ذمے نہیں چھوڑا صرف پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

☆ ما علینا الا البلاغ ☆

سید صاحب نے لکھا کہ: اور ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر: ص: ۱۷۸، پر افضلیت پر اجماع کی تردید کرتے ہوئے اکثر اہل سنت و الجماعت کے متفق ہونے کا ذکر فرمایا ہے، (زبدۃ: ایضاً)

جواباً کہا جائے گا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿وهذا الترتیب بین عثمان و علی (رضی

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اللہ عنہما) وهو ما عليه اكثر اهل السنة،، خلافاً لما روى عن بعض اهل الكوفة والبصرة من عكس القضية ﴿(شرح فقہ اکبر : ۷۵)

یہ ترتیب جو ہم نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان بیان کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدم ہے یہ اہل سنت و جماعت کی اکثریت کا مذہب ہے کیونکہ بصرہ اور کوفہ والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقدم دیتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے بارے میں کہا ہے اہل سنت و جماعت کی اکثریت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل مانتی ہے، خلفاء اربعہ کی افضلیت کے بارے میں نہیں کہا۔

### افضلیت ابو بکر صدیق اور آئمہ اربعہ

جمہور اہل سنت کا مذہب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿والصحيح ما عليه جمهور اهل السنة وهو الظاهر من قول ابى حنيفة على ما رتبہ هنا ولفق مراتب الخلافة﴾ (شرح فقہ اکبر : ۷۵)

ترجمہ: صحیح مذہب خلفائے اربعہ کی ترتیب افضلیت میں وہی ہے جو جمہور اہل سنت و جماعت کا ہے اور وہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ظاہر ہے، جو انہوں نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ خلفائے اربعہ کی افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں اکثر اہل سنت و جماعت کے مذہب کی تردید فرمادی ہے کہ یہ مذہب جمہور نہیں بلکہ جمہور کا مذہب ترتیب خلافت پر مبنی افضلیت ہے جس طرح حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے، اور جمہور کا مذہب وہی ہے جو علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد نسفیہ میں ان الفاظ کے روپ میں بیان فرمایا ہے: ﴿على هذا الترتيب وجدنا السلف﴾

ترجمہ: ہم نے اپنے اسلاف (صحابہ کرام) اور جمہور اہل سنت کو ایسی ترتیب خلافت پر ہی

افضلیت کا قائل پایا ہے مختصر یہ کہ ملا علی قاری نے اکثر اہل سنت و جماعت کا موقف جو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں تھا اس کو رد کر کے جمہور کا مذہب بیان کیا ہے سید صاحب کو فہم عبارت میں مغالطہ لگا ہے۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ مگر یہ رائے (اکثر اہل سنت و جماعت والی) بھی ضعیف و ناتواں محسوس ہوتی ہے کیونکہ اہل سنت و الجماعت کے سرخیل تو آئمہ اربعہ ہیں، جن کے عقائد ان نظریات کے خلاف ہیں جن کے حوالہ جات مندرجہ ذیل عبارات میں ہم پیش کرنا چاہیں گے۔  
جو اباً تحریر کیا جاتا ہے:

کہ سید صاحب کو فہم عبارت نہیں ہوا، ملا علی قاری نے پہلے اکثر اہل سنت و جماعت کا مذہب حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان اہل کوفہ اور اہل بصرہ کے جدید نظریات کی روشنی میں بیان کیا اور پھر و الصحیح ما علیہ جمہور اہل السنۃ سے اس کا رد کر دیا، اکثر اہل سنت و جماعت کا حکم خلفائے اربعہ کے بارے میں نہیں تاکہ اس کو ضعیف اور ناتواں کہہ دیا جائے یہ صرف قول مخالف کے طور پر عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے بعد ازاں اس کی تردید عبارت مذکورہ سے کر دی، اہل سنت و جماعت کے آئمہ اربعہ کا مذہب وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں بیان فرمایا اور اس کی تشریح ملا علی قاری رحمہ اللہ نے و الصحیح ما علیہ جمہور اہل السنۃ، سے فرمائی ہے۔

### ☆ فافہم ☆

سید صاحب جمہور اور اکثر اہل سنت و جماعت کے عقیدہ افضلیت کے خلاف ثبوت پیش کرنے کا سلسلہ شروع کرتے ہیں سب سے پہلے عبدالکریم شہرستانی کی کتاب السلل والنخل، ج: ۱، ص: ۱۵۵، سے اقتباس نقل کرتے ہیں۔

حوالہ نمبر 1: ہم فقط اس کے ترجمے پر اکتفاء کریں گے، سید صاحب نے ترجمہ کیا، امام ابوحنیفہ کی امام زید بن علی سے بیعت تھی جو کہ بلا شریف کے بعد حزب اختلاف کے پہلے لیڈر تھے، ان کا مذہب یہ تھا

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

افضل کے ہوتے مفضول کی امامت درست ہے، انہوں نے کہا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تھے، مگر یہ کہ خلافت جناب ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی مصلحت کے تحت سپرد کی گئی جس کو انہوں نے ملحوظ خاطر رکھا اور کسی قاعدہ دینیہ کے تحت ایسا کیا جس کو انہوں نے مد نظر رکھا۔ (زبدۃ: ۲۷۵)

حوالہ نمبر 2: جناب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان کی بیعت پر تھے (امام ابوحنیفہ کی زید بن علی رضی اللہ عنہ سے بیعت تھی) اور ان شیعہ (ساتھیوں میں سے تھے، حتیٰ کہ ان کا معاملہ منصور خلیفہ عباسی تک پہنچ گیا تو اس نے آپ کو عمر بھر کی قید دے دی،، یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں وصال فرمایا۔

حوالہ نمبر 3: یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ (امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) نے محمد نفس زکیہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایام منصور میں بیعت کی اور جب محمد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ مدینہ شریف میں شہید کر دیئے گئے تو امام ابوحنیفہ اسی بیعت پر قائم رہے۔ (زبدۃ: ۲۷۶)

ان دو حوالہ جات کی تشریح کرنا ضروری نہیں کیونکہ ان کا مفہوم بالکل واضح ہے، (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ بشمول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ دراصل خلافت کا حق حضرت علی کو تھا سیاسی یا دینی مصلحت کے تحت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بہت سے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد یہ بھی نقل فرمایا ہے، حاصل یہ کہ تفضیل صدیق قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت جو اس سے انکار کرے قریب ہے کہ اس کے ایمان میں خطر ہو،، (مطلع القمرین: ۶۵)

عبدالکریم شہرستانی کی مندرجہ بالا تحریر قرآن، حدیث، اجماع امت کے خلاف ہو سکی وجہ سے مردود ہے،،

حوالہ نمبر 2، عبدالکریم شہرستانی کی تحریر سے سید صاحب یہ بتانا اور ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جب زید بن علی رضی اللہ عنہ کے مرید اور عقیدت کیش تھے تو وہ بھی تفضیلی ہوئے

کیونکہ زید بن علی رضی اللہ عنہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے،

حضرت امام ابوحنیفہ زید بن علی رضی اللہ عنہما کے مرید تھے نہ ہی تفضیلی تھے جو ابابا کہا جائے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہ زید بن علی رضی اللہ عنہ کے ارادت مند ہو سکتے ہیں، مگر آپ کی بیعت نہ تھی اگر بیعت تھی تو وہ بیعت اطاعت تھی، بیعت عقیدت (مرید) نہ تھی۔ اگر بیعت عقیدت (اعتقاد و عمل میں اتباع) ہوتی تو آپ کا مذہب یہ نہ ہوتا کہ افضل البشر بعد از انبیاء ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں آپ نے اپنے عقیدہ کی وضاحت فقہ اکبر میں کر دی ہے، افضلیت کا معیار ترتیب خلافت ہے جو مذہب جمہور امت ہے۔

رہا یہ کہ خلیفہ منصور عباسی نے زید بن علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کرنے کی وجہ سے عمر قید دی غلط ہے بلکہ مروان عباسی کے دور حکومت میں ابن ہبیرہ نے کوفہ کا منصب قضاء قبول کرنے پر اصرار کیا مگر آپ نے ٹھکرادیا جس پر اس نے سو کوڑے مارنے کا حکم دیا،، اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جب منصور نے ان کو عراق منتقل کیا تو پھر عہدہ قضاء قبول کرنے کی پیش کش کی آپ نے انکار کر دیا اس نے قسم کھائی کہ آپ یہ عہدہ ضرور قبول کریں گے مگر آپ نے پھر حلف اٹھا کر انکار کر دیا تو اس نے جذبات میں آ کر آپ کو قید کر دیا، اور آپ قید خانہ میں ہی واصل باللہ ہوئے (اکمال فی اسماء الرجال لمشکوٰۃ) اس ثقہ روایت کی روشنی میں عبدالکریم شہرستانی کا قول قابل التفات نہیں مردود اور باطل ہے۔

سید صاحب نے بحوالہ کتاب السلل والنخل، سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو زید بن علی رضی اللہ عنہ کا مرید بتا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام رحمہ اللہ تفضیلی تھے اور افضلیت ابو بکر صدیق کے قائل نہ تھے بلکہ انکار فرماتے تھے،، اس کا جواب بار بار دیا جا چکا ہے امام ابوحنیفہ کے تفضیلی نہ ہونے پر عمدۃ التحقیق جلد اول میں کچھ گزارشات کی جا چکی ہیں یہاں بھی مبنی پر اختصار گزارش کی گئی ہے۔ سید صاحب نے اسی عنوان کے اختتام پر تحریر کیا ہے کہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اجماع خلافت پر ہوا افضلیت پر نہیں ہوا۔ (زبدۃ: ۲۷۷)

جو ابابا تحریر ہے کہ سید صاحب نے پہلے ”زبدۃ: ۲۷۵“ پر بحوالہ عبدالکریم شہرستانی نقل کیا کہ حضرت علی

بن ابی طالب سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تھے، جن میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، مگر یہ خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی مصلحت کے تحت سپرد کی گئی، اس کا مقصد یہ ہوا کہ خلافت کے مستحق دراصل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ تھے، سوال یہ ہے کہ مستحق کو چھوڑ کر غیر مستحق شخص کو امر خلافت جیسا اہم فیصلہ دے دینا شرعی غلطی نہیں؟ امر خلافت نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کیا جواب ہے؟

﴿لا یجتمع امتی علی الضلالة﴾ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ یا سوچ سکتا ہے کہ ایک غلط اور خلاف حقیقت واقعہ پر صحابہ کرام اجماع کر لیں، پھر ابو بکر صدیق کو مصلحت سیاسی یا دینی کے تحت خلافت سپرد کرنے والے کون ہیں؟ مہاجرین ہیں یا انصار؟ انصار تو اپنے حق خلافت کیلئے منصوبہ بندی کے تحت پہلے سے سفینہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں، خلافت کیلئے حضرت سعد بن عبادہ کا نام تجویز کر کے ان کو لاپچھے ہیں۔

مہاجرین اپنے لئے خلافت کے حصول کیلئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان الائمہ من قریش سنا چکے ہیں ایک طرف سے امیر اور دوسری طرف سے ایک امیر کی تجویز آچکی ہے، حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے دلائل افضلیت ابو بکر پر سب نے سماعت کر لئے ہیں، پورے اجتماع نے ابو بکر صدیق کو موخر کر کے ان سے آگے ہونے پر اللہ کی پناہ مانگ لی ہے جب احادیث و تواریخ نے ان حقائق کے صدق اور حقانیت کی تصدیق کر دی ہے تو پھر وہ کون ہیں جنہوں نے مصلحت کے تحت ابو بکر صدیق کو خلافت سونپ دی ہے صحابہ کا اجماع استحقاق خلافت پر ہوا ہے مصلحت یا سپردگی پر نہیں ہوا، اگر ابو بکر افضل نہ ہوتے تو آپ ہرگز خلیفہ نہ ہوتے، سید صاحب نے صرف خلافت پر اجماع ہونا تحریر کیا ہے جو خلاف حقائق ہے۔

ثانیاً: یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق خلافت ابو بکر صدیق کو دے کر اجماع کر لیا ہے اگر وہ سمجھتے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں وہ انہی کو خلیفہ بناتے اور ان کے حق میں ہی اجماع کرتے، ابو بکر صدیق کو ہرگز خلیفہ

بناتے نہ بیعت کرتے۔

ثالثاً: مانا کہ صدیق اکبر کو خلیفہ بنانا ایک وقتی مصلحت تھی مگر جب حضرت عمر فاروق خلیفہ منتخب کئے گئے اس وقت کیا مجبوری تھی کہ حق نہ لیا گیا اور نہ مانگا گیا، پھر حضرت عثمان غنی کی خلافت پر کیا دشواری پیش آئی؟

باوجودیکہ صحابہ عادل اور منصف ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسد اللہ الغالب ہیں، اور بنو ہاشم کی پوری جمعیت ان کی پشت پر ہے۔ جس کو سید صاحب نے مدینہ طیبہ کی غالب اکثریت کہا ہے۔ (زبدۃ: ۲۷۷)

رابعاً: عبدالکریم شہرستانی غالی شیعہ ہے غیر معتبر ہے اس کی کوئی بات اہل سنت کیلئے حجت نہیں۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جز رابع، ص: ۷۹، منہاج السنۃ لابن تیمیہ، جز ثالث، ص: ۲۰۷ تا ۲۰۹، بحوالہ میزان الکتب)

## سید سند شریف جرجانی کا نظریہ

سید صاحب نے سید سند شریف جرجانی کی کتاب شرح مواقف، ج: ۸، ص: ۴۰۴، سے نقل کیا ہے کہ: ﴿وثبوت الامامة وان كان قطعياً، لا يفيد القطع بالا فضلية بل غاية الظن﴾ ترجمہ: خلافت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر افضلیت کے قطعی ہونے کے معنی نہیں دیتا بلکہ اس کے ثبوت کی انتہا ظن ہے، (زبدۃ: ۲۷۷)

عبدالکریم کی تحریر کے مطابق جب مصلحت کے تحت خلافت جناب ابو بکر صدیق کو سونپی گئی تو قطعی نہ ہوئی، کیونکہ بقول زید بن علی رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ تمام صحابہ سے افضل ہیں تو وہ برہنائے افضلیت خلافت کے حق دار ہوئے ان کیلئے خلافت کا ثبوت قطعی ہوا، حضرت ابو بکر صدیق مفضل ہوئے، وہ خلافت کا استحقاق ہی نہیں رکھتے تو ان کے حق میں خلافت کا ثبوت قطعی نہ ہوا، قطعیت کیلئے دلیل سمعی چاہیے، دلیل سمعی قرآن و حدیث اور اجماع ہے، اجماع ہوا ہی نہیں اگر ہوا ہے تو سپردگی

پر، یہ پیردگی کہاں سے آئی؟ صحابہ کے فعل سے، فعل صحابہ حدیث موقوف ہے، مفید ظن ہے مفید قطعیت نہیں،، لیکن جب باجماع صحابہ خلافت ابو بکر صدیق کو تفویض ہو گئی تو اس خلافت کا وجود اور ثبوت قطعی ہوا،، لیکن یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ یہ خلافت صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں تفویض ہوئی؟ جبکہ اور بھی جلیل القدر صحابہ کا جم غفیر موجود تھا،، عبدالکریم شہرستانی نے تو وجہ یہ بتائی کہ وہ نرم مزاج، شیریں زبان تھے، جبکہ قرآن نے شیخین کے بارے میں فرمایا:

﴿اشداء علی الکفار﴾

سید السادات حضرت پیرمہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا: ﴿اشداء علی الکفار﴾ کا تعلق عہد صدیقی اور فاروقی سے ہے، کیونکہ شدت علی الکفار ہی نے بڑے بڑے بادشاہوں کو مغلوب اور نیست و نابود کیا اور قیصر و کسریٰ کا ذکر ہی مٹ گیا (تفسیر مابین سنی و شیعہ: ۱۴)

ماننا پڑیگا کہ عبدالکریم شہرستانی کی خود ساختہ سپردگیء خلافت کی کہانی باطل ہے کیونکہ اس کے خلاف سورہ فتح کی آیات بینات دلائل قطعیہ کے طور پر موجود اور واضح ہیں،، سرکار گولڑوی رحمہ اللہ نے فرمایا الغرض صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ آیت استخلاف کے ساتھ وعدہ دیئے گئے وہی اشخاص تھے جو اپنے اپنے وقت میں خلفہ ہوئے پھر فرمایا پس نہ صرف شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت نص قرآنی سے ثابت ہو گئی بلکہ خلافت خلفائے اربعہ علیہم الرضوان بھی نص قرآن سے ثابت ہے۔ (تفسیر مابین سنی و شیعہ: ۱۴) معلوم ہوا کہ خلفائے اربعہ کی خلافت نص قرآنی سے ثابت ہے جو دلیل قطعی ہے اور ترتیب خلافت بھی نص قرآنی سے ثابت ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ ایک طرف اللہ کا فرمان ہے کہ ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کو خلیفہ ہم نے بنایا، اور اپنے اپنے وقت میں یہ خلیفہ بنائے گئے، دوسری طرف عبدالکریم شہرستانی کہتا ہے کہ ابو بکر صدیق سے حضرت علی افضل تھے، خلافت ان کا حق تھا مگر ان سے مفضل جناب صدیق اکبر کو سیاسی اور دینی مصلحت کے تحت خلافت تفویض کی گئی تھی، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہوتے تو وہ پہلے خلیفہ ہوتے ابو بکر صدیق خلیفہ نہ ہوتے، انسان تو دوسرے کا حق غصب اور تلف کر سکتا ہے مگر اللہ رب العزۃ سے اس کا تصور کرنا بھی کفر ہے،،

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

عبدالکریم شہرستانی تو بے راہ روی کی حد پھلانگ گئے ہیں، پیر گولڑوی رحمہ اللہ کے فرمان سے ثابت ہوا کہ ترتیب افضلیت کی بنیاد ترتیب خلافت ہے، ان خلفاء از بعہ کی افضلیت قطعی ہے، سورہ فتح اور سورہ حدید کی آیات اس پر گواہ ہیں،، محدث ابن حجر کی رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿فحقیقة الفضل ما هو ذالک الفضل عند اللہ و ذالک لا یطلع علیہ الا بالوحي ، و قد ورد الثناء علیہم و لا یتحقق ادراک حقیقة ذالک الفضل عند عدم دلیل قطعی متنا و سندا الا المشاهد لزمن الوحي و احوالہ صلی اللہ علیہم معہم لظہور القرائن الدالة عل التفضیل حینئذ بخلاف من لم یشہد ذالک﴾ (الصواعق المحرقة : ۲۰)

ترجمہ: حقیقی افضلیت وہی ہے جو اللہ کے ہاں ہے اور اس فضلیت پر وحی آسانی کے بغیر مطلع ہونا ناممکن ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کی مدح و ثنائیاں فرمائی ہے اور اس فضلیت کی حقیقت کا علم دلیل قطعی کے بغیر ناممکن ہے اس دلیل کا متن اور سند بھی قطعی ہو، یا پھر وہ شخص جانتا ہے جس نے نزول وحی کا زمانہ دیکھا ہوا، اور صاحب فضل شخص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا مشاہدہ کیا ہو، جو اس صاحب فضل کی تفضیل پر دلائل و قرآن بن سکیں جس نے ان امور کا مشاہدہ نہیں کیا وہ تفضیل کا مسئلہ کیا جانے؟..... پھر فرمایا:

﴿نعم و صل الینا سمعیات اکدت عندنا الظن بذالک التفضیل علی ذالک الترتیب لا فادتها صریحاً و استنباطاً﴾ (الصواعق المحرقة : ایضاً)

ترجمہ: ہاں ہمارے پاس اولہ سمعیہ ہیں جنہوں نے اس ترتیب افضلیت پر ہمارے غالب گمان کو پختہ کر دیا ہے وہ اولہ سمعیہ صراحت اور استنباط کے ساتھ اس پر دلالت کر رہی ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿ولک ان تقول ان افضلیة ابی بکر ثبتت بالقطع حتی عند غیر الاشعری ایضاً بناء علی معتقد الشیعة و الرافضہ و ذالک لانه ورد عن علی و هو معصوم عند ہم و المعصوم لا یجوز علیہ الکذب ان بابکر و عمر افضل الامة ” الحدیث “﴾

ترجمہ: اے قاری تم کہہ دو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ایسی قطعی ہے اور ایسے

دلائل سے ثابت ہے جس کو غیر اشعری بھی مانتے ہیں، شیعہ اور روافض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معصوم ہیں، لہذا ان کے بارے میں جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، ان کا فرمان ہے کہ امت میں سب سے افضل ابو بکر اور عمر ہیں (رضی اللہ عنہما) یہ بات انہوں نے شیعہ کے جم غفیر میں کہی اس حدیث کو اسی سے زائد افراد نے روایت کیا ہے امام ذہبی نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے، اسی موضوع پر دوسری حدیث: ﴿واخرج ابو بکر الآجری عن ابی جحيفة سمعت علیاً علی منبر الکوفة یقول ان خیر هذه الامة بعد نبیها ابو بکر ثم خیرهم عمر﴾ (الصواعق المحرقة : ۶۱) ترجمہ:

ابو بکر الآجری نے اس حدیث کی تخریج ابو جحیفہ کی روایت سے کی ہے کہ میں نے کوفہ کے منبر پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل ابو بکر ہیں اور ان کے بعد عمر افضل الامت ہیں۔

اسی عنوان میں تیسری حدیث: ﴿واخرج الدار قطنی ان ابا جحيفة کان یری ان علیاً افضل الامة فسمع اقواما یخالفونه فحزن حزنا شديدا فقال له علی بعد ان اخذ بيده وادخله بيته ما احزنک يا ابا جحيفة فذكر له الخبر فقال الا اخبرک بخیر هذه الامة خیرها ابو بکر ثم عمر قال ابو جحيفة فاعطيت الله عهدا ان لا اکتلم هذا الحدیث بعد ان شاهنی به علی ما بقیت﴾ (الصواعق المحرقة : ۶۱) ترجمہ: دارقطنی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ ابو جحیفہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو سب سے افضل مانا کرتے تھے، انہوں نے سنا کہ لوگ ان کی رائے کے مخالف ہیں وہ حد درجہ کبیدہ خاطر ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور گھر میں لے گئے اور فرمایا کہ اے ابو جحیفہ تم کس وجہ سے پریشان ہو، انہوں نے مخالفت کئے جانے کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں اس امت کے سب سے افضل انسان کون تھے؟ اس امت کا سب سے افضل انسان ابو بکر ہیں اور ان کے بعد عمر ہیں (رضی اللہ عنہما) ابو جحیفہ نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں اس حدیث کو آخری دم تک نہیں

چھپاؤنگا کیونکہ یہ حدیث میں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی سنی ہے،

اب فیصلہ آسان ہو گیا کہ ایک طرف آیات قرآنی اور احادیث ہیں اور دوسری طرف سید سند شریف جرجانی کا قول ہے تو ترجیح اور لائق عمل کیا ہے؟ دوسرے لفظوں میں ایک طرف اللہ کا فرمان، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول، ہر کار گو کڑوی رحمہ اللہ کا تفسیری بیان ہے اور ان کے مقابل سید سند شریف جرجانی کی ذاتی رائے ہے؟ ترجیح اور فیصلہ کیا ہونا چاہیے؟

فیصلہ یہی ہے کہ جس طرح جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت قطعی ہے اسی طرح آپ کی افضلیت بھی قطعی ہے سید سند شریف جرجانی آٹھویں صدی ہجری کے آدمی ہیں، علامہ محمود احمد عمر النسی صاحب العقائد ساتویں صدی ہجری، محدث ابن حجر مکی دسویں صدی ہجری اور ملا علی قاری رحمہم اللہ دسویں صدی کے بلند پایہ محقق اور متکلم ہیں، اگر افضلیت ظنی ہوتی تو قصر اسلام کی چوٹی پر تحقیق و تدقیق کے ان حکمرانوں کی جلالت علمی کا پرچم صدیوں سے کیوں لہرا رہا ہوتا؟ ماننا پڑے گا کہ دنیائے علم کے یہ جاں باز غور و تدبر کے یہ شاہباز افضلیت ابو بکر علی (رضی اللہ عنہما) کی گہرائیوں میں اترے، ذخیرہ آیت و احادیث کو عقابانی نگاہوں سے دیکھا تقابل و توازن سے چھان پھٹک کی، انوار بصیرت سے اختلاف و تضاد کا ہر پہلو ملاحظہ کیا، تو اتر و احاد کے تیز و تند بدلتے تیکھے تیور دیکھے، طرفین کے وارد کردہ دلائل کے مصادر اور محلات کو تجزیاتی عمل سے گزارا، نتیجہء فکر کو اسلاف کے تبحر علمی سے دھویا، عقیدہ کیش ہو کر ان کی دہلیز عظمت پر پیش کیا، منظوری کے بعد قیامت تک آنے والی نسل اسلامی کو بطور یادگار، بغرض یادداشت تحفہ دیا، اگر بقول سید سند شریف جرجانی خلافت قطعی اور افضلیت ظنی ہوتی تو دسویں صدی ہجری میں ملا علی قاری رحمہ اللہ یہ کیوں فرماتے؟ ﴿وَالذَّالِكُمْ حِينَ اجْتَمَعُوا فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ وَاسْتَقَرَّ رَأْيُهُمْ بَعْدَ الْمَشَاوَرَةِ وَالْمَنَازَعَةِ عَلَى خِلاَفَةِ أَبِي بَكْرٍ وَاجْمَاعِ الصَّحَابَةِ حُجَّةَ قَاطِعَةٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ﴾ (شرح فقہ اکبر: ۷۶)

خلافت قطعی اس لئے ہے کہ صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے باہمی بحث و نزاع اور مشاورت کے

بعد ابوبکر صدیق کی خلافت پر ان کا اتفاق ہو گیا (اجماع ہوا) اور اجماع صحابہ حجت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہو سکتا، افضلیت کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأُولَىٰ مَا يَسْتَدِلُّ بِهِ عَلَىٰ أَفْضَلِيَةِ الصِّدِّيقِ فِي مَقَامِ التَّحْقِيقِ نَصْبُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِأَمَامَةِ الْإِنَامِ مَدَّةَ مَرَضِهِ فِي اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ وَلِذَا قَالَ أَكْبَرُ الصَّحَابَةِ رَضِيهِ عَلَيْهِ، لَدِينِنَا أَفْلا نَرْضَاهُ لَدِينَانَا﴾ (شرح فقہ اکبر، ۷۵)

مقام تحقیق میں افضلیت ابوبکر صدیق پر سب سے عمدہ دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی علالت کے ایام ولیالی میں لوگوں کا امام مقرر فرمایا تھا اور اسی لئے اکابر صحابہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا تھا کہ ابوبکر صدیق کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا تھا، ہم اپنی دنیا کیلئے ان کو کیوں پسند نہ کریں؟

پھر بھی فیصلہ آسان ہے، ایک طرف فرمان رسول اللہ ﷺ اور فرمان علی المرتضیٰ سے ثابت افضلیت قطعی ہے اور دوسری طرف سید سند شریف جرجانی کا قول ہے کہ افضلیت ظنی ہے، رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال کے مقابل سید سند شریف کا قول حجت اولائق التفات نہیں بالفرض اگر خلافت مفید ظن ہے تو پھر بھی افضلیت قطعہ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ افضلیت قطعی، قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے سرکار گولڑوی رحمہ اللہ نے سورہ حدید کی دسویں آیت سے شیخین کی افضلیت قطعہ کو ثابت فرمایا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا مذہب قرار دیا ہے (تفسیر مابین سنی و شیعہ: ۲۳)

ما علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَعَيْنُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمَا أَنَّهُ أَفْضَلُ الْإِنَامِ فِي تِلْكَ الْآيَاتِ حَتَّىٰ أَنَّهُ تَأَخَّرَ وَتَقَدَّمَ عُمَرُ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبِي اللَّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ الْآبَاءُ بَابِكُمْ﴾ (شرح فقہ اکبر، ۷۶) ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق کو امامت کیلئے اس لئے مامور فرمایا کہ آپ جانتے تھے وہ ان دنوں (ایام علالت) میں سب صحابہ سے افضل ہیں، حتیٰ کہ وہ ایک دفعہ موخر ہوئے اور حضرت عمر کو مقدم کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ

کسی اور شخص کی امامت کا انکار کرتے ہیں، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ اور تصریحات علماء سے ثابت ہے کہ ابو بکر صدیق کے بعد حضرت عمر افضل الامت ہیں، حضرت عمر ابو بکر صدیق کی موجودگی میں مفضول ہیں، اگر افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت (وہ بھی صرف نماز میں) جائز، اللہ اور مومنین کو پسند ہوتی تو نبی کریم ﷺ یا اسی اللہ والمومنین الا ابابکر کیوں فرماتے؟ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے زید بن علی رضی اللہ عنہ، عبدالکریم شہرستانی، اور سید صاحب کا موقف کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے، باطل ثابت ہوا، جب امامت صغریٰ جائز نہیں تو امامت کبریٰ (خلافت) کیسے جائز ہے؟

سید صاحب نے سید سند شریف کے قول کی تائید میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تکمیل الایمان سے بھی استشہاد کیا ہے، ہم پہلے ان کا عقیدہ بیان کریں گے اور بقیہ گفتگو بعد میں ہوگی، نقل فرماتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی مدح وثناء میں اتنے خطبے کہے ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں رہتی، اگر علمائے اہل سنت حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں، بعض حق پسند شیعہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عبدالرزاق (محدث) جو صاحب علم اور صاحب روایت بزرگ تھے شیخین کی افضلیت اسی لئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں افضل مانا تھا یہ کتنی نا انصافی ہے کہ حضرت علی کی مدح کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے گریزاں ہیں، مندرجہ بالا اقتباس ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے میں تھا ہمیں ان کتابوں پر بھی اسی طرح نقطہ نظر سے نگاہ ڈالنی چاہیے جن میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے (تکمیل الایمان، ۱۶۹، مکتبہ نبویہ لاہور)

مندرجہ بالا اس اقتباس سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین کی افضلیت کا علی الاعلان اقرار اور اظہار فرماتے رہے ہیں،

۲: اہل سنت کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق افضل الامت ہیں۔

۳: اہل سنت کے نزدیک افضلیت ابو بکر صدیق قطعی ہے اور یہی حق ہے۔

۴: محدث عبد الرزاق شیعہ تھے، مگر صاحب علم اور صاحب روایت تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تفضیل شیخین کے عقیدہ پر تھے،

۵: محدث ابن حجر مکی، حطرح افضلیت ابو بکر صدیق کی قطعیت کے قائل ہیں اسی طرح اس عقیدہ میں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی ان کے ہم نوا ہیں،، ملا علی قاری، امام ابوالحسن اشعری، اور امام زعفرانی امام بھٹی اور امام شافعی رحمہم اللہ نے جو فرمایا ہے کہ وجوب خلافت وجوب افضلیت کو مستلزم ہے یہی عقیدہ سلف اور جمہور امت ہے اور یہی حق ہے۔

سید صاحب نے جتنا وقت ابو بکر صدیق کی عدم افضلیت، افضلیت کی عدم قطعیت، ہر نوع اجماع کی نفی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تفضیلی ہونے پر ذخیرہ دلائل میں صرف کیا ہے اگر سلف و خلف کی کتب کا مطالعہ کرتے تو زبدۃ کی ضخامت بڑھانے کیلئے اخباراً آحادہ، روایات شاذہ، اقوال ضعیفہ اور نادرہ کے ارتکاز کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑتی،،

حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کی شان میں سید صاحب نے چند اقوال اپنا تبصرہ اور نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے، وہ ہمارا موضوع نہیں ہمارا موضوع افضلیت ابو بکر اور اس کی قطعیت ہے اس لئے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں،، سید نے لکھا کہ ابوحنیفہ نے بیعت کی ہوئی تھی جیسا کہ عبدالکریم شہرستان نے السلسل والنحل صفحہ نمبر ۱۵۸ پر درج کیا ہے، (زبدۃ: ۲۸۲)

تبصرہ میں کہا کہ اس سے پتہ چلا کہ وہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے عقیدے میں متفق تھے،، (ایضاً) اس کا جواب پہلے آچکا ہے،، حیرت ہے کہ سید صاحب کا قلم ایک بات کو بار، بار دہرانے اور ضبط تحریر میں لانے سے اکتاہٹ اور خفت محسوس نہیں کرتا اس لئے چاروں ناچار ہمارا قلم بھی حرکت میں آجاتا ہے،، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عبدالکریم شہرستانی غالی شیعہ ہے، یہ غیر معتبر ہے اس کی کوئی تحریر اہل سنت و جماعت کیلئے دلیل اور حجت نہیں، سید صاحب نے زبدۃ، ص، ۲۸۶، پر امام مالک رحمہ اللہ کو بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ تھی کرتے ہوئے لکھا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما

جن کی تقلید کا دائرہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے کے دوسروں نے پیش کئے گئے کہ یہ لوگ ان کے مرید اور باج گزار تھے جو تفصیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔

جو باجگیر کیا جاتا ہے کہ ارادت اور باج گزاری کے تانے بانے عبدالکریم شہرستانی کے بنے ہوئے ہیں دنیا سے سنیوں میں یہ شخص قابل اعتبار نہیں، اہل سنت اس کے متضاد اور مغائر اعتقاد کی وجہ سے سنیوں کی صف میں داخل نہیں کرتے، بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہر دو آئمہ زید بن علی رضی اللہ عنہ سے قلبی ارادت اور عملی مطابقت رکھتے اور شیرینی بھی پیش کرتے تھے۔

تو مقام افضلیت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں افضلیت دیتے تھے؟ چنانچہ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ: حضرت امام مالک سے جب دریافت کیا گیا کہ ساری امت میں افضل کون ہے تو آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿فقد حکى ابو عبد الله المازرى عن المدونة ان مالكا رحمه الله سئل اى الناس افضل بعدنبيهم؟ فقال ابو بكر، ثم عمر، ثم قال اوفى ذالك شك﴾ (الصواعق المحرقة: ۵۷)

ترجمہ: امام مازری ابو عبد اللہ نے مدونہ سے روایت کی ہے کہ بے شک امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا ابو بکر، اور پھر عمر رضی اللہ عنہما پھر آپ نے فرمایا کیا اس میں کوئی شک ہے؟

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿افضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابو بكر الصديق، ثم عمر بن الخطاب﴾ (فقہ اکبر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب امت سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں ان کے بعد حضرت عمر افضل ہیں ان کے بعد عثمان ذی النورین اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ افضل ہیں۔ (رضی اللہ عنہم) یہ کیسی بیعت اور کیسی ارادت و عقیدت ہے کہ مرشد و مقتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں اور ارادت مند حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضل

الامت قرار دیتے ہیں،، ماننا پڑیگا کہ بیعت و باج گزاری کا چکر جعلی اور فرضی ہے اور یہ ساری کارستانی عبدالکریم شہرستانی کی ہے،، حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما کے پیروکاروں کی نسبت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: شیعوں کا فرقہ زیدیہ (جو شیعوں کا اعتدالی فرقہ مانا جاتا ہے) کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق ہے مگر حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں مصلحت تھی، کیونکہ حضرت علی کی تلوار ابھی تک دشمنوں کے خون سے تر تھی، اور لوگ ابھی تک آپ کے دشمن تھے اگر انہیں خلافت دی جاتی تو بڑا فساد ہوتا جس سے اسلام کی بنیادیں ہل جاتیں اور اسلامی سلطنت تباہ ہو جاتی، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق کی وجہ سے سارے شعلہ ختم ہو گئے، یہ مذہب (زیدیہ) حضرت علی کی افضلیت پر اعتقاد رکھتا ہے،، (تکمیل الایمان، ۱۵۸، ۱۵۹، مکتبہ نبویہ لاہور) اس کی تردید دوسرے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے،، پھر بھی مذکورہ اس اقتباس کی روشنی میں امام ابو حنیفہ، اوامام مالک رضی اللہ عنہما کا حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ قلبی جھکاؤ نظر یاتی اور شعوری وحدت کیسے ممکن ہے؟ جبکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل الامت مان کر افضلیت ابو بکر صدیق، اور حق خلافت ابو بکر سے سلب اور غضب کر کے جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو دے رہے ہیں۔

ہر دو جلیل القدر اور آفاقی آئمہ کو حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش ارادت میں جکڑنا عبدالکریم شہرستانی کی اختراعات میں سے ہے۔

### ابوزہرہ مصری کے اقتباس کا تجزیہ

سید صاحب نے ”حیات حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ“ مولفہ استاد ابوزہرہ مصری کے، ص: ۱۸۰، جلد ۱، سے یہ اقتباس نقل کیا ہے،، معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل الصحابہ ہونے کے عقیدہ میں شیعہ منفرد نہ تھے بلکہ بعض صحابہ بھی اس کے قائل تھے، چنانچہ عمار بن یاسر، مقداد بن الاسود، ابوذر غفاری، سلمان الفارسی، جابر بن عبد اللہ انصاری، ابی بن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابوالیوب، سہیل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابو الہیثم، خزیمہ بن ثابت، ابوالطفیل دوسی، عامر بن واہلہ، عباس

بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم ان کے بیٹے، تمام بنی ہاشم تفضیل کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (زبدۃ، ۲۸۳)  
اس کا جواب پہلے آچکا ہے ابن عبدالبر نے بھی ان کے صحابہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ تفضیل علی کا  
عقیدہ رکھتے تھے، لیکن شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت شاذ ہے کلام  
مقبول اور معتبر نہیں یہ روایت شاذہ جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جمہور آئمہ نے  
اجماع پر فیصلہ کیا ہے۔ (تکمیل الایمان، ۱۶۳)

شیخ محقق کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ: (۱) ان صحابہ کے تفضیلی ہونے کی روایت شاذ ہے، غیر معتبر  
اور غیر مقبول ہے۔

(۲) ابوبکر صدیق افضل الامت ہیں یہ عقیدہ جمہور ہے جس کے مقابل روایت شاذہ کی کوئی حیثیت  
نہیں۔

۳۔ قول جمہور یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول ﷺ کے بعد ساری امت میں افضل  
ہیں، قول جمہور کی بنیاد اجماع ہے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی  
افضلیت پر اجماع ہے سید صاحب کا یہ کہنا کہ افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع ہوا  
ہی نہیں غلط ثابت ہوا اسی طرح استاد ابوزہرہ مصری کی تفضیل علی رضی اللہ عنہ کی کہانی بھی بیس صحابہ کی  
زبانی شاذ اور بے بنیاد نکلے۔

۴۔ شیخ محقق نے تخریر فرمایا:۔ بہیقی نے اپنی کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو ثور کی شافعی رحمہ  
اللہ سے روایت ہے کہ کسی نے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور  
حضرت عمر کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف نہیں کیا سب کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضلیت اور تقدیم رکھتے ہیں۔ (تکمیل الایمان، ص۔ ۱۴۳ مکتبہ بنوہ لاہور)  
یہی اجماع صحابہ و تابعین ہے پھر نتیجہ اور خلاصہ کے طور پر فرمایا الغرض علمائے اہل سنت جمہور کا یہ نظریہ  
ہے کہ تمام صحابہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضلیت حاصل ہے۔

(ایضاً)

## آل بیت النبی ﷺ کون ہیں؟

سید صاحب نے تحریر کیا کہ: ”و آل بیت النبی مفروض علی المسلمین جہما و مودتہما با مر اللہ فی کتابہ العزیز قل لا اسئلكم علیہ اجرا الا المودة فی القربی“ (شوری آیت 23) ترجمہ: آل بیت النبی کی محبت و مودت مسلمانوں پر فرض ہے قرآن میں ہے فرمادیجیے یا رسول اللہ میں اس پر تم سے اجر نہیں مانگتا مگر میرے اقرباء کی محبت۔ (زبدۃ۔ 290)

بحکم قرآن بفرمان صاحب قرآن آل بیت اطہار کی محبت و مودت جزو ایمان ہے۔ ان کا بغض ان سے نفرت اور ان کی بے توقیری اور ان سے عداوت بے دینی اور بے ایمانی ہے کلمہ گو ہو کر کوئی مسلمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن اس بات کا جائزہ لینا اور اس کا تعین کرنا لازمی اور ضروری ہے کہ اہل بیت تو یا القربی کون ہیں؟

تفسیر روح البیان کے حوالے سے پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے وقت آنحضرت ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ من قرابتک هؤلاء الذین و جبت علینا مودتہم“ یعنی آپ کے اہل قرابت اور رشتہ داروں میں وہ کون لوگ ہیں جن کی دوستی ہم پر واجب کی گئی ہے آپ نے جواباً فرمایا علی فاطمہ اور ان کی اولاد اور اسی روایت کی تائید وہ قول کرتا ہے جو حضرت علی سے مروی ہے ”انہ قال شکوت الی رسول اللہ ﷺ حسد الناس الی فقال اما ترضی ان تكون اول من یدخل الجنة انا وانت والحسن والحسین وازواجنا عن ایما نسا و شمانلنا و ذریاتنا خلف ازواجنا“ یعنی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبوی میں شکایت کی کہ لوگ میرے ساتھ حسد کرتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا اے علی کیا تو اس پر خوش نہیں کہ سب سے پہلے میں اور تم اور حسن و حسین بہشت میں داخل ہونگے اس حالت میں کہ ہمارے دائیں بائیں ہماری بیبیاں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری بیبیوں کے پیچھے ہوں گی۔ (تفسیر مابین سنی و شیعہ ۵۹)

سرکار گولڑوی رحمہ اللہ نے اس آیت کا مفہوم اور مصداق ترکیبی لحاظ سے نقل فرمایا: جاننا چاہیے کہ اس

آیت کریمہ کے متحمل ہیں۔ (۱) آل اللہ ذہب میں مودت سے مراد مودت رسول علیہ السلام ہوگی  
for more books click on the link  
<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اور کلمہ فسی سببیت کے لیے یالام کے معنی میں ہوگا یعنی آپ کی محبت بوجہ قرابت کے مطلوب ہے اس کی مختصری تشریح یہ ہے کہ بعض کفار نے ایک اجتماع میں کہا تھا کہ کیا محمد ﷺ اس تبلیغ سے اجر و عوض چاہتے ہیں تو اس آیت کے ذریعے آپ نے جواب ارشاد فرمایا میں تم سے اس کام کا کوئی اجر اور معاوضہ نہیں چاہتا البتہ یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری ہے اس کو ملحوظ رکھ کر مجھ سے دوستی کرو اور مجھے ایذا نہ پہنچاؤ کیونکہ کہ اصول شرع اور عرف و عادات مروت اور موڈت کا تقاضا کرتے ہیں۔

دوسرا محل یہ ہے کہ موڈت سے مراد رسول علیہ السلام کے اہل قرابت کی دوستی ہو اس صورت میں کلمہ فی ظرفیت کے لیے ہے طرف مستقر المودۃ سے حال ہوگا اور یہ آیت منجملہ اُن آیات کے ہوگی جن میں فضائل اہل بیت سیدنا فاطمہ، علی، حسن، حسین علیہم السلام خصوصاً اور اہل قرابت آنحضرت ﷺ عموماً ہونگے بشرطیکہ وہ مومنین سے ہوں۔ (تفسیر مابین سنی و شیعہ ۵۹)

سرکار گولڑوی رحمہ اللہ کی تفصیل سے واضح ہوا کہ اہل بیت کا مدلول حضرت علی، حضرت فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں اور عموم معنی کی بناء پر ان کے علاوہ تمام قرابت دار ہونگے جو مومنین ہیں، یہی وہ نفوس و قدسیہ ہیں جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی جس نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ہر خاندان اہل بیت سے پیدا ہونے والا ہر فرد اعتقاد و عمل کی طہارت کا ضامن اور سرچشمہ ہوگا اہل بیت کے خاندان سے چلنے والی نسل بد عقیدگی اور بد عملی کی آلودگیوں سے پاک ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود خصوصی طور پر اس خاندان سے جنم لینے والے افراد کے لیے نفاست، نظافت، عقیدہ و عمل کی تطہیر کا وعدہ فرما رکھا ہے جس نسل اور نسل کے افراد کے لیے عقیدہ اور عمل کے پاکیزہ اور شفاف رکھنے کا اللہ نے وعدہ لے رکھا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ افراد اہل بیت بد عملی اور بد اعتقادی کی نجاستوں سے آلودہ ہوں، سید وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے حسن عمل اور نور عقیدہ کی برسات ہو، اور وہی محبت اور موڈت کا سزاوار ہے، سید ہونے کے دعوے

کے حسن و جمال پر نظر رکھنی ہوگی۔ ”خیر امام خیر ہادی“ (زبدہ: ص 298)

## علی رضی اللہ عنہ خیر امام خیر ہادی کی توضیح

یہ دونوں مرکبات تو صفی امام شافعی رحمہ اللہ کے قصیدہ نعتیہ کا آخری مصرعہ ہے جو انہوں نے جناب حیدر کراکی شان میں کہا ہے۔ سید صاحب نے اس مصرعہ کا ترجمہ یوں کیا ہے سب سے اچھا امام سب سے اچھا ہادی علی رضی اللہ عنہ ہے اہل علم کے نزدیک اسم تفضیل کے تین استعمال ہیں بواصلہ من بذریعہ الف لام تعریف بطور اضافت جو اباً کہا جائیگا کہ (۱) خیر اسم تفضیل ہے اس کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ ۱۔ اضافت، جیسے زید افضل الناس بوقت اضافت مضاف الیہ کا معرفہ ہونا ضروری ہے، خواہ معرفہ بالضمیر ہو جیسے خیر کم من تعلم القرآن و علمہ، یا معرفہ بالام ہو جیسے زید افضل الناس یا مستعمل بمن ہوگا جیسے زید افضل من عمر یا الف و لام کے ساتھ ہوگا جیسے زیدن الا افضل خیر امام خیر ہادی میں اضافت کی کوئی صورت متحقق نہیں ہو سکتی، کیونکہ امام، ہادی دونوں مکررہ ہیں۔

۲۔ اسم تفضیل کے مضاف ہونے کی صورت میں اس کے دو معنی ہوتے ہیں اسن حاجب نے فرمایا:  
”فاذا اضيف فله معنيان، احد هما و هو الاكثر ان تقصد به الزيادة على من اضيف اليه فيشترط ان يكون منهم مثل زيد افضل الناس“

ترجمہ:- اسم تفضیل مضاف ہوگا تو اس کے دو معنی ہونگے۔ ایک معنی جو اکثر مراد لیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کے موصوف کی زیادتی مضاف الیہ پر مقصود ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ مفضل مفضل علیہ کے مفہوم میں داخل ہو جیسے زید افضل الناس میں زید مفضل الناس جو مفضل علیہ ہے اس کے مفہوم میں داخل ہے دوسرا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا:- ”والشأن ان تقصد زيادة مطلقة ويضاف للتوضيح“ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اسم تفضیل سے مطلق زیادتی مراد لی جائے اس صورت میں اسکی اضافت صرف توضیح کے لیے ہوگی جیسے یوسف احسن اخوتہ یہاں یوسف اخوتہ میں داخل نہیں مقصود صرف یوسف علیہ السلام کے حسن کی غلظت کو بیان کرنا ہے۔  
for more books click on the link  
<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

کی طرف مضاف ہے جو معرفہ ہے۔

اضافت کی صورت میں اس کا مضاف الیہ معرفہ ہوگا نکرہ نہیں ہو سکتا اگر یہ تاویل کی جائے کہ خیر امام من کل الناس کی صورت میں ہے تو یہ تاویل بھی غلط ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں اسم تفضیل ایک ہی وقت میں دو طریقوں سے استعمال ہوا ہے علامہ جامی نے فرمایا: ”فلا یجوز الجمع بین اثین منها نحو زیدن الا فضل من عمر“ ایک وقت میں دو طریقوں کو جمع کرنا جائز نہیں جس طرح زیدن الا فضل من عمر وہ بنا درست نہیں بالکل اسی طرح علی خیر امام من الناس کہنا بھی جائز نہیں تاکہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضرت علی کی افضلیت کو ثابت کیا جاسکے۔

(فافہم)

۳:- سید صاحب کا یہ کہنا کہ لفظ خیر مضاف ہے امام کی طرف جو نکرہ ہو کر حکم جمع میں ہے، بھی غلط ہے کیونکہ نکرہ مفید عموم اور مفید جمعیت اس وقت ہوتا ہے جب کہ تحت الہی واقع ہو جیسے:

”ما کان محمد اباحد من وجالکم ما من شفیع الا باذن اللہ ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ“ خیر امام میں امام سے پہلے کوئی حرف نفی نہیں لہذا جس طرح خیر امام کی اضافت جائز نہیں اسی طرح لفظ امام جو نکرہ ہے کو معنی جمعیت میں لینا یا تبدیل کرنا غلط ہے۔ ہاں ترکیب تو صیغی تقدیم و تاخیر ممکن ہے لیکن سید صاحب کا وہ موقف ہی نہیں موقف وہی ہے جو اوپر تحریر ہوا ہے۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ اسم تفضیل کا استعمال بطریقہ اضافت کا معنی یہ ہے کہ مضاف

ان سب خوبیوں کا مالک ہے جو کہ مضاف الیہ میں پائی جاتی ہیں اور ان کے سوا ان خوبیوں کا بھی

مالک ہوتا ہے جو کہ مضاف الیہ کے کسی فرد میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ (زبدۃ - 299)

جو بابا کہا جائیگا کہ یہ کلیہ مصنوعی اور سید صاحب کا خود ساختہ ہے کیونکہ ابن حاجب اور ملا جامی کے اقوال سے نقل ہو چکا ہے کہ اضافت کی صورت میں دو معنی مراد ہوتے ہیں (1) مفضل میں مفضل علیہ کی نسبت وصف خوبی زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور مفضل مفضل علیہ کے افراد میں سے ایک فرد ہو کر داخل اور شامل ہوتا ہے یہ زیادتی کسی ایک وصف میں ہوتی ہے تمام اوصاف اور تمام فضائل میں

نہیں ہوتی جسے اَعْلَمُ اقراء، احسن میں زیادتی فقط علم، فقط فن قرأت، فقط حسن و جمال میں پائے جانے پر صیغہ اے اسم تفضیل کا موصوف ان خوبیوں کا بھی مالک ہوتا ہے جو مضاف الیہ میں پائی جاتی ہیں تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں وہ چار خوبیاں ایسی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نہیں پائی جاتیں جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے خود ان کا اقرار اور اعتراف کیا ہے، ہم الریاض النضرۃ: ص: ۲۱۰، سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کر آئے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے ایام علالت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں امام مقرر فرمایا۔ یہ وہ خوبی ہے جو صرف اور صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی کسی اور کا نصیب اور مقدر نہ بن سکی۔

ان حقائق سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اسم تفضیل بارے سید صاحب کے تمام کلیے غلط اور خود ساختہ ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں سید صاحب نے حضرت امام شافعی کے اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ان اشعار سے ان کا عقیدہ کھل کر سامنے آجاتا ہے انہوں نے جناب علی المرتضیٰ کو خیر امام خیر ہادی، سب سے اچھا اور افضل ہادی کہا آپ ہاشمی تھے ہاشمی ہونے کے ناطے سے بھی جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ ممکن تھا۔

### امام شافعی رحمہ اللہ تفضیلی نہ تھے

جولباً کہا جائیگا کہ یہاں خاندانی ازم کا کوئی تعلق نہیں سید صاحب نے یہ اضافی گرہ لگا دی ہے، یہ عقیدہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے لیے ممکن نہیں اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں امام شافعی کی زبانی صحابہ اور تابعین کا افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نقل کیا ہے امام موصوف اجماع صحابہ اور تابعین کی مخالفت کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

۲۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار جو افضلیت ابو بکر صدیق کے روشن دلائل

ہیں لفظاً حدیث تقریری اور معنماً حدیث مرفوع ہیں اور زبدۃ کے ص۔ 51، 52 پر درج ہیں ان کی موجودگی اور صراحت کے بعد تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ امام شافعی کیسے اپنا سکتے ہیں؟ سورہ حدید کی آیت نمبر 10 سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ثابت ہونے والی افضلیت قطعاً پر ان اشعار سے خط تینخ کیسے کھینچ سکتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اس مصرعہ سے استدلال کرنا کہ امام ہاشمیت کی وجہ سے خیر امام کہہ گئے ہیں سید صاحب کی اضافیات میں سے ہے ورنہ ایک آفاقی امام کو خاندانی ازم سے کیا تعلق؟

۳۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خیر البریہ کہا گیا ہے یہاں لفظ خیر مضاف اور البریہ مضاف الیہ ہے، خیر اسم تفضیل ہے، ابن حجب اور ملا جامی کی توضیحات کے مطابق اسم تفضیل کی اضافت دو معنوں کا فائدہ دے گی، ۱۔ مفضل میں وہ وصف، وہ خوبی، مفضل علیہم کی بہ نسبت زیادہ پائی گئی ہے اور مفضل، علیہم کے افراد میں سے ایک فرد ہے، اس معنی کی روشنی میں خیر البریہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ مضاف یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ”البریہ“ ساری مخلوق بعد از انبیاء کرام میں پائی جانے والی خوبیوں (فضیلتوں) سے زیادہ خوبیوں اور فضیلتوں کے مالک ہیں افضل الامت یا افضل البشر بعد الا انبیاء کا بھی یہی معنی اور مفہوم ہے اور اگر بقول سید صاحب یہ بھی نتھی کر دیا جائے کہ مضاف یعنی اسم تفضیل تو مفضل علیہم کی تمام اجتماعی خوبیوں کا مالک ہے مگر مضاف میں پائی جانے والی خوبیوں کا مضاف الیہ کا کوئی فرد مالک نہیں تو خیر البریہ کا معنی ہوگا کہ پوری امت میں پائی جانے والی ہر خوبی اور فضیلت کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مالک ہیں۔ لیکن جو خوبیاں انفرادی طور پر ذات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہیں کوئی بھی فرد ان کا مالک نہیں یہ بھی درست ہے کہ واقعی بحیثیت مومن اول خادم اسلام، مجاہد اول، رفیق ہجرت، یار غار یار مزار، صاحب کوثر ایسی بلند پایہ خوبیاں ہیں جو پوری امت میں سے صرف آپ کا ہی مقدر نہیں انبیاء و رسولوں کے بعد جن کی بدولت فلک انسانیت کے آپ آفتاب جہاں تاب بنے، جس کا مطلع و مشرق آغوش رسالت ہے آپ ہی وہ نیر تاباں ہیں جو ذات رسول سے فیضان نبوت اور انوار

رسالت کی سوغات لے کر ملت صدیقہ میں بانٹ رہے ہیں اور صبح قیامت تک بانٹتے رہیں گے ذات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی وہ شمس نصف النہار ہے جس کا مغرب نہیں کیونکہ اس کا سفر انوار توحید کے جلال اور فیضان رسالت کے جمال میں ہو رہا ہے جن کا زوال نہیں۔

۲۔ دوسرا معنی مضاف کے لیے مطلق زیادتی وصف کا اثبات ہے اس معنی کے اعتبار پر مضاف مضاف الیہ کے افراد میں سے نہیں ہوتا اس معنی سے مقصود مضاف کے فضائل خاصہ اور مضاف کا مضاف الیہ میں عدم دخول ہوتا ہے جیسے یوسف احسن اخوتہ،، میں یوسف علیہ السلام کے حسن بے مثال کو بیان کرنا ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ حسن باکمال کی بدولت حضرت یوسف علیہ السلام اخوتہ میں داخل نہیں، داخل ہونے کی صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے اخوان کے لیے بھی حسن تسلیم کرنا پڑے گا، فرق صرف اس قدر ہوگا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن ان کی بہ نسبت زیادہ ہے پھر اس معنی اور پہلے معنی میں کوئی فرق نہیں رہے گا خیر البریہ میں بوجہ اضافت اگر دوسرا معنی لیا جائے تو بھی مناسب ہے یعنی یوں کہا جائے کہ حضرت ابو بکر صدیق اپنے جداگانہ فضائل کی وجہ سے یکتا، تنہا اور منفرد ہیں فضائل اور خصائص خاصہ میں باقی صحابہ میں داخل اور شامل نہیں ہیں خیر البریہ کی ترکیب اس معنی کو بھی قبول کرتی ہے۔

ساری گفتگو کا اختصار یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیر امام خیر ہادی کہا ہے اس سے جناب صدیق اکبر کے خیر البریہ ہونے کی نفی لازم آتی ہے نہ تعارض، یہ قول امام ہے اور وہ حدیث تقریری اور حدیث مرفوع ہے سید صاحب نے سیدنا چیمہ مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کا قول واضح نقل کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبات میں فرمایا ہے ”لا یقاس بآل محمد ﷺ من هذا الامة احداء، یعنی آل پاک محمد ﷺ سے کسی کو مساوات نہیں یہ حوالہ تصفیہ مابین سنی و شیعہ ص۔ ۸۵ سے نقل کیا گیا ہے۔

امت محمدیہ میں آل محمد ﷺ جیسا کوئی نہیں کا مفہوم

جواباً کہا جائیگا کہ آل محمد ﷺ سے مراد اگر سیدہ فاطمہ زہرا اور ان کے برادر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما

ہوں یا حضرت سیدہ رضی اللہ عنہ کی اولاد پاک تو ان کا شیخین سے افضل ہونا مسلم ہے کیونکہ یہ نفوس قدس رسول ﷺ کے جگر پارے ہیں اس پر اگرچہ گفتگو پہلے ہو چکی ہے، تاہم یہاں تقاضائے مقام کی خاطر دوبارہ ذکر کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا محدث ابن حجر کی رحمہ اللہ نے فرمایا ”واما ما وقع فی طبقات ابن السبکی عن بعض المتأخرین من تفضل الحسینین من حیث انهما بضعة فلا ینا فی ذالک لما قد مناه ان المفضل قد توجد فیہ مزیة لیس فی الفاضل، علی ان هذا تفضیل لا یرجع لکثرت الثواب بل لمزیة شرف ففی ذات اولادہ ﷺ من الشرف مالیس فی ذات الشیخین ولکنهما اکثر ثوابا واعظم نفعاً للمسمین والا سلام واخشیٰ للہ و اتقیٰ ممن عد اهما من اولادہ ﷺ فضلا عن غیرہم (الصواعق المحوقہ ۵۹)

ترجمہ: امام سبکی رحمہ اللہ نے طبقات کبریٰ میں بعض متأخرین سے جو یہ نقل کیا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہما چونکہ جگر گوشہائے رسول ﷺ ہیں اس لیے وہ شیخین سے افضل ہیں یہ نقل شیخین کی افضلیت کے منافی نہیں کیونکہ ہم پہلے تحریر کر آئے کہ مفضل میں ایسی خوبی پائی جاتی ہے جو فاضل میں نہیں ہوتی علاوہ ازیں حسین اور آپ کی اولاد پاک میں جو فضیلت پائی گئی ہے اس کی وجہ کثرت ثواب نہیں بلکہ یہ شرف اور یہ فضیلت اولاد رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ شرف شیخین کی ذات میں نہیں، لیکن شیخین کی افضلیت اس سے وجہ ہے کہ وہ کثرت ثواب کے حامل اسلام اور مسلمانوں کے عظیم محسن اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والے اور سب سے زیادہ تقویٰ شعار، یہ فضائل رسول اللہ ﷺ کی اولاد پاک میں بھی نہیں پائے جاتے اور تو اور رہے۔ کاش سید صاحب سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کا فرمان دربارہ افضلیت شیخین تصفیہ مابین سنی و شیعہ کے ص ۲۳ پر بھی دیکھ لیتے اور ذیلی حاشیہ بھی ملاحظہ کر لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ رئیس المجد دین کا افضلیت شیخین میں عقیدہ کیا ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ آل رسول پاک ﷺ سے کسی کو بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ مساوات نہیں۔

سید صاحب نے بحوالہ طبرانی حدیث نقل کی ہے جس کا متن یہ ہے ”اول من اشفع له یوم القیامة من امتی اهل بیتی، ثم الاقرب فالاقرب من قریش ثم الانصار ثم من امن بی و

اتبعنی من الیمن ثم سائر العرب ثم الا عاجم ومن اشفع له او لا افضل“ (زبدۃ : 300)

سید صاحب کا اس پر تبصرہ یہ ہے کہ میں پوری امت میں سے سب سے پہلے اپنی اہل بیت کی شفاعت کروں گا یہ صغریٰ ہوا اور جس کی میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ سب سے افضل ہے یہ کبریٰ ہوا نتیجہ منطقیہ یہ ہوا کہ میری اہل بیت پوری امت سے افضل ہے تفصیل میں جا کر کہا کہ جملہ صحابہ کرام امتی ہیں اور صرف اہل بیعت ہی اہل بیت ہیں اور اہل بیت جملہ اقسام امت سے افضل ہیں۔

(۳۰۱ء)

### اہل بیت بھی امتی ہیں

جواباً کہا جائیگا کہ اہل بیت بھی امتی ہیں اور اس کی دلیل اول من اشفع له یوم القیامتہ من امتی ، اہل بیٹی کا پورا جملہ ہے یہ من تبعیضہ یا بیانہ ہے، معنی یہ ہوگا کہ پوری امت سے بعض جن افراد کی سفارش پہلے کرونگا وہ میری اہل بیت ہے بیانہ ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اہل بیت بھی امت ہیں لیکن ان کی افضلیت کی وجہ سے ان کی شفاعت پہلے کرونگا جس طرح صحابہ کرام امتی ہیں اسی طرح اہل بیت بھی امت ہیں اللہ کا ارشاد کنتم خیر امۃ ، الامۃ بل اتفریق سب کے لیے ہے ہر کلمہ گو مسلمان رسول اللہ ﷺ کا امتی ہے، امتی کے مفہوم عام سے من تبعیضہ کے ذریعے ایک فرد ایک قسم (اہل بیت) کو بقیہ اقسام سے ممتاز کیا گیا ہے اور اولیت دی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث کا حقیقی محمل کیا ہے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ شفاعت کرنے کے لیے شفاعت کئے جانے والے فرد، افراد کا گنہگار اور دوزخی ہونا ضروری ہے اگر وہ حصول جنت کے شرائط اور معیار پر پورا اترتا ہو یا منجانب اللہ اس کو جنت کی بشارت دنیا میں دے دی گئی ہو تو وہ گنہگار ہے نہ دوزخی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد موجود ہے شفاعتی لا اهل الکبائر من امتی ، (ترمذی ابو داؤد، ابن ماجہ) رسول اللہ ﷺ بڑے مجرموں کی شفاعت فرمائینگے۔ اہل بیت سے مراد کون ہیں؟ اس میں پانچ قول ہیں۔

۱۔ آل کساء یعنی علی، حسن، حسین سیدہ فاطمہ الزہراء علیہم السلام ہیں صحابہ میں سے ابو سعید

الجزری رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے خاص کر مجاہد رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور اس پر روایات کثیرہ پائی جاتی ہیں۔

۲۔ جمہور کا قول ہے اہل بیت کا لفظ امہات المؤمنین اور آل عبا دونوں کو شامل ہے۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس صحابہ میں سے اور حضرت عکرمہ کا تابعین سے قول یہ ہے کہ اہل

بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں

۴۔ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقة میں امام ثعلبی سے نقل فرمایا کہ اہل بیت سے

مراد بنو ہاشم اور بیت سے مراد بیت النسب ہے تفسیر خازن میں زید بن ارقم کا یہی قول منقول ہے۔

۵۔ پانچواں قول خطیب شربنی کا ہے جس کو سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے نقل فرمایا ہے کہ اہل

بیت سے مراد سب تعلق دار ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد علیہم السلام ہے اور وہ خدام ہیں جن کا

تعلق رسول ﷺ کے ساتھ ممتاز بدرجہ لزوم تھا۔ جیسے سلمان فارسی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد

گرای ہے سلمان منا اهل البيت کہ سلمان اہل بیت سے ہے۔ (کلباسن تصفیہ مابین سنی

وشیعہ۔ ۵۱۲)

آل عبا، ازواج مطہرات اور سلمان فارسی کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ بوجہ گنہگاری

محتاج شفاعت ہونگے کیونکہ یہ حضرات دنیاوی زندگی میں ہی جنتی ہونے کی بشارات سن چکے ہیں تو

لا محالہ اہل بیت سے مراد وہ تعلق دار یا بنو ہاشم ہونگے جو کسی وجہ سے آپ کی شفاعت سے محتاج ہونگے

جو لوگ اہل بیت ہو کر محتاج شفاعت ہیں وہ شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل کس طرح ہو سکتے ہیں جن کی

افضلیت پر قرآن حدیث اور اجماع امت نے مہر تصدیق ثبت فرما رکھی ہے۔

۲۔ ومن اشفع له اولاً افضل سے مراد وہ اہل بیت ہیں جو محتاج شفاعت ہیں بوجہ

قرابتداری اور نسبی تعلق کے میں ان کی شفاعت پہلے کروں گا پھر قریش اور ان میں قریبی لوگوں کی پھر

اہل یمن، پھر بقیہ اہل عرب، پھر عجمی لوگوں کو اپنی شفاعت سے سرفراز فرماؤں گا جن کی شفاعت پہلے ہو

گی وہ افضل ہیں کیونکہ میرے قرابتداری تعلق دار ہیں۔ جس طرح علی الاطلاق اہل بیت سے مراد

تمام اہل بیت نہیں بلکہ قابل شفاعت اہل بیت ہیں اسی طرح افضل سے مراد افضلیت علی الاطلاق نہیں تاکہ یہ کہا جاسکے کہ اہل بیت تمام صحابہ بشمول خلفاء اربعہ سے افضل ہیں بلکہ یہ افضلیت بیان کیے گئے قابل شفاعت لوگوں کے لحاظ سے ہے قابل شفاعت اہل بیت کسی بھی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتے کیونکہ غوث صدیقی شہباز لامکانی شیخ عبدالقادر جیلانی نے حضرت ابو ہریرہ کی زبانی یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرا جو صحابی کسی مقام پر فوت ہو جائے وہ اس زمین والوں کے لیے شفیع بنا دیا جائیگا۔ (غنیۃ: ۲۶۹) معلوم ہوا صحابی رسول محتاج شفاعت نہیں بلکہ شفیع ہے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو بدوں حساب و کتاب جنت میں داخل ہو گئے محبت الدین طبری نے نقل فرمایا ابو بکر اور ان سے محبت کرنے والے بدوں حساب و کتاب جنت میں داخل ہو گئے (الریاض النضرۃ - ۱: ص: ۱۶۵) حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ”کل الناس یحاسب یوم القیامۃ الا ابابکر (ابونعیم) ، کنز العمال . ۱۱ .

(۲۵۵) تمام لوگوں کا حساب و کتاب ہوگا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس صورت حال میں اہل بیت جو محتاج شفاعت ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل کیسے ہوئے؟ یہ مفاضل محتاج شفاعت اہل بیت اور دیگر قریش اہل یمن اہل عرب اور اہل عجم کے درمیان ہے اس سے تمام صحابہ عشرہ مبشرہ بیعت الرضوان اُحد والے اور خلفائے اربعہ کے درمیان مفاضلہ پیدا کرنا غلط ہے۔

۳۔ اگرچہ بظاہر یہ حدیث مرفوع ہے مگر عموم معنی مراد لینے سے آیات، احادیث اور اجماع کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ شیخین کی افضلیت ان ادلہ ثلاثہ سے ثابت ہے۔

۴۔ اگر اہل بیت کی تاویل محتاج شفاعت اہل بیت سے نہ کی جائے تو ان احادیث کے ساتھ اس حدیث کا تعارض اور تضاد لازم آتا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے شیخین کی افضلیت بیان فرمائی ہے۔ نیز یہ خبر واحد ہے اس کے مقابل احادیث مرفوعہ ہیں جو راجح ہیں اور یہ مرجوح ہے۔

حضرت عمر حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بارش کیلئے دعا کرانے کیوں حاضر ہوئے  
سید صاحب نے تحریر کیا کہ جناب عمر فاروق عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اہل  
بیت کو کل امت سے افضل سمجھ کر اور پورے یقین سے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص سے دعا کروں گا جس  
کی وجہ سے بالیقین بارش ہوگی۔ (زبدۃ - ص 303) بروایت امام بخاری لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ  
کے پاس دُعا کے استفتاء کے واسطے آئے، سوال یہ ہے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں  
آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کیا تھے؟ خلیفہ یا ایک عام مومن؟ لوگ اسی لیے آئے آپ  
خلیفہ تھے۔ حضرت عباس اور دیگر بنو ہاشم آپ کی بیعت پر تھے۔ انہوں نے یہ بیعت اپنے سے افضل  
سمجھ کر کی یا مفضول سمجھ کر؟ اصول اسلام کے مطابق افضل کی موجودگی میں مفضول خلیفہ ہو ہی نہیں  
سکتا اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ افضل الامت تھے تو لوگوں نے تاج خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ  
کے سر کیوں رکھا؟ ان کی بیعت اور اطاعت کیوں کی؟ صحابہ نے حضرت عباس کی حق تلفی ہوتے دیکھ کر  
خاموشی کیوں اختیار کی؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر بنی ہاشم نے کتکے اعتراض کیوں نہ اٹھایا؟  
حیدر کرار کی ذوالفقار بنی ہاشم کے تیغ و سنان اپنی اپنی کمین گاہوں میں کیوں چھپے رہے؟ حق و صداقت  
کی زبانوں کو تالے کیوں لگ گئے عدل و انصاف کا پیغامینہ کی فضاؤں میں کیوں نہیں بولا ابھی تو  
رسالت کے انوار اور وحی کے آثار باقی اور مدینہ کی فضاؤں میں دمک رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے  
قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے مدینہ کے گلی کو چے خوشبوئے رسول اللہ ﷺ سے آشنا ہیں مدینہ  
کے دروہام پر رُخ و الضحیٰ کی شوخی حسن زندہ ہے رسول اللہ کے تذکرے آمد رسول کا مغالطہ دے رہے  
ہیں۔ ہر مومن کے دل میں حب رسول کے جلوے تابندہ ہیں تو پھر کیوں تسلیم کیا جائے کہ صحابہ نے  
خلافت عمر فاروق کا فیصلہ صحیح نہیں فرمایا۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق کے لیے  
تفویض خلافت کا حکم ایک کاغذ پر جاری فرمایا، صحابہ نے صحیفہ آسمانی کی طرح اس کو سینے سے لگایا اور سر  
تسلیم خم کئے ماننا پڑے گا کہ عمر فاروق کی شخصیت بار خلافت کے لیے موزوں اور افضلیت کے عنوان  
میں صحابہ کے نزدیک مسلم تھی عظمتوں کے اس پیکر نے در عباس رضی اللہ عنہ پر جو حاضری دی اس کا

مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت عباس کی رگوں میں بھی وہی خون رواں دواں ہے جس خون نے عبدالمطلب کو رسول اللہ ﷺ کی صورت میں پوتا اور حضرت عبداللہ کے گھر بیٹا دیا تھا۔ یہ خون کا تقدس اور قرابت کی عظمت تھی جو خلیفہ وقت عمر فاروق کو درعباس رضی اللہ عنہ پر لے آئی۔ اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب عباس رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھا تو بھی اس عظمت اور افضلیت کی تہوں میں نسبت رسول اللہ ﷺ ہی کا فرما ہے۔ خون رسالت، اور خون عباس کی وحدت اپنی جگہ مسلمہ حقیقت ہے مگر جناب عمر فاروق کا جناب عباس رضی اللہ عنہ کو افضل الامت سمجھنا اور اسی بنیاد پر درعباس رضی اللہ عنہ پر حاضر ہونا محال ہے کیونکہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع صحابہ میں جناب ابی عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی معیت میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو انت خیرنا و افضلنا کہہ کر افضلیت ابو بکر صدیق کی قطعیت پر اجماع کی مہر لگانے والے عمر ہی ہیں جناب عباس رضی اللہ عنہ کے در پر حاضری خاندان نبوت کا فرد ہونے کی وجہ سے ہے افضل الامت ہونے کی بناء پر نہیں سید صاحب کا تبصرہ غلط اور بے بنیاد ہے۔

سید صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباس کی تقریر پر اپنے تبصرہ میں لکھا،، جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جناب مولانا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنے کے بعد یہ کہنا ”وہ مومنین اور متقیین سے افضل تھے اور ہر اس شخص سے اکرم تھے جس نے زقیص پہنی اور چادر اوڑھی“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اظہار عقیدہ تھا۔ (زبدۃ - 313)

جواباً تحریر کیا جاتا ہے:- کہ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ مومنین اور متقیین سے افضل تھے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، متقی ہونا اور بات ہے، اور اٹھی ہونا اور بات ہے متقی کلی ہے اور اٹھی جزئی حقیقی ہے متقی اسم فاعل ہے، اٹھی اسم تفضیل ہے اسم تفضیل اپنے موصوف میں اس فضل اور اس خوبی کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے جو خوبی دوسروں میں پائی جاتی ہے، متقی وہ ہے جس میں تقویٰ کی خوبی پائے جائے، اٹھی وہ ہے جس میں یہ خوبی (تقویٰ) دوسروں کی بہ نسبت زیادہ پائی جائے، جس میں زیادہ پائی جائیگی وہ مفضل ہے، اور جن میں اس سے کم پائی جائیگی وہ مفضل علیہم ہونگے، اسم تفضیل اپنے موصوف کی

انفرادیت اور یکتائی پر دلالت کرتا ہے، جبکہ متقی اس وصف سے موصوف ہر فرد کو اپنے موصوف کے ساتھ شراکت کی اجازت دیتا ہے۔ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ متقین اور مومنین کے سردار ہیں جبکہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ائشی اور ائقی تھے اور یہ انہی کا طرہ امتیاز اور خاصہ لازمہ تینہ ہے محمد بن زبیر سے ابن عساکر نے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ انہیں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا کہ یہ پوچھاؤ کہ کیا رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیق کو اپنا نائب بنانا چاہتے تھے؟ حضرت حسن بصری سیدھے ہو کر بیٹھے اور فرمایا کہ کیا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو اس میں کوئی شک ہے؟ تیرا باپ مرے: ہاں قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے بغیر کوئی الٰہ نہیں، البتہ بیشک ان کو خلیفہ بنانا چاہا تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ جاننے والے اور اللہ سے زیادہ ڈرنے والے (ائقی) تھے۔

محدث ابن جوزی نے کہا: اجمعوا علی انہا نزلت فی ابی بکر“ (تاریخ الخلفاء ۲۹)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: ”اجمع المفسرون علی ان المراد بالائقی ابو بکر“

محدث ابن جوزی اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ائقی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اس پر تمام اہل سنت کے محدثین اور تمام مفسرین کا اجماع ہے۔ محدث ابن حجر کی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”ففیہا التصریح بانہ اتقی من سائر الامۃ“ (الصواعق المحرقة ۶۶)

جب یہ امر محقق ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پوری امت میں افضل ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مومنین اور متقین سے افضل تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ائقی ہونے کے معارض اور منافی نہیں؟

۲۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول جناب صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ کے ائقی ہونے کے معارض ہے جیسا کہ سید صاحب نے سمجھ لیا ہے پھر بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مرجوح ہے اس لئے مرجوح ہے کہ اس کے مقابل سے سببہا التقی الا یہ نصّ قطعاً ہے جسکو بہر صورت ترجیح حاصل ہے۔ یہ راجح اور قول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مرجوح ہے۔

۳۔ یہ خبر واحد ہے حدیث موقوف ہے اس کے مقابل احادیث مرفوعہ اور اجتماع ہے جن کو ترجیح حاصل ہے۔

۴۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا عقیدہ اپنے بیان اور اپنی ہی روایت کے معارض ہے

جب آپ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا تو آپ نے اثناء

تبصرہ فرمایا: "ومن الله خانفًا فاق اصحابه و دعا وقناعة و زادها" (الرياض النضرة: ص ۵۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، تقویٰ اور قناعت میں سب صحابہ کو پیچھے چھوڑنے والے، نیکو کاری

کی حد کو پہنچنے والے ان جملوں کا مفہوم اور مدلول اٹنی بلکہ ہے۔

۵۔ آپ رضی اللہ عنہما کا عقیدہ اپنی روایت کے منافی ہے۔ "عن ابن عباس قال رایت

رسول اللہ ﷺ واقفا مع علی اذا قبل ابو بکر فصافحه النبي ﷺ وعانقه وقبل فاه ابی بکر

فقال ﷺ يا ابا الحسن منزلة ابی بکر عندی کمنزلی عند ربی خرجہ الملاء فی سیرتہ"

(الرياض النضرة. ۱. ۱۸۵)

ترجمہ:۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ

عنه کے ہمراہ کھڑے دیکھا، اسی اثناء میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے نبی کریم ﷺ نے ان سے

مصافحہ فرمایا: ان کا منہ چوما اور پھر ارشاد فرمایا اے ابالحسن (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) ابو بکر

کا مقام میرے ہاں اس طرح ہے جس طرح میرا مقام اللہ کے ہاں ہے یعنی جس طرح میں اللہ کے

ہاں افضل الکائنات ہوں اسی طرح ابو بکر صدیق میرے نزدیک انبیاء اور رسولوں کے بعد افضل

البشر ہے اس حدیث سے جو فوائد حاصل ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ عبد اللہ بن عباس کا عقیدہ اس روایت کے معارض ہے۔

۲۔ عبد اللہ بن عباس کا قول حدیث موقوف خبر واحد ہے اور یہ حدیث مرفوع ہے جو قطعی الدلالة اور

قطعی الحکم ہے۔

۳۔ اس حدیث کو جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی تائید اور توثیق حاصل ہے کیونکہ اس حدیث میں

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کو مخاطب فرما کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام اور مرتبہ

بیان فرمایا ہے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن عباس، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاضری اور سماعت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل البشر بعد الانبیاء والرسل فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مقابل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اور عقیدہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ محتاج تحریر نہیں۔

### طبرانی کبیر کی حدیث سے معارضہ اور اس کا جواب

حدیث یہ ہے۔ ”عن الحسن بن علی قال ، قال رسول الله ﷺ ادعوا لی سید العرب یعنی علی بن ابی طالب الحدیث“

(کنز العمال 13/36,448، طبرانی کبیر، ص. 88/3، حلیۃ الاولیاء ص. 102/1)

ترجمہ:- حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

میرے پاس عرب کے سردار کو بلاؤ یعنی علی ابن ابی طالب کو بلاؤ۔ (زبدۃ ص-318)

سید صاحب اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں کیونکہ وہ بھی العرب میں داخل اور شامل ہیں جب ابو بکر صدیق العرب میں شامل اور داخل ہیں تو مولانا رضی اللہ عنہما ان کے سردار ہو کر ان سے بھی افضل ہوئے۔

جولباً کہا جائے گا کہ بے شک جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ العرب کے اطلاق اور عموم میں داخل ہیں لیکن پھر بھی اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت اور رسالت کا دائرہ پوری انسانیت کو محیط ہے جس کے دو خطے ہیں خطہ عرب اور خطہ عجم، آپ کی امت بھی عرب و عجم کی پہنائیوں اور وسعتوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ حدیث پاک میں سید العرب ہونے کی تخصیص ہے سید العرب والعجم ہونے کی تعیم نہیں اگر سید العرب والعجم ہونے کی تصریح ہوتی تو استدلال کرنا درست ہوتا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جناب صدیق اکبر سے افضل ہیں۔

۲۔ جبکہ اس کے مقابل امام طبرانی نے سلمہ بن اکوع سے روایت کر دہ حدیث نقل کی ہے، ”قال قال

رسول اللہ ﷺ ابو بکر الصديق خير الناس الا ان يكون نبى“ (تاريخ الحلفاء۔ ص ۳۵) ترجمہ :- سلمہ بن اوع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کے ابو بکر صدیق تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

۳۔ یہی امام طبرانی الاوسط، میں سعد بن زرارہ سے مروی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ:

”قال رسول الله ﷺ ان روح القدس جبريل اخبرني ان خير امتك بعدك ابو بكر (ايضا) ترجمہ :- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :- بے شک جبریل امین روح القدس نے مجھے خبر سنائی ہے آپ کے بعد آپ کی امت کا سب سے بہتر (افضل) انسان ابو بکر ہیں (رضی اللہ عنہ)

۴۔ کنز العمال 11/32578-251۔ ص۔ پر یہ حدیث موجود ہے ”لما خلق الله العرش كتب عليه بقلم من نور طول القلم ما بين المشرق والمغرب لا اله الا الله محمد رسول الله به اخذ وبه اعطى وامتة افضل الامم وافضلها ابو بكر الصديق (الرافعي، عن سلمان)

ترجمہ :- امام رافعی نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش عظیم کو پیدا فرمایا تو نور سے قلم کے ساتھ اس پر تحریر فرمایا :- قلم کی لمبائی اتنی ہے جتنی مشرق اور مغرب کی مسافت ہے۔ (کیا لکھا) لا اله الا الله محمد رسول الله، میری پکار اسی کی وجہ سے ہو گی۔ اور میری عطا بھی اسی کی وجہ سے ہو گی محمد (ﷺ) کی امت سب امتوں سے افضل ہے اور ان کی امت کا افضل ترین آدمی ابو بکر ہے۔

۱۔ تینوں احادیث مرفوعہ ہیں پہلی حدیث میں خیر الناس ہے دوسری میں خیر امتک، اور تیسری میں افضل الامت ہے جبکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث میں صرف سید العرب کا لفظ وارد ہوا ہے۔ فیصلہ کرنے میں آسانی اس لیے ہے کہ انسانیت کا لفظ العرب تک محدود اور محصور نہیں بلکہ کرۂ ارض پر پھیلی مری اور غیر مری انسانیت کو محیط ہے۔

۲۔ امت کا لفظ معنوی وسعت کی بناء پر جن و انس کو شامل ہے عرب کا لفظ نوع انسانی کے لیے مختص

ہے جب ابو بکر الصدیق کے لیے خیر الامتہ کا حکم صادر کر دیا گیا تو پھر آپ رضی اللہ عنہ ان تمام افراد سے افضل ہوئے جن کو رسول اللہ ﷺ کا امتی ہونے کا شرف حاصل ہے خواہ وہ انسان ہوں یا جن؟

۳۔ عرش عظیم کی تخلیق سے ہی افضلیت ابو بکر پر نور کی تحریر چلی آ رہی ہے جو دائمی، ابدی اور حتمی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ بار بار مختلف پیرائے میں آپ کی افضلیت کا اعلان فرماتے رہے اور جبریل امین آپ کو باخبر کرتے رہے ہیں جس کی افضلیت کو اللہ نے نور کے ساتھ قلم کے ذریعے خود اپنے دست قدرت سے تحریر فرمایا جس کی افضلیت کا فیصلہ اللہ وحدہ لا شریک نے تخلیق عرش سے فرما رکھا ہے جس کی افضلیت کا نور عرش کی رفعتوں اور عظمتوں میں چمک اور دک رہا ہے اگر ارضی کثافتوں کے اندھیروں اور جہالت کی شب و بجزور میں کسی کو نظر نہ آئے تو یہ کوتاہی نظر ہے نور کا تصور نہیں۔

۴۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث خبر واحد ہے مگر یہ تینوں احادیث مرفوعہ ہیں خبر واحد مفید ظن ہے۔ جس کا انکار معصیت نہیں کیونکہ اس کے مقابل احادیث مرفوعہ ہیں جبکہ احادیث مرفوعہ مفید ظن اور یقین ہیں جن کا انکار واضح گمراہی اور گنہگاری ہے۔

۵۔ ہر ولد صالح کا اپنے صالح اور لائق تکریم والد کے لیے اچھے جذبات رکھنا تعریفی کلمات کہنا اس کے لیے تعظیمی ضروریات میں سے ہے جناب حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو اوصاف اور خصائص کے موتی اپنے الفاظ میں پروئے ہیں ان سے سرمو انحراف و اعراض نہیں بلکہ جزو ایمان ہے کیونکہ ان سے ابو بکر صدیق کی افضلیت متاثر ہے نہ نفی ہوتی ہے۔ وجوہات کی تفصیلات اوپر آچکی ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے معارضہ اور اس کا جواب

سید صاحب نے لکھا کہ: ”اما العباس فمات وعلی عنده افضل الصحابة“

ترجمہ:- حضرت عباس رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک سب صحابہ کرام سے افضل تھے (زبدۃ- ص- 313)

جولیا کہا جائیگا کہ دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر بلا بھیجا۔ حضرت ابو بکر آئے  
 ”وقد اجتمعت بنو ہاشم الی علی فخطب فمدح ابابکر“ (الصواعق المحرقة، ص 14)  
 دوسری روایت۔ ”قد خل علیہم ابو بکر فتشهد علی فقل انا قد عرفنا فضلک وما  
 اعطاک اللہ ولم نفس علیک خیراً ساقہ اللہ الیک“ (الصواعق المحرقة، ص 15)  
 تیسری روایت: ”فالامة اجتمعت علی حقية امامة احد الثالثة ابی بکر وعلی والعباس“  
 خلاصہ۔ یہ ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر براجماع ہو گئے تو حضرت علی رضی  
 اللہ عنہ نے ان کو اپنے گھر بلا بھیجا آپ آئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر بنو ہاشم کی پوری جمعیت  
 موجود تھی ابو بکر رضی اللہ عنہ جب مکان کے اندر داخل ہوئے تو حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت  
 پڑھا پھر جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تمام بنو ہاشم کے قائد امام اور ترجمان کی حیثیت سے ضمیر جمع  
 اور بصیغہ جمع کے ساتھ کہا ہم آپ کے فضل اور دیگر جو جو خوبیاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں  
 ان کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور خیر کی جو برسات اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمائی ہے اس کا انکار یا تردید  
 نہیں کرتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بنو ہاشم کی برگزیدہ شخصیت ہیں شرافتوں اور عظمتوں کے پیکر  
 ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ بھی حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت اور خیریت کا برملا  
 اظہار اور اقرار کر چکے ہیں۔

۲۔ تمام صحابہ نے تین شخصیات ابو بکر صدیق، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم میں سے ایک  
 کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے مگر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے بیعت لینے  
 سے انکار کر دیا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی سے بیعت لینے کا کہا اور یہ باور کرایا کہ  
 سب سے پہلے (عباسؓ) بیعت کریں گے مگر حیدر کرار انکاری ہو گئے دیگر صحابہ کے ساتھ ان دو  
 حضرات نے بھی ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی یہاں انصاف عقل و شعور کی چشم کو کشا کرنیکی  
 ضرورت ہے، صحابہ کی پوری جمعیت جس طرح ابو بکر صدیق کو خلافت کے لیے موزوں قرار دیتی ہے  
 اسی طرح حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے متفق اور

تیار ہے۔ ان تین افراد کا انتخاب طویل بحث و تکرار کے بعد طے ہوا اور سامنے آیا ہے۔ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ہر طرح کی شوکت و دبدبہ اور افرادی قوت کے ہوتے ہوئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں کیوں دستبردار ہو گئے؟ اسکی واحد وجہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خیریت ہے جو اوپر بیان ہوئی اور جو بزبان علی رضی اللہ عنہ حصہ تاریخ نبی، سید صاحب کا حضرت عباس کے متعلق یہ تحریر کرنا کہ وہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے عقیدے میں واصل باللہ ہوئے غلط ہے۔

۳۔ یہ بات قرین قیاس ہی نہیں کیونکہ وہ اپنا عقیدہ پوچھنے والے کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار مرقومہ مذبتہ ص۔ ۵۱، ۵۲۔ کی روشنی میں بتا چکے ہیں وہ اشعار حدیث تقریری اور حکماً حدیث مرفوع ہیں ان کی موجودگی میں خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کا حوالہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

## امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سید صاحب نے محدث ابن جوزی کے حوالے سے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا کہ ان کے بیٹے نے ان سے پوچھا ”حدث ابی بحدیث سفینة فقلت یا ابہ ما تقول فی التفضیل قال فی الخلافة ابو بکر و عمر و عثمان ، فقلت فعلی بن ابی طالب قال یا بنی علی بن ابی طالب من اهل البيت لا یقاس بهم احد . ترجمہ: عبداللہ بن احمد حنبل کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے حدیث سفینہ بیان کی میں نے عرض کیا ابا جان آپ افضلیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا خلافت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں تو میں نے عرض کی تو پھر علی رضی اللہ عنہ کدھر گئے؟ آپ نے فرمایا اے بیٹے علی رضی اللہ عنہ تو اہل بیت میں سے ہیں ان کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔ (زبدۃ ص۔ 322)

جواباً کہا جائیگا کہ:- مذکورہ عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں۔

۱۔ شرف خلافت ۲۔ شرف تعلق اور شرف حسب، شرف خلافت کا تعلق زیادتی ثواب خدمت اسلام اور خدمت مسلمین سے ہے۔ اسلام اور مومنین کی منفعت عامہ سے ہے اور شرف حسب و نسب کا تعلق خاندان اور رشتہ داری سے ہے۔ ثواب کثیر کی بنیاد اسلام اور مومنین کی خدمت اور ان کی نفع رسانی پر

ہے پوری امت میں یہ اعزاز اور یہ امتیاز صرف شیخین کریمین کو حاصل ہے اسی لئے خلافت کے عنوان میں اُن کو افضلیت حاصل ہے جس طرح امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے شرف تعلق اور شرف حسب و نسب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر افضلیت حاصل ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد اور آپ کے داماد با اعتماد ہیں ان دو وجوہات کے ملا خطہ کرنے کے بعد مسئلہ افضلیت بے غبار ہو جاتا ہے، اور کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ محدث ابن حجر کی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ ۲۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے واضح ہو جاتا ہے کہ جمہور علمائے امت اور آئمہ اہل سنت کے نزدیک ترتیب افضلیت ترتیب خلافت پر ہے جو پہلا خلیفہ ہے وہی سب سے افضل ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اہل بیت سے ہونے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ وہ من کل الوجوہ تمام صحابہ سے افضل ہیں اگر ایسا ہوتا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فی البدیہی کہہ دیتے کہ علی رضی اللہ عنہ علی الاطلاق تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

۳۔ آپ کا تین خلفاء کا ترتیب خلافت کے اعتبار سے افضل قرار دینا بھی اس کی نفی کرتا ہے۔

۴۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا تینوں خلفاء کی افضلیت کو بیان کر کے چپ ہو جانا اور آپ کے بیٹے عبداللہ کا خصوصی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں از سر نو دوبارہ سوال کرنا اور آپ کا جواب دینا اس امر کی دلیل ہے کہ خلافت کے حوالے سے آپ کا عقیدہ افضلیت ابو بکر صدیق کا ہے۔

## امام ابوالحسن اشعری پر وارد شدہ اعتراض کا جواب

سید صاحب نے لکھا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اندھا دند داعی ہیں اور اس کی قطعیت کے مدعی ہیں جس میں ان کے اپنے سلسلہ تعلیمات کے علماء بھی ان کے ہم نوا نہیں اور علوم متداولہ کی روشنی میں وہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ثابت نہ کر سکے قطعیت تو دور کی بات ہے۔ اور اجماع کا دعویٰ بھی فرمایا جس کو وہ ثابت نہ کر سکے۔ (زبدۃ

جواباً کہا جائیگا کہ سید صاحب کا سارا بصرہ خلاف حقائق ہونے کی بدولت غلط اور مردود ہے۔ سید صاحب نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو تفضیلی ثابت کرنے کے لیے زبدۃ کے چار صفحات پر قلمی جو ہر دکھائے ہیں ان کی پیدائش سے لے کر وفات تک زمانہ تلمذ سے لے کر منصب اجتہاد اور مرتبہ امام تک تعلیمی مصادر کے ماحول سے لے کر خاندانی اور نسلی سلاسل کے ہر گوشہ کو یکجا کیا اور بالا آخر نتیجہ یہ نکالا کہ وہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اس لیے رکھتے تھے کہ وہ ہاشمی تھے۔ سبحان اللہ کیا وزنی دلیل ہے؟ واضح رہے کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بکر صدیق کی افضلیت اور اسکی قطعیت پر وہی عقیدہ رکھا اور بیان کیا ہے جس پر امام شافعی نے صحابہ اور تابعین کا اجماع ہونا بیان کیا ہے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے وہی کچھ کہا اور ثابت کیا ہے جو جمہور امت اور تمام اہل سنت کا متفق علیہ مذہب ہے۔

محدث ابن حجر کی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ”وقد اجمعوا ایضاً علی استحقا فہم الخلافۃ علی ہذا الترتیب لکن ہذا قطعاً کما مر بادلثہ مبسوطاً (الصواعق المحرقة، 59) ترجمہ:۔ اس پر اجماع ہے کہ خلفاء اربعہ اسی ترتیب خلافت کے مستحق تھے لیکن یہ ترتیب خلافت قطعاً ہے جیسا کہ پہلے اس پر دلائل کی تفصیل گزر چکی ہے محدث رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ ترتیب خلافت قطعاً ہے کیونکہ اس پر اجماع صحابہ ہے پھر آگے سوال نقل فرمایا۔ ”فان قلت لِمَ لم یکن التفضیل بینہم علی ہذا الترتیب قطعاً ایضاً حتی عند غیر الاشعری للاجماع علیہ“ ترجمہ:۔ جب اشعری اور غیر اشعری اس ترتیب خلافت پر اجماع کے قائل ہیں تو تفضیل بھی اسی طریقہ پر قطعاً ہونی چاہیے قلت سے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”امابین عثمان و علی فواضح للخلاف فیہ کما تقدم“ ترجمہ:۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں واضح اختلاف ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے اس لئے اس ترتیب خلافت پر تفضیل متفق علیہ نہیں اور نہ ہی قطعاً ہے۔

”واما بین ابی بکر ثم عمر ثم غیر ہما فہو وان اجمعوا علیہ الا ان فی کون الا

جماع حجة قطعية خلاف فالذى عليه الا كثرون انه حجة قطعية مطلقا فيقدم على  
الا دلة كلها ولا يعارضه دليل اصلا ويكفر ويبدع و يضلل مخالفه ﴿  
ترجمہ:- حضرت ابو بکر صدیق ان کے بعد حضرت عمران کے بعد حضرت عثمان ان کے بعد حضرت  
علی رضی اللہ عنہم افضل ہیں اگرچہ اس تفصیل پر بھی اجماع ہے مگر یہ اجماع حجت قطعیہ کیلئے مفید نہیں  
کیونکہ اس اجماع کے خلاف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی تفصیل کی اختلافی دلیل آگئی  
ہے لیکن اکثر اہل سنت کا ترتیب خلافت کی بنیاد پر ترتیب افضلیت پر بھی اجماع ہے جو مفید قطعیت  
ہے اس لئے اس اجماع کے منکر کی تکفیر کی جائے اس کو بدعتی کہا جائے یا اس کی تسلیل کے جائے سب  
جائز ہے۔ افضلیت قطعیہ کے منکر کو کافر نہ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسئلہ تفصیل بحسب الخلافۃ میں  
بعض اشاعرہ (اہل بصرہ و کوفہ) نے تفصیل عثمان و علی رضی اللہ عنہ میں اختلاف کیا ہے لیکن اکثریت  
افضلیت بحسب الخلافۃ کے طریقہ پر متفق ہے اس لیے افضلیت قطعی کی قائل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ  
بعض متکلمین ترتیب خلافت کو تو بوجہ اجماع قطعی مانتے ہیں لیکن ترتیب خلافت کے مطابق افضلیت کو  
قطعی نہیں مانتے کیونکہ ان کا موقف ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں  
اختلاف ہے اہل بصرہ و کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہیں  
اس بناء پر وہ ترتیب خلافت کے مطابق افضلیت کو ظنی قرار دیتے ہیں لیکن اکثر اشاعرہ متکلمین کا  
موقف یہ ہے کہ اکثر اہل سنت (جمہور) چونکہ ترتیب خلافت پر ہی ترتیب افضلیت کا عقیدہ رکھتے  
ہیں لہذا افضلیت قطعی ہے۔

محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ان الحق عند الاصولیین التفصیل المذکور و کان الا  
شعری من الاكثر بن القائلین بانہ قطعی مطلقاً" (الصواعق . ص . ۵۹)  
ترجمہ:- متکلمین کے ہاں وجہ اختلاف مذکورہ بالا کی تفصیل یہ ہے کہ بعض اشاعرہ عثمان و علی رضی  
اللہ عنہما کی تفصیل میں اختلاف کی وجہ سے بحسب الخلافۃ افضلیت کو ظنی مانتے ہیں اور اکثر اشاعرہ  
ترتیب خلافت پر افضلیت کو مطلقاً قطعی مانتے ہیں امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اکثر متکلمین میں

سے ہیں اس لیے انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی افضلیت بعد والوں پر قطعی ہے۔

محدث رحمۃ اللہ نے نقل فرمایا: ”اعلم ان الذی اطبق علیہ عظماء اللملقہ و علماء الامۃ ان افضل هذه الامۃ ابو بکر الصديق ثم عمر (الصواعق المحرقة، ص. ۵۷) ترجمہ: معلوم ہو کہ بے شک ملت کے عظماء اور اُمت کے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس امت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ عظماء ملت کون ہیں؟ صحابہ اور تابعین ہیں، اور علماء امت سے مراد کون ہیں؟ جمہور علمائے امت، جب یہ ثابت ہو گیا کہ صحابہ، تابعین اور جمہور علمائے امت کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہے تو یہ افضلیت قطعی ہوئی امام ابو الحسن اشعری کا یہی موقف ہے جو اجماع سے ثابت اور محقق ہے۔ محدث رحمۃ اللہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اجماع ہونے کی دلیل حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کا یہ قول بھی پیش فرمایا ہے:

”ان مالک رحمہ اللہ سئل ای الناس افضل بعد نبیہم؟ فقال ابو بکر ثم عمر ثم قال اوفی ذالک شک؟“ ترجمہ:۔ عبد اللہ مازری نے المدونہ سے روایت کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ ابو بکر اور پھر عمر رضی اللہ عنہما پھر فرمایا کیا ان کی افضلیت میں کوئی شک ہے؟ استفہام انکاری کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ساری امت میں شیخین کے افضل ہونے پر کسی کو شک نہیں، امام مالک رحمۃ اللہ کا یہ فرمان ثابت کرتا ہے کہ شیخین کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے امام مالک رحمۃ اللہ کا یہی قول امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ کے اس قول کی بھی تائید کرتا ہے: ”ان تفضیل ابی بکر علی من بعدہ قطعی (الصواعق ۵۸) ترجمہ:۔ بے شک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی افضلیت باقی تمام صحابہ پر قطعی ہے۔“

مندرجہ بالا تفصیل اس بات پر گواہ ہیں کہ امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ کا فرمان تھا ان کا قول نہیں بلکہ

اس قول کے پیچھے صحابہ، تابعین، جمہور علمائے اُمت اور تمام اہل سنت کی تائیدی قوت کار فرما ہے۔ سید صاحب کا یہ کہنا کہ امام ابوالحسن اشعریٰ افضلیت ابو بکر کے اندھا دھند داعی ہیں غلط ہے ان کی دعوت کی اساس صحابہ، تابعین، جمہور اور اہل سنت کا اجماع ہے، جو مفید قطعیت ہے۔ جہاں تک ان کے سلسلہ تعلیمات کے علماء کا ہم نوا نہ ہونے کا مسئلہ ہے محدث ابن حجر کی رحمتہ اللہ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ اشاعرہ کی اکثریت افضلیت قطعیت کی قائل ہے لہذا ان کا فیصلہ علی الاطلاق حجت قطعیت ہے۔

۲۔ اگرچہ اہل کوفہ نے حضرت علی کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دیا ہے مگر اہل سنت کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ محدث ابن حجر کی رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ: ”فلا کشرون و منهم الشافعی و احمد و هو المشہور عن مالک ان الا فضل بعد عثمان ثم علی، (الصواعق المحرقة . ص ۵۷) ترجمہ اہل سنت کی اکثریت جن میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل، و امام مالک خاص طور پر قابل ذکر ہیں کا موقف یہ ہے کہ ابو بکر صدیق، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان غنی افضل ہیں اور ان کے بعد حضرت علی افضل ہیں (رضی اللہ عنہما) پھر فرمایا: ”والحق فی ذالک التفصیل فما اتفق علیہ المعتبرون حجة قطعیت“ (الصواعق ایضاً) ترجمہ: پوری تفصیل جو اوپر گزر چکی ہے اس میں حق یہ ہے کہ جس چیز پر معتبرین امت کا اتفاق (اجماع) ہے وہ حجت قطعیت ہے ترتیب خلافت پر اجماع ہے لہذا ترتیب خلافت قطعیت ہوئی سید صاحب کا اجماع کی نفی کرنا غلط اور عقیدہ جمہور کے خلاف ہے۔

ترتیب خلافت سے پیدا ہونے والی افضلیت پر معتبرین امت یعنی صحابہ، تابعین جمہور اہل سنت کا اجماع ہے لہذا افضلیت ابو بکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما بھی قطعیت ہوئی اسی لئے امام ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ شیخین پوری امت میں افضل ہیں اور ان کی افضلیت قطعیت ہے، سید صاحب کا یہ کہنا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ ابو بکر صدیق کی افضلیت ثابت کر سکے ہیں نہ اس کی قطعیت قطعاً

غلط اور خلاف حقائق ہے۔

اہل بیت جنت میں رسول اللہ ﷺ کے ہم مجلس ہوں گے

لہذا وہ شیخین سے افضل ہیں اس کا تحقیق اور تفصیلی جواب

سید صاحب نے سلیمان بن ابراہیم قدوزی کی کتاب نیایع المودۃ بروایت ابی وائل تحریر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہم جب اصحاب رسول ﷺ شمار کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں ابو بکر عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم ایک شخص نے جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا تو بتاؤ علی کا کیا ہنا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا علی رضی اللہ عنہما اہل بیت میں ہیں ان کے برابر تو کسی کو بھی نہیں سمجھا جا سکتا وہ تو رسول اللہ ﷺ کی کلاس میں ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم انکی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔ اور ان کے اعمال سے کچھ بھی کمی نہیں کریں گے، تو نتیجہ یہ ہوا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا حضور کے ساتھ ان کے درجے میں ہوں گی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں کے ساتھ سمیت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہوں گے۔ (زبدۃ - ص - 323)

محب الدین طبری رحمۃ اللہ کی کتاب الریاض النضرۃ سے اسی سے ملتی جلتی بات تحریر کی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے ساتھ ان کے درجے میں ہوں گی اور علی رضی اللہ عنہ فاطمہ علیہا السلام ساتھ ہوں گے۔ محب الدین طبری نے اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر کیا کہ: ”وہذا ادل دلیل علی انہ لم یرد بسکوۃ عن ذکر علی فی الفضلیۃ وانما سکت عنہ کانه قال افضل الناس من اصحابہ لا من اہل بیته“ ترجمہ: بہت واضح دلیل ہے اس بات کی کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ذکر علی سے اس لیے خاموشی اختیار نہیں فرمائی کہ فضیلت علی رضی اللہ عنہ کے بار میں کمزور رائے رکھتے ہیں۔ بلکہ خاموشی صرف اس لیے اختیار فرمائی کہ جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ اظہار فرمادیں، گویا کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ صحابہ کرام سے افضل ہیں اہل بیت سے افضل نہیں۔

(زبدۃ - ص - 324)

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

جواباً کہا جائے گا کہ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ افضلیت کی دو جہتیں ہیں۔ (۱) کثرت ثواب خدمت اسلام، منفعت، مومنین۔ (۲) شرف حسب، اور شرف قرابت، موجبات کثرت ثواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تنہا اور یکتا ہیں اس لیے وہ تمام صحابہ بشمول اصحاب اہل بیت سب صحابہ سے افضل ہیں، خاندان نبوت کے اعتبار اور قرابتداری کے تعلق کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں سب کچھ ہونے کے باوجود یہ موجبات کثرت ثواب کے لیے مفید نہیں کیونکہ یہ بعض خاصا نھیں ہیں جو کثرت موجبات ثواب کے ہم پلہ نہیں یہی وجوہات اور ان پر مرتب ہونے والی افضلیت کا ذکر الصواعق المحرقة اور تکمیل الایمان کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے لیکن سلیمان ابن ابراہیم قدوزی حنفی متوفی 1294ھ کی کتاب نایب المودۃ، اور محب الدین طبری رحمۃ اللہ کی کتاب الریاض النضرۃ کے اقتباسات سے واضح ہو گیا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ بطور تواتر چلا آ رہا ہے۔ محدثین، محققین اور ہر دور کے آئمہ علماء کا نتیجہ فکر رہا ہے۔ نئی تحقیق کے عنوان، اور فکر جدید کے روپ میں روایات شاذہ، اخبار احاد اور اقوال ضعیفہ کے پردوں میں افضلیت ابو بکر کو چھپانے کی جو بھی سعی کی جائیگی وہ بے سود اور بے کار ثابت ہو گی کیونکہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر قرآن وحدیث اور اجماع کے لازوال جلوؤں کی ایسی برسات ہے جو روایات ضعیفہ اخبار واحدہ اور اقوال متعارضہ کے مواد کو خس و خاشاک کی طرح بہا کے لے جاتی ہے، عقیدہ افضلیت ایسی حقیقت ہے جو صبح قیامت تک ایمان اور اسلام کی بلند فضاؤں میں بدرکامل کی طرح چمکتی اور دکھتی رہے گی سلیمان بن ابراہیم قدوزی حنفی، محب الدین طبری رحمۃ اللہ نے سورہ طور کی آیت 21، ”والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم وما التنا من عملهم من شیء“ نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ففاطمة مع ابیہا علیہا السلام فی درجته وعلی معہما مع الحسن والحسین“ (زبدۃ. 232) ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ بھی کمی نہیں کریں گے تو نتیجہ یہ ہوا کہ جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا حضور کے ساتھ ان کے

درجے میں ہوں گی اور علی مرتضیٰ ان دونوں کے ساتھ سمیت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہونگے سب سے پہلے اس آیت کی تفسیر معلوم کرنا ضروری ہے کہ آیہء مقدسہ کا حقیقی مدلول اور صحیح محمل کیا ہے؟ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ نے نقل فرمایا: ابن مردویہ اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ: "ان النبي ﷺ قال اذا دخل الرجل الجنة سال عن ابويه وزوجته وولده فيقال له انهم لم يبلغوا درجتك و عملك فيقول يارب قد عملت لى ولهم فيئو مر با لحاقهم به، (روح المعاني، جلد ۱۳، جز ۱، ص: ۳۲)

ترجمہ:- بے شک بنی کریم ﷺ نے فرمایا جب بندہ مومن جنت میں رہائش پذیر ہوگا تو وہ اپنے والدین اپنی زوجہ اور اپنی اولاد کے بارے میں پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ اس کو بتایا جائیگا کہ وہ تیرے درجہ اور تیرے عمل تک نہیں پہنچ پائے (اس لیے ان کا ٹھکانہ وہ نہیں جو تیرا ہے) وہ بندہ پھر اللہ رب العزت کے حضور عرض کرے گا اے مرے پروردگار میں نے عمل اپنے اور ان کے لیے کیا تھا (اللہ اس کی التجاء قبول فرمائے گا) پھر حکم دیا جائے گا کہ اس کے والدین اس کی بیوی اور اس کی اولاد کو بھی اسی درجہ میں لایا جائے اور ان کو اس بندے کے ساتھ منسلک کر دیا جائے۔ علامہ آلوسی کی نقل فرمودہ اس حدیث مرفوع سے ثابت ہوا کہ ابتدائی مرحلہ میں جنت میں ان کا درجہ ان کے اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔ والدین، بیوی، اور اولاد اس کی معیت سے دور اور اوچھل ہونگے اسی لیے تو وہ ان کے بارے میں سوال کرے گا پھر اس کی خواہش اور التجاء پر ان کو بھی اس کے ہم درجہ اور ہم مجلس بنا دیا جائیگا، گویا یہ آیت مومنین، صالحین کے لیے ہے نبی کریم ﷺ کی ذریتہ طیبہ طاہرہ کے لیے مفید ہے نہ محل اشتہاد، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوگوں کے حسد کرنے کی شکایت کی آپ نے فرمایا: "اما ترضى ان تكون اول من يدخل الجنة انا وانت والحسن والحسين وازوجنا عن ايماننا وشمائلنا وذريتنا خلف ازواجنا" ترجمہ:- اے علی کیا تو اس پر خوش نہیں کہ سب سے پہلے میں اور تم اور حسن اور حسین بہشت میں داخل ہوں گے اس حالت میں کہ ہمارے دائیں بائیں ہماری بیبیاں ہونگی اور

ہماری اولاد ہماری بیبیوں کے پیچھے ہوگی، (تفسیر روح البیان، تصفیہ مابین، سنی و شیعہ) اس سے واضح ہوا کہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسین رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور دیگر ذریعات اکٹھے ہونگے، رسول اللہ ﷺ کو ان کے مدارج اور مراتب کا علم ہوگا، پوچھنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

۲- حدیث علی رضی اللہ عنہ سے واضح ہوا کہ یہ معیت صرف جنت میں داخلہ کے وقت ہوگی دخول جنت کے بعد ہر فرد اپنے اپنے عمل کی بناء پر مراتب، جنت پر فائز ہوگا۔ جنت میں رسول اللہ ﷺ کا مقام بحیثیت نبی اور رسول اور بحیثیت حاشر اور حبیب اللہ سب سے اعلیٰ اور بلند ہوگا اور وہ مقام صرف اور صرف آپ کو ہی ارزاں ہوگا حضرت علی اور دیگر افراد اہل بیت نہ نبی ہیں نہ رسول لہذا ان کا درجہ انبیاء کے مدارج سے کم ہوگا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جنت میں داخلے کے وقت معیت خاصہ کا ذکر تو فرمایا مگر وحدت درجہ کا ارشاد نہیں فرمایا۔

۳- سیاق کلام بھی اس استدلال کی نفی کرتا ہے جو سلیمان بن ابراہیم قندوزی اور محبت الدین طبری نے اس امر پر کیا ہے کہ حضرت علی حضرت فاطمہ اور حسین کریمین رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسی درجہ میں ہونگے، علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ نے نقل فرمایا: ”کلام مستانف مسوق لبیان حال طائفۃ من اهل الجنة اثر بیان حال الكل وهم الذين شاركتهم ذریتهم فی الایمان“ (روح المعانی) ترجمہ: . والذین امنوا الایہ۔ اس آیت کا ماقبل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں نئے سرے سے شروع ہونے والے اس کلام میں اہل جنت کے ایک گروہ کا حال بیان کیا گیا ہے اس سے قبل تمام اہل جنت کے حال کا تذکرہ تھا مگر اس کلام سے ایک مخصوص گروہ کا حال بیان کیا جا رہا ہے جن کی اولاد ان کے ایمان میں مشارکت رکھتی تھی لہذا مسوق کلام، اور بیان اہل بیت اطہار کو والذین امنوا، الایہ میں شمولیت کی اجازت نہیں دیتے۔

۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے نقل فرمایا کہ: بعض علمائے امت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ الزہراء سے افضل قرار دیتے ہیں، ان کی رائے ہے کہ حضرت عائشہ جنت میں رسول خدا کے ساتھ ہوں گی اور حضرت زہراء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اور اس سے انکار

نہیں کیا جاسکتا کہ مقام نبوت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بلند واقع ہے لیکن بعض احادیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں، فاطمہ، علی، حسن اور حسین ایک مکان اور ایک مقام میں ہوں گے، (تکمیل الاایمان-۱۷۴)

۵۔ اس آخری قول کی روشنی میں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسی مکان اور اسی مقام میں ہونگے تو سوال یہ ہے کہ اگر ہونگے تو اپنی وجہ سے نہیں بلکہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وجہ سے، اور پھر یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر پارہ رسول ہیں، اُن کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مکان اور ایک مقام پر ہونا کوئی محال یا ناممکن نہیں لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اسی جگہ، اسی مکان اور اسی مقام پر ہوگی تو پھر حضرت علی، حضرت فاطمہ، حسین کریمین رضی اللہ عنہم کی کیا خصوصیت باقی رہی؟

۶۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسین کریمین رضی اللہ عنہم ایک مکان اور ایک مقام میں ہونگے تو اس حدیث کا کیا جواب ہوگا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ثم سلوا الله لي الوسيلة فانها منزلة في الجنة لا ينبغي الا لعبد من عباد الله وار جوان اكون انا هو فمن سئل لي الوسيلة حلت له الشفاعة رواه مسلم"

ترجمہ: جو بعد ازاں مجھ پر درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا، پھر تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو، جنت میں وسیلہ ایک ایسا مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے کوئی بندہ بھی اس کے لائق نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی اس مقام وسیلہ کے لائق اور اس کا حقدار ہوں، پس جو شخص میرے لیے اس مقام وسیلہ کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا میری شفاعت اس کے لیے حلال ہوگی، لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ کا حصر اور قصر وار جوانا اكون انا هو کی استثناء و دلالت کرتے ہیں جنت میں آپ کا مقام الوسیلہ ہوگا جس میں کوئی دوسرا شریک اور مصاحب نہیں ہوگا۔ اگر نص قرآنی سے بطور اشارۃ النص اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ جنت میں جو مقام رسول اللہ ﷺ کا ہوگا آپ

کی ذریت طیبہ طاہرہ بھی آپ کے ساتھ اسی مقام اور اسی مکان میں ہوگی تو پھر بھی جناب حیدر کرار کے لیے یہ وحدت مکانی، اور ہم نشینی وجہ اختصاص نہیں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی دنیا اور جنت میں رفیقہ حیات ہیں وہ بھی آپ کے ساتھ اسی مقام اور اسی مکان میں ہوگی، اُن کا مقام اور درجہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہونے کے لحاظ سے ہوگا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بحیثیت بضعة النبی ﷺ وہاں موجود ہوں گی جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات حسین کریمین رضی اللہ عنہما حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے توسل سے وہاں موجود ہوں گے، لیکن حضرات شیخین کا مقام انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے بلند ہوگا اللہ تعالیٰ ان کو درجات کی بلندی ان کے کثرت ثواب کی وجہ سے عطا فرمائے گا امام ترمذی ابی سعید حذری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان اهل الدرجات العلی لیراهم من تحتهم كما ترون النجم الطالع فی افق السماء وان ابابکر و عمر منهم وانعماء. ترجمہ: جنت میں بلند ترین درجات پر فائز لوگوں کو نچلے درجات والے لوگ ایسے دیکھیں گے جیسے آسمان کے افق پر طلوع ہونے والے ستارے کو تم دیکھتے ہو اور بے شک ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہیں بلکہ ان کے درجات کی بلندی اس سے بھی زیادہ ہے، معلوم ہوا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درجات کی بلندی سب سے زیادہ ہے کیونکہ انبیاء اور رسولوں کے بعد یہ افضل البشر تھے، اللہ تعالیٰ نے جنت میں بھی ان کو وہی درجات عطا فرمائے ہیں جو افضل البشر بعد از انبیاء کے ہی ہو سکتے ہیں۔

سید صاحب نے تحریر کیا:۔ امام ابوالحسن اشعری نے اہل سنت کے پانچ گروہ ذکر کئے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اگر اہل سنت کا اتفاق فضیلت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہو چکا تھا تو پھر پانچ مختلف گروہ ہو کر سارے ہی اہل سنت کیسے ہوئے؟ (زبدۃ ص۔ 327)

جو ابابا کہا جائے گا کہ سید صاحب کو مغالطہ لگا ہے یا وہ سادہ لوح کم علم لوگوں کو مغالطہ دینا

چاہتے ہیں امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ نے فرمایا: ”قولہم فی افضل الناس بعد الرسول واختلفوا فی التفضیل. ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں میں افضل کون ہے؟ ان

میں لوگوں کا اختلاف یہ اختلافی اقوال ہیں، اہل سنت کے یہ اقوال نہیں اہل سنت کے صرف تین قول ہیں۔

۱۔ افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیق ثم عمر ثم عثمان ، ثم علی رضی اللہ عنہم۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں، پھر عمر ہیں پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم

۲۔ سب سے افضل رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکر ہیں پھر عمر ہیں پھر علی اور پھر عثمان ہیں۔

۳۔ سب سے افضل ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان، یہ تجزیہ اور مفاضلہ صحابہ کرام کا تھا، جن میں قول ابو ہریرہ مشہور اور منقول ہے۔ (زبدۃ ص-272)

۲۔ یہ قول بعض اہل کوفہ اور اہل بصرہ کا ہے یہ قول مرجوح ہے کیونکہ اس کے مقابل صحابہ تابعین اور جمہور امت کا متفق علیہ قول ہے ترتیب خلافت کے حوالے سے اس قول کو اجماع کی تائید حاصل ہے الصواعق المحرقة کے حوالے سے تھوڑا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اکثر متکلمین کے نزدیک ترتیب افضلیت کی بنیاد ترتیب خلافت ہے جس طرح خلافت پر اجماع ہے اسی طرح افضلیت پر بھی اجماع ہے اہل سنت کے پانچ اقوال کا مسئلہ کہاں سے آگیا؟ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ کے نزدیک پہلا قول ہی اہل سنت کا قول ہے اور وہ ترتیب خلافت پر ترتیب افضلیت ہے۔

سید صاحب نے لکھا کہ امام استاد، ابو منصور عبدالقادر بن طاہر التمیمی البغدادی متوفی 429ھ اپنی کتاب اصول الدین صفحہ 397 پر تحریر فرماتے ہیں کہ تابعین میں پہلے متکلم عمر بن عبدالعزیز تھے ان کا ایک بیخ رسالہ ہے جو فرقہ قدریہ کے خلاف ہے پھر دوسرے متکلم اہل سنت (علم عقیدہ کے ماہر) زید بن علی ہیں، جن کی ایک کتاب قدریہ کے رد میں ہے، سید صاحب نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں سے یہ دریافت ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت شیخین سے افضل جان کر نہ صرف سنی رہے بلکہ اہل سنت کے امام تسلیم ہوئے۔

جواباً کہا جائے گا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کا عقیدہ تفصیل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نہ تھا

انہوں نے محمد بن زبیر حنظلی کو خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت میں بھیج کر تفضیل ابو بکر کی تفضیل اور طمانیت حاصل کی تھی ابن بطہ حنبلی کی روایت سے بحوالہ شرح فقہہ اکبر۔ ص۔ ۷۴۔ عمدۃ التحقیق جلد اول، اور اس جز میں بھی پہلے آچکا ہے۔ قدر یہ کہ خلاف لکھنے سے آدمی متکلم تو ہو سکتا ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ سنی بھی ہو سید صاحب نے زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کو تفضیلی لکھا ہے، ہمیں اس سے آگے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہاں یہ ضرور تحریر کریں گے کہ زید بن علی معتدل مزاج تھے، شیخین کی فضیلت عظمت، اور محبت میں ان کا مسلک تشددانہ نہ تھا۔

### کیا مسئلہ تفضیلی اجتہادی ہے؟ اس کی تحقیق و تشریح

سید صاحب نے قاضی ابو بکر باقلانی کی کتاب مناقب آئمہ اربعہ۔ ص۔ 695 کے حوالے سے لکھا کہ مسئلہ تفضیل اجتہادی ہے۔ زبدۃ۔ ص۔ 329۔

جواباً کہا جائے گا کہ مسئلہ تفضیل اولہ قطعہ سے ثابت ہے قطعہ ہے اجتہادی نہیں ہم سب سے پہلے ان آیات کو نقل کریں گے، جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئیں اور سید صاحب نے ان کو زبدۃ میں نقل کیا ہے اور یہ تحریر کیا کہ ان کا محل نزول جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

۱۔ الاتصروہ فقد نصرہ اللہ اذا خرجه الذین کفروا ثانی اشنین اذہما فی الغار الایہ۔ سورۃ توبہ آیت ۴۰ (زبدۃ۔ 88)

۲۔ والذی جاء بالصدق وصدق به الایہ (سورۃ الزمر۔ آیت ۳۳۔ زبدۃ۔ 89)

۳۔ شاورہم فی الامر (سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۵۹۔ زبدۃ۔ ایضاً)

۴۔ ولمن خاف مقام رجبہ جنتان (سورۃ رحمن۔ ۴۶۔ زبدۃ۔ ایضاً)

۵۔ هو الذی یصلی علیکن وملئکتہ الایہ۔ سورۃ الاحزاب۔ ۴۳۔ (زبدۃ۔ 90)

۶۔ ونزعنا ما فی صدورہم الایہ۔ سورۃ الحجر۔ ۴۷۔ (زبدۃ۔ ایضاً)

۷۔ حتی اذا بلغ اشده وبلغ اربعین سنہ الا الایہ (سورۃ الاحقاف۔ ۱۵۔ (زبدۃ۔ 91)

۸۔ ان الذی قال ربنا اللہ ثم استقاموا الایہ۔ حم سجدہ۔ ۳۰ (زبدۃ۔ 92)

۹. واتبع سبیل من اناب الی، لقمان. ۱۵. (زبدۃ. 93)

۱۰. ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعة الایہ. النور. ۲۲. (زبدۃ. 95)

۱۱. امن هو قانت آناء اللیل ساجداً او قائماً الایہ. الزمر. 96)

۱۲. ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا الایہ. حم

دجدۃ. ۴۰. (زبدۃ. 97)

۱۳. لا یتسوی منکم من انفق من قبل الفتح الایہ.: الحدید. ۱۰. (زبدۃ. 99)

۱۴. لاتجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حارب اللہ ورسولہ

الایة سورة المجادله. ۲۲. (زبدۃ. 100)

مندرجہ بالا ان آیات کے بارے میں تسلیم کیا اور اپنی زبدۃ میں تحریر کیا ہے کہ یہ آیات بینات جناب صدیق اکبر کی شان (افضلیت میں) میں نازل ہوئی ہیں اور پانچ احادیث بھی نقل کی ہیں، ان آیات کو جہود مفسرین کے علاوہ، امام جلال الدین سیوطی، محدث ابن حجر مکی، محبت الدین طبری رحمہم اللہ نے اپنی اپنی شہرہ آفاق تصانیف میں نقل فرمایا ہے اور سید صاحب نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے، یہ چودہ آیات جو ہم نے صفحہ وار سید صاحب کی کتاب زبدۃ سے نقل کی ہیں، اور جن پانچ احادیث کا حوالہ دیا ہے یہ زبدۃ ص- 105 تا 108 پر مندرجہ ہیں یہ سب دلائل قطعیہ ہیں اور سید صاحب کی اپنی قلمی ان کی کتاب میں موجود ہیں۔ سید صاحب ان کی قطعیت کا انکار کر سکتے ہیں نہ کوئی اور مسلمان، جب سید صاحب نے یہ تسلیم کر لیا اور لکھ دیا کہ یہ آیات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں اور یہ احادیث بھی ابو بکر صدیق کی شان میں وارد ہوئی ہیں تو ان کے شان نزول کو ذات صدیق اکبر رضی اللہ عنہما تک ہی محدود رکھا جائیگا اور کسی بھی اور صحابی کو اس میں حصہ دیا یا شریک نہیں بنایا جائیگا کیونکہ سید صاحب نے خود ایک اصول وضع کیا ہے اور اس کو بطور کلیہ نعرہ حیدری میں زیب قرطاس کیا ہے؟۔ ملاحظہ ہو: علامہ زرکشی لکھتے ہیں کہ جس جگہ کوئی شان نزول متعین ہو جائے پوری امت بھی اگر ملے تو نہ اس میں کمی کر سکتی ہے نہ بیشی کر سکتی ہے یعنی شان نزول کو پوری امت کے اجماع کے ذریعے

بھی خارج نہیں کیا جاسکتا، (نعرۂ حیدری۔ ص۔ ۱۱) ثابت یہ ہوا کہ ان چودہ آیات اور پانچ احادیث کا نزول و درود ابو بکر صدیقؓ کی شان میں ہوا ہے کوئی دوسرا فرد صحابی اس میں شریک اور حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ یہ آیات بینات اور احادیث دلائل قطعیہ ہو کر ابو بکر صدیقؓ کی افضلیت کے لیے مفید ہیں یہ مسلمہ اصول ہے کہ دلیل قطعی سے حکم قطعی ثابت ہوتا ہے جب یہ دلائل قطعیہ ہیں تو ان سے جو افضلیت ابو بکر ثابت ہوتی ہے وہ بھی قطعی ہے ظنی نہیں جب قرآن و حدیث کی روشنی میں قطعی ہے تو ظنی اور اجتہادی کیسے ہوئی ظنی تو تب ہوتی جب دلائل قطعی نہ ہوتے بلکہ باہم متعارض اور متضاد ہوتے یا مفاضلہ و اشخاص کے درمیان ہوتا مسئلہ زیر بحث میں آیات قرآنیہ نصوص قطعیہ ہیں اور ذات صدیق، اور شان صدیق پر قطعیت الدالالتہ ہیں، احادیث مرفوعہ ہیں جو قطعیت الدالالتہ ہیں تو افضلیت ابو بکر صدیق کیوں ظنی یا اجتہادی ہوئی؟ اور کیسے ہوئی؟

اجتہادی اس وقت ہوتی جب اس کا ثبوت اور وجود دلائل قطعیہ سے نہ ہوتا قرآن و حدیث کی نصی صد اقتوں کے انوار سے اس کے تمام گوشے منور نہ ہوتے قاضی ابو بکر باقلانی کا افضلیت کے منور اور مصدق چہرے پر اجتہاد و توقف کا مکدر اور مکروہ نقاب ڈالنا حکم قطعی کے قتل کرنے کے مترادف ہے جو لائق توجہ نہیں افضلیت ابو بکر صدیقؓ ایک ایسا امتیازی اور انفرادی موضوع ہے جسکی تفسیر، اور تکمیل میں محدث ابن حجر کی رحمہ اللہ نے بارہ آیات کریمہ اور ایک سو چودہ احادیث کوالصواعق المحرقة میں پیش فرمایا ہے۔ ایک صاحب علم و دانش اور صاحب الرائے شخص کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہے؟، کہ ایک طرف چودہ آیات قرآنیہ اور ایک سو چودہ احادیث سے ثابت ہونے والی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعیہ ہے اور دوسری طرف اکیلے قاضی ابو بکر باقلانی کا قول ذاتی ہے وہ کس کو مانے؟

حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روشنی میں افضلیت کو اجتہادی کہنا غلط ہے۔ کیونکہ مجتہد کو اجتہاد کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب مطلوبہ حکم پر قرآن و حدیث سے کوئی نص میسر نہ آئے، جہاں نص موجود ہو وہاں اجتہاد کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، مسئلہ افضلیت میں قرآن و احادیث کی نصوص کا ذخیرہ موجود ہے ان کے ہوتے ہوئے اجتہاد کیوں اور کیسا؟

سید صاحب اور باقلانی کا توقف، مگر کیوں؟

سید صاحب نے قاضی ابو بکر باقلانی کے قول اجتہاد کہ افضلیت اجتہادی مسئلہ ہے کے بعد باقلانی کے سہارے اور اتباع میں کہا ہے کہ افضلیت کے مسئلہ میں توقف کو ترجیح دینا چاہیے۔ باقلانی کی کتاب مناقب اربعہ ص۔ 513 سے یہ اقتباس بھی نقل کیا ہے: ”فا ما القائلون باننا نقف فیہم من

غیر قطع علی تفضیل احد منہم او قطع تساویہم فی الفضل فانہم اقرب الی الصواب واقدرو علی الاحتجاج۔ ترجمہ: یہ کہنے والے کہ ہم افضلیت میں ایک کو قطعی طور پر دوسرے سے افضل کہنے میں یا افضلیت میں قطعی طور پر آپس میں برابر کہنے میں توقف کرتے ہیں پس وہ لوگ درستی کے زیادہ قریب ہیں اور حجت شرعیہ میں غالب ہیں آگے تبصرہ میں کہا کہ:۔ امام ابو بکر باقلانی اشعری نے توقف کرنے والوں کو زیادہ حق بجانب پایا اور درستی کے زیادہ قریب پایا

۔ (زبدۃ ص۔ 330)

جواباً کہا جائے گا کہ سید صاحب نے باقلانی کا یہ قول اس سے قبل زبدۃ ص۔ 18 پر نقل کیا ہوا ہے اور اس پر اپنا تبصرہ بھی کر چکے ہیں، مگر من احب شیئنا فکثر ذکرہ کے تحت باقلانی اور ان کی کتاب اور ان کا عقیدہ سید صاحب کو بہت ہی محبوب ہیں اس لیے بار بار ان کا تذکرہ کرتے ہیں ان کا عقیدہ رقم کرتے ہیں یہ ان کی اپنی پسند اور مرضی ہے لا اکراہ فی الدین کے تحت اس معاملہ میں ان کو ہدف تنقید نہیں بنایا جاسکتا البتہ ہم اپنی بات ضرور کریں گے کہ ایک چیز کو بار بار ڈھرانے سے ہمیں عار محسوس ہوتی ہے، اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے دل و دماغ پر بوجھ لگتا ہے بامر مجبوری سید صاحب کے مکررات کا جواب دینا ہی پڑتا ہے اس سلسلہ میں قارئین سے معذرت خواہ ہیں ہر مکرر چیز کے جواب میں مناسبت مقام کے تناظر میں جدت کی کوشش بھی گئی ہے جو قابل احساس ہے بہر حال سید صاحب نے قاضی ابو بکر باقلانی کا دوسرا مشورہ اور دوسرا حکم یہ سنایا کہ مسئلہ تفضیل میں خاموشی سب سے بہتر ہے کسی کو کسی سے قطعی طور پر افضل نہ سمجھو اور نہ کہو جب کہ سید نے خود اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ہمارا اپنا عقیدہ بحیثیت سنی کے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بحیثیت

خلیفہ رسول اللہ ﷺ پر حق ہونے کے افضل الامت ہونے کا ہے یعنی سید صاحب نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ برحق اور افضل الامت کہا اور تسلیم کیا ہے یہ عقیدہ باقلانی تعلیمات کے خلاف ہے اور خود سید صاحب کے نظریہ فضیلت کے بھی مغاڑ ہے باقلانی نے پہلے مسئلہ افضلیت کو اجتہادی کہا اجتہاد، تقویٰ، تبحر علمی کے انوار بصیرت سے مسلح ہو کر غیر منصوص حکم کے لیے منصوصات میں غوطہ زن ہونے کا نام ہے اجتہاد مفید حکم اور مستزح حکم ہے جب کہ توقف خاموشی محض ہے جو سراسر اجتہاد کے منافی ہے اور حکم بالمنافات کس دنیا کا اصول اور کس علم کا قانون ہے؟ باقلانی ایک ہی مسئلہ میں متضاد موقف کے قائل ہیں۔ باقلانی کے دونوں موقف (اجتہاد و توقف) غلط ہیں۔ کیونکہ مسئلہ افضلیت اجتہادی اس لیے نہیں کہ اس کی تائید اور توثیق میں دلائل قطعیہ کا ایک معتد بہ ذخیرہ موجود ہے اور اس میں توقف کرنا اس لیے غلط ہے کہ اس کے معارض اور مقابل، صحابہ، تابعین اور اکثر (جمہور) اہل سنت کا اجماع موجود ہے۔

سید صاحب نے قاضی ابوبکر باقلانی کو اشعری لکھا جو حقائق کی روشنی میں غلط ہے ترتیب خلافت پر اشاعرہ اور غیر اشاعرہ کا اجماع ہے، مگر اس ترتیب خلافت پر اکثر اشاعرہ افضلیت قطعیہ کے قائل ہیں اہل کوفہ اور اہل بصرہ اس ترتیب خلافت پر متفق نہیں بلکہ وہ حضرت علی کو حضرت عثمان پر تقدیم دیتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے بعض اشاعرہ (متکلمین افضلیت فنی کے قائل ہیں، امام اہل سنت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا تعلق اشاعرہ متکلمین کی) کی اکثریت سے ہے اس لیے وہ ترتیب خلافت اور اس پر مرتب ہونے والی افضلیت کو قطعی مانتے ہیں باقلانی جو افضلیت کو اجتہادی کہتے اور اسمیں خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ ابوالحسن اشعری کے بعد دوسرے نمبر پر اشعری کیسے ہو سکتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ہو ابو بکر ثم عمر ثم علی بالنص والا جماع، والا فضلیة کذا لک لہما۔ (میزان العقائد) ترجمہ:- خلفاء وہ ابو بکر پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں ان کی خلافت نص اور اجماع سے ثابت ہے اس طرح ان کی افضلیت بھی نص اور

اجماع سے ثابت ہے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کلام سے روز روشن سے بڑھ کر واضح اور ثابت ہوا کہ خلفاء اربعہ کی خلافت نص اور اجماع سے ثابت ہے ترتیب خلافت کے لحاظ سے ان کی افضلیت بھی نص اور اجماع سے ثابت ہے۔

اس قول کی شرح میں فرمایا: ای بھذا الترتیب ای بترتیب الخلافة (شرح میزان العقائد) ترجمہ: لہذا الترتیب سے مراد ترتیب خلافت ہے یعنی خلفاء اربعہ کی افضلیت اسی طرح نص اور اجماع سے ثابت ہے جس طرح ان کی خلافت نص اور اجماع سے ثابت ہے شاہ صاحب کے اس تفصیلی اور وضاحتی بیان سے قاضی ابوبکر الباقلائی کے دونوں فارمولے باطل ثابت ہوئے اور عقیدہ اہل سنت کی حقانیت اور صداقت ضیائے شمس سے بھی زیادہ نکھر کر سامنے آئی، سید صاحب کے واویلا پر بھی کاری ضرب لگی کہ افضلیت ابوبکر صدیق پر اجماع ہوا ہی نہیں ہر دور کے صاحبان علم و دانش جانتے ہیں کہ شاہ صاحب اور ان کے خاندان کی علمی، تحقیقی اور فکری خدمات کا پرچم برصغیر کی فضاؤں میں کب سے لہرا رہا ہے؟ زمانہ گواہ ہے کہ علوم و فنون کی تشریحات، سلوک و تصوف کی تدقیقات اور حدیث و تفسیر کی توضیحات کی اولیات کا سہرا بھی اسی خاندان کے سر ہے۔

☆ جزاھم اللہ احسن الجزاء ☆

## سید صاحب کا مسئلہ اجتہاد یہ پر ایک ضمنی تبصرہ

مسئلہ اجتہاد یہ کہہ کر امام ابوبکر بن طیب باقلانی نے اور امام مازری نے دور استے ہموار کر دیئے ایک تو اس مسئلہ تفصیل میں توقف کو زیادہ مناسب اور جائز قرار دیا، دوسرا اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جتنے اقوال مختلفہ دربارہ افضلیت ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جو لمبا کہا جائے گا کہ مسئلہ افضلیت کے قطعی ہونے پر بار بار ثبوت پیش کیا گیا ہے سید صاحب چونکہ باقلانی کے پیروکار ہیں اس لیے انہوں نے شروع سے لے کر آخر دم تک یہی رٹ لگا رکھی ہے کہ مسئلہ افضلیت اجتہادی ہے ظنی ہے قطعی نہیں کسی قسم کا اجماع ہوا ہی نہیں سید صاحب ان کے باقلانی، اور

مازری کا مسئلہ تفضیل میں توقف کو ترجیح دینا غلط ہے اس کی وجوہات پہلے آچکی ہیں۔ مزید یہ کہ توقف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی اس صورت میں جب افضلیت سے مراد کثرت ثواب اور موجبات کثرت ثواب ہو تو کیونکہ کثرت ثواب کا علم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بغیر کسی کو نہیں علامہ خیالی فرماتے ہیں:

”و اما كثرة الفضائل فما يعلم بتتبع الاحوال وقد تواتر في حق علي ما يدل على جموم مناقبه ووفور فضائله واتصافه بالكمالات واختصاصه بالكرامات“ ترجمہ: جہاں تک کثرت فضائل کا تعلق ہے ملاحظہ کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بطریق تواتر فضائل اور مناقب بیان ہوئے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ بے شمار کمالات اور کثیر کرامات کے مالک ہیں آپ کے مناقب اور فضائل زیادہ ہیں۔

یعنی ان مناقب، فضائل، کرامات اور کمالات کو دیکھا جائے جو آپ کو حاصل ہیں اور بطریق تواتر بیان ہوئے تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں فیصلہ کرنے سے خاموشی بہتر ہے لیکن اگر اسلاف کے اجماع اور ترتیب افضلیت کو دیکھا جائے تو پھر حضرت عثمان کو حضرت علی رضی اللہ عنہما پر تقدم حاصل ہے علامہ سعد الدین التفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی ترتیب افضلیت مقرر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں ان کے بعد حضرت عمران کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں پھر فرمایا علی هذا وجدنا السلف ہم نے اسلاف کو اسی ترتیب پر پایا ہے یعنی جمہور علمائے امت اور اہل سنت کا مذہب اور عقیدہ یہی ہے علامہ سعد الدین التفتازانی کی عبارت سے دو باتیں نصاً معلوم ہوئیں۔

۱۔ سلف یعنی صحابہ تابعین اسی ترتیب افضلیت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ۲۔ جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔

آگے فرمایا:۔ ”والظاهر انه لو لم يكن لهم دليل على ذلك لما حكموا بذلك“

For more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

علامہ نے اس عبارت سے یہ بتایا ہے کہ یہ امر واضح ہے کہ اگر اسلاف کے پاس اس ترتیبِ افضلیت پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ اس ترتیب پر گامزن رہنے کا حکم نہ دیتے علامہ نے اس عبارت سے یہ خدشہ دور فرمایا ہے کہ اسلاف کا اس ترتیبِ افضلیت پر افضلیت کا فیصلہ کرنا بلا دلیل نہیں بلکہ ان کے ہاں یہ ترتیبِ دلیل کی بناء پر ہے اور یہی بات محدث ابن حجر کی رحمتہ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے

”لکن وجدنا السلف فضلوهم كذا لک و حسن ظننا بهم قاض بانهم لو لم يطلعوا على دليل في ذالك لما اطلقوا عليه فلز منا اتباهم فيه و تفويض ما هو الحق فيه الى الله تعالى“ (الصواعق المحرقة) ترجمہ: لیکن ہم نے اپنے اسلاف کو اسی ترتیبِ افضلیت پر پایا ہے ان کے متعلق ہمارے حسن ظن کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر وہ دلیل پر مطلع نہ ہوتے تو اس ترتیبِ افضلیت پر ہرگز متفق نہ ہوتے ہم پر لازم ہے کہ ترتیبِ افضلیت میں ان کی اتباع کریں اور حقیقتِ اصلیہ کو اللہ کے سپرد کر دیں پھر فرمایا: ”واما نحن فقد وجدنا دلائل الجانبيين متعارضة ولم نجد هذه المسئلة مما يتعلق به شئ من الاعمال اويكون التوقف فيه مخلا بشيء من الواجبات“ (شرح عقائد)

ترجمہ: جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے ہم نے دونوں اطراف کے دلائل کو باہم متعارض پایا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس مسئلے کا تعلق کسی ضروری عمل سے نہیں اور یہ بھی ملاحظہ کیا ہے کہ اگر خاموشی اختیار کی جائے تو واجباتِ شرعیہ میں خلل نہیں پڑتا۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں متواتقین کے موقف کی وضاحت کی ہے اور اپنا خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل، مناقب، کمالات اور کرامات میں جو اخبار وارد ہوئیں اور جو اقوال سامنے آئے ہیں وہ باہم متعارض ہیں ہم اگر خاموشی اختیار کریں یہ نہ کہیں کہ علی المرتضیٰ افضل ہیں یا عثمان غنی رضی اللہ عنہما اس سے بھی کسی عملِ شرعی یا واجباتِ شرعیہ کا انکار لازم آتا ہے نہ کوئی خلل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اسلاف نے مسئلہ تفضیل میں ترتیبِ خلافت کو ہی ملحوظ رکھا ہے اس لیے جمہور اہل سنت کا بھی وہی موقف ہے سید صاحب نے علامہ سعد الدین تفتازانی کی تمام عبارات کو تفضیل

ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما میں جھوٹک دیا ہے علامہ کی ساری عبارات تفضیل عثمان و علی پر ہیں (رضی اللہ عنہما) لیکن سید صاحب نے بزور قلم ان کو تفضیل ابوبکر صدیق و علی رضی اللہ عنہ پر چسپاں کر دیا ہے۔ دراصل سید صاحب کو فہم عبارات نہیں ہو سکا۔ مغالطہ کھا گئے ہیں سید صاحب نے ان عبارات کا سیاق و سباق نہیں دیکھا سباق میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی افضلیت خلافت مبینہ کا ذکر ہو چکا ہے اب افضلیت حضرت علی المرتضیٰ زیر بحث ہے اور اس بحث کا موضوع صرف اور صرف مفاضلہ علی عثمان رضی اللہ عنہما ہے اور یہی سیاق کلام ہے سید صاحب نے کیسے اور کہاں سے یہ اخذ کر کے لکھ دیا کہ اس مسئلہ افضلیت ابوبکر صدیق یا افضلیت علی رضی اللہ عنہما میں توقف کرنا کسی بھی دھڑے میں رائے نہ دینا کسی دینی ضرورت میں خلل انداز ہوتا ہو۔ (زبدہ: 333)

سید صاحب نے اسی صفحہ کے آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ اس بحث میں یہ شبہ گزرتا ہے کہ جانین سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں سید صاحب کی تاویل غلط ہے اور سو فیصد غلط ہے فی الواقع جانین سے مراد حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہیں علامہ نے ساری تقریر ثم عثمان ذوالنورین کے بعد کی ہے یہ قرینہ حالیہ اور قرینہ مقالیہ ہے جو جانین کے مدلوں اور مصداق میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو داخلے سے روک رہا ہے۔ کیا سید صاحب اس تحریف کو جہلاء اور نایبناؤں کی انجمن کے سامنے پیش کر رہے ہیں اگر سید صاحب کا مقصد مغالطہ آفرینی ہے تو خطائے فاحش ہے اور اگر نہیں تو ان کی اپنی مغالطہ فہمی ہے مقصد یہ ہے کہ سید صاحب کی نقل کردہ عبارت حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا اس سے کوئی تعلق نہیں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو بحث کا خلاصہ جلی حروف میں نقل فرمایا و السلف کا نوا متوفقیین فی تفضیل عثمان اسلاف حضرت عثمان کی افضلیت پر متفق تھے یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ان کا اجماع تھا اور پھر فرمایا کہ اسلاف نے اہل سنت و جماعت سے ہونے کی یعنی سنی ہونے کی نشانی اور علامت یہ قرار دے رکھی تھی کہ شیخین (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو ساری امت سے افضل

سمجھنا اور رسول اللہ ﷺ کے دامادوں (عثمان و علی رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا اصل عبارت ملاحظہ ہو

## تفضیل شیخین سنی ہونے کی علامت ہے

” حیث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضیل الشیخین، و محبة الختین“

ترجمہ:۔ اہل سنت و جماعت یعنی سنی ہونے کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ شیخین کو تمام

صحابہ پر تفضیل دینا اور رشتہء دامادی رکھنے والے عثمان و علی (رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا پھر قول فیصل

کے طور پر فرمایا: ”والا نصاب انه ان ارید بالا فضلیة کثرة الثواب فالتوقف جهة وان

ارید کثرة ما یعدہ ذوی العقول من الفضائل فلا“ (شرح عقائد) ترجمہ:۔ انصاف کا

تقاضی یہی ہے کہ اگر افضلیت کا معیار کثرت ثواب ہو تو خاموشی بھی ایک وجہ بن سکتی ہے (کیونکہ

ثواب کی کثرت کا علم اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو ہے) اس لیے خاموش رہا جائے اور اگر

افضلیت کا پیمانہ وہ فضائل ہوں جو ارباب عقل و دانش کے ہاں مسلمہ ہیں تو پھر بجائے خاموشی کے

اسلاف کی طے شدہ ترتیب افضلیت پر ایمان لانا پڑے گا۔ علامہ مرحوم کی کلام اشارات و کنایات کی

پہچیدگیوں تاویلات کی کشیدگیوں اور معنوی آلودگیوں اور وقتوں سے پاک ہے جس کا حاصل یہ

ہے کہ اگر افضلیت کثرت ثواب کی بنیاد پر استوار ہو تو عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں خاموشی

اختیار کرنا بہتر ہے اور اگر افضلیت کی بنیاد مسلمہ فضائل پر ہو تو عقیدہ سلف کے مطابق حضرت عثمان کو

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ماننا پڑے گا۔ واللہ الحمد۔

سید صاحب کا موقف یہ ہے کہ افضلیت میں توقف (خاموشی اختیار کرنا) کا مسئلہ حضرت

ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ہے اس پر وہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ امام فخر

الدین رازی متوفی 606ھ اپنی شہرہ آفاق تفسیر کبیر میں 22-24 پر سورہ نور آیت نمبر 22 کے تحت

رقطراز ہیں ”اجمعت الامة علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ ﷺ اما ابو بکر و

اما علی ترجمہ: امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مخلوق میں سے افضل یا

ابوبکر صدیق ہیں یا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہیں۔ لہذا جانہین سے دلائل تقاضل جناب ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہی ہو سکتے ہیں۔ (زبدۃ - 334)

سید صاحب کا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان مفاضلہ ہونے پر استشہاد کرنا غلط ہے اس لیے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل فرمایا ہے کہ آئیہ کریمہ میں الاتقیٰ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ”اجمع المفسروین منا علی ان المراد منه ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ترجمہ: ہم اہل سنت کے تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ الاقنیٰ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر فرمایا۔ ”واعلم ان الشیعة باسرها ینکرون هذه الروایة ویقولون انها نزلت فی حق علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ“ ترجمہ:۔ جان لو شیعہ سارے کے سارے اس روایت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، جس نے واضح کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے دو آراء سامنے آئی ہیں۔

۱۔ اہل سنت کے جمہور مفسرین کی اتفاقہ رائے۔

۲۔ تمام شیعہ کی رائے اہل سنت کے جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ الاقنیٰ کا مدلول اور مصداق جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں شیعہ سارے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے محاکمہ فرمایا جس کی ابتداء امام ابو بکر و امام علی سے کی یہ محاکمہ دلیل عقلی ہے اس سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر چہ نقلی دلیل بھی اس پر موجود ہے کہ الاقنیٰ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں۔ بلکہ عقلی دلیل بھی ثابت کرتی ہے کہ الاقنیٰ سے مراد اور اس کا مدلول جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں حضرت علی المرتضیٰ نہیں ہیں اس کی وجہ بیان فرمائی:۔ ”لانه قال فی صفة هذا التقیٰ وما لاحد عنده من نعمة تجزی وهذا الوصف لا یصدق علی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لانه کان فی تربية النبی ﷺ لانه اخذه من ابیه وکان یطعمه ویسقیه ویکسوه

ویربیبۃ و کان الرسول ﷺ علیہ نعمة یجب جزائها واما ابو بکر فلم یکن النبی علیہ الصلوۃ والسلام بل کان لرسول ﷺ نعمة الهدایة والارشاد الی الدین انہا لا یجزی لقولہ تعالیٰ ما اسلکم علیہ اجرا سورہ حمّ عسق ، والمذکور ہا ہنا لیس مطلق النعمۃ بل نعمة تجزی ، فعلمنا ان ہذہ الایۃ لا تصلح لعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ واذ ثبت ان المراد بہذہ الایۃ من کان افضل الخلق و ثبت ان ذالک الافضل من الامۃ ابو بکر او علی رضی اللہ عنہما و ثبت ان الایۃ غیر صالح لعلی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم تعین حملہا علی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ثبت دلالة الایۃ ایضاً علی ان ابا بکر افضل الامۃ

ترجمہ: کہ اقی کی تعریف اور توصیف میں اللہ کا یہ ارشاد بھی ہے اقی وہ ہے جس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے یہ وصف اور یہ تعریف حضرت علی رضی اللہ عنہ پر صادق نہیں آتے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تربیت میں ہیں آپ نے پرورش کی غرض سے اپنے چچا ابوطالب سے ان کو لے رکھا ہے کھانا پینا رہائش، لباس تربیت نبی کریم ﷺ کے ذمہ ہے رسول اللہ ﷺ ان کے لیے منعم ہیں اور ان نعمتوں کا بدلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب الادا ہے۔ لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ایسا کوئی بار احسان نہیں جس کا بدلہ چکانا ان پر واجب ہو۔ رہا یہ کہ نبی کریم ﷺ کا یہ احسان کہ آپ نے دین کی رشد و ہدایت کی بلند مرتبت نعمت عطا فرمائی ہے بے شک یہ نعمت عظمیٰ ہے اس کا معاوضہ اور بدلہ طاقت بشری سے بالاتر ہے اور نبی کریم ﷺ نے بزبان قرآن فرمادیا ہے لا اسئلکم علیہ اجرا میں تم سے دینی تہلیفات کا بدلہ نہیں مانگتا سورہ حمّ ، عسق میں موجود ہے اقی کی تعریف میں من نعمتہ سے مراد مطلق نعمت نہیں کہ اس کا بدلہ دینا ناممکن ہو بلکہ وہ نعمت مراد ہے جو قابل بدلہ ہے یعنی جب جناب علی مرتضیٰ من نعمتہ تجزی کے وصف سے متصف ہی نہیں کسی شخص پر ان کا دنیاوی احسان ہی نہیں تو وہ اس آیت کا مدلول اور مصداق نہیں ہونگے جب علی رضی اللہ عنہ مدلول اور مصداق نہ ہوئے تو ثابت ہوا کہ اقی سے مراد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں وہی افضل الخلق اور وہی

افضل الامت ہیں سید صاحب کا علامہ تفتازاتی کی عبارت جو عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے درمیان مفاضلہ پر ہے۔

## امام رازی کے قول اما ابو بکر و اما علی سے مغالطہ دہی کی کوشش

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قول اما ابو بکر و اما علی کو بطور دلیل اس پر پیش کرنا غلط ہے کیونکہ الاقنی من نعمۃ تجزی کی قید سے مقید اور وصف سے متصف ہے جس کا مدلول صرف صدیق اکبر کی ذات گرامی ہے۔ سید صاحب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام اور ان کی نقل کردہ عقلی دلیل کو نہیں سمجھ سکے سید صاحب کلام امام کو غور سے پڑھیں اور سمجھیں امام صاحب کی یہ دلیل مانعة الجمع اور مانعۃ الخلو کے طریقے پر ہے جب بر طریق مانعۃ الجمع ہوئی تو اس سے استدلال فقط ایک فرد کے لیے ہوگا اور دوسرے کی نفی ہوگی اور وہ فرد وہی ہوگا جو من نعمۃ تجزی کی قید سے مقید ہوگا اور وہ فقط جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں مانعۃ الخلو کی صورت بھی مفید افضلیت ہے کیونکہ دونوں کا ارتقاع محال ہے نص قطعی اس اقنی کے وجود کو ثابت کر رہی ہے جو من نعمۃ تجزی کی قید سے مقید ہے وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

سید صاحب نے توقف کے ثبوت میں شرح عقائد کے محشی رمضان آفندی کا قول نقل کیا اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس عبارت میں علامہ آفندی نے صراحت فرمادی ہے کہ تفتازاتی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلفائے اربعہ کی تفضیل میں توقف کو ترجیح ہے۔ (زبدۃ - ص 334)

سید صاحب کا یہ تحریر کرنا اس لیے غلط ہے کہ رمضان آفندی کی عبارت یہ ہے:

”ولم تجد هذه المسئلة ای مسئلة تفضیل هذه الاربعة علی بعضه مما يتعلق به شیء من الاعمال“۔ اس عبارت میں کہاں اور کونسا ایسا لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ خلفائے اربعہ کی تفضیل میں توقف کو ترجیح حاصل ہے بلکہ آفندی کی عبارت یہ بتا رہی ہے کہ خلفاء اربعہ کی تفضیل اعمالیات سے نہیں بلکہ اعتقادات سے ہے اعمال سے نہ ہونے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے جہاں چاہے جو چاہے وہ کہتا پھرے متکلمین (علماء علم الاعتقاد) کے نزدیک

اگر اس کی اہمیت احساسیت اور نزاکت قابل اعتناء نہ ہوتی تو علم الکلام کے نصاب میں اس کو ہرگز شامل نہ فرماتے۔

سید صاحب نے لکھا کہ اور یہ سمجھنا کہ جناب شیخین رضی اللہ عنہما کی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما پر افضلیت سلف صالحین میں متفقہ مسئلہ تھا یہ بات غیر واقعاتی ہے علامہ ابن عبد البر الاستعیاب فی معرفۃ الاصحاب 52/3 پر تحریر فرماتے ہیں ”واختلف السلف ایضاً فی تفضل علی وابی بکر و فی اجماع الجمع الذی وصفنا دلیل علی ان حدیث ابن عمرو وہم غلط وانہ لا یصح معناه وان کان اسنادہ صحیحاً“ ترجمہ: سلف صالحین نے بھی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے اور اجماع الجمع میں جو ہم نے وضاحت کی ہے اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ایک وائم ہے اور لغزش ہے اور یہ کہ اس کے معنی صحیح نہیں اگرچہ اس کا اسناد صحیح ہے۔ (زبدۃ - ص 335)

جواباً کہا جائے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان بصیغہ تفضیل اسلاف میں کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی افضلیت تمام صحابہ کے نزدیک مسلمہ تھی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بخاری اور انہی سے تخریج کردہ حدیث ابن عساکر اور ابن عساکر کی تخریج کردہ حدیث ابو ہریرہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی امام ترمذی کی حدیث اور احادیث علی رضی اللہ عنہ نمبری، 20/4422 اور 25/4427 اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا نمبری 44/4446 اور احادیث حذیفہ بن الیمان اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر الحدیث نمبری 49/445، 50/4452۔ و حدیث 51/4453 و حدیث 52/4454۔ اور انہی الفاظ میں مروی حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نمبری 54/4456، امام حاکم نے المستدرک میں نقل کی ہیں اور حذیفہ بن الیمان سے مروی حدیث کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا ہے ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ تمام صحابہ کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق کی تمام صحابہ پر افضلیت مسلمہ اور لاریب تھی اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی اس پر مہر تصدیق ثبت تھی ابن عبد البر کا یہ کہنا کہ اسلاف

میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف تھا باطل محض ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو وہم اور لغزش کہنا بھی علمی دنیا کا بطلان ہے اس کی پوری تحقیق جلد اول میں واضح بیان اور جلی حروف میں آچکی ہے وہاں دیکھی جائے سید صاحب نے خود افضلیت ابو بکر صدیق میں پانچ احادیث نقل کی ہیں جن میں دو حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی بحوالہ بخاری و ابن عساکر زبدۃ ص۔ 105\_106 پر نقل کی ہیں اگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث معاذ اللہ وہم اور لغزش ہے تو ان احادیث کو فضائل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

وہم اور لغزش تب ہوتی جب اس کے اسناد میں ضعف ہوتا یا متن میں اختلاف پایا جاتا یا معنوی طور پر دیگر احادیث کے ساتھ تصادم ہوتا جب کوئی ایک شق بھی اس میں نہیں پائی جاتی تو یہ وہم یا لغزش کس طرح ہوئی؟

بلکہ دیگر احادیث، حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی لفظاً اور معناً موید ہیں مثلاً ابن عساکر نے ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دو حدیثوں کی تخریج کی ہے یہ دونوں حدیثیں حدیث بخاری جس کو نافع عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کی لفظاً اور معناً موید ہیں اگر حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہم لغزش یا بے اصل ہوتی تو اسکی تائید اور توثیق میں کوئی حدیث ڈھونڈنے کو نہ ملتی سید صاحب کے علم و درنہش پر تعجب ہے کہ جلیل القدر فقیہ اور مجتہد صحابی کی حدیث کو ابن عبدالبر اندلسی کی تقلید میں معاذ اللہ وہم اور لغزش کہہ رہے ہیں بلکہ حدیث کو قول شخص کے مقابل لانا اور توازن کرنا بذات خود کم فہمی اور علمی لغزش ہے ابن عبدالبر اندلسی نے کہا وان کان اسنادہ صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ جب اسناد صحیح ہیں تو یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فقہہ اجتہاد علم قرآن اور فہم قرآن میں بلند مقام رکھتے ہیں آئمہ اصول فقہہ اور آئمہ مجتہدین نے عبادلہ میں ان کو سر فہرست رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ایک عظیم المرتبت صحابی ایک عظیم المرتبت فقیہ اور بلند پایہ

مجتہد کا قول ہے اور قول صحابی سرچشمہ ہدایت ہے کیوں کہ بنی کریم ﷺ کا فرمان ہے اصحابی کا  
لنجوم فباہم اقتدیتم اھتدیتم جب ہر صحابی مینارہ نور ہے مشعل راہ ہدایت ہے اور اس کا قول و  
فعل حکم اہل اور حجت شرعیہ ہے تو ابن عبدالبر اندلسی کے قول کے مقابل اس کی قانونی اور شرعی اہمیت  
کو کیوں سلب کیا گیا ہے؟ وہ کون سی قطعی وجوہات ہیں جو قول صحابی کے لیے ناخ ہیں، کیا بصر اور  
بصارت کی دنیا کا یہی اصول اور یہی قانون ہے کیا ایمانی بصیرت اس کی اجازت دیتی ہے؟ سید  
صاحب نے جو تحریر کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ہوں تو ان میں سے کسی قول کو بھی  
اختیار کر لیا جائے تو ہدایت حاصل ہو جائے گی۔ (زبدۃ ص - 332)

حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مقابل کسی صحابی کا قول مخالف نہیں بلکہ تمام  
صحابہ کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ افضلیت اور ترتیب افضلیت پر اجماع ہے تو پھر کیا  
قول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم امر ہدایت نہیں ہے سید صاحب کے تبصرہ کی روشنی میں بدوں شک  
دارتباب امر ہدایت ہے تو قول ابن عبدالبر اندلسی کے مقابل اس سے اعراض اور پہلو تہی کیوں؟ جب  
یہ حدیث ہے امر ہدایت ہے اس کے امر ہدایت ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے توثیق و تائید کی مہر لگا  
رکھی ہے تو ایمان کی دنیا کا کون سا وہ خطہ ہے جس سے اس حدیث کے وہم اور لغزش ہونے کی آواز  
آ رہی ہے؟ اصول و قواعد جو فن حدیث کے مسلمہ باث ہیں ان کے مقابل تو لے پر تو یہ حدیث تو اتر کا  
وزن رکھتی ہے۔ تو اتر کی تعریف اقسام اوائل میں بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں ایک صحیح اور تو  
اتر سے لبریز حدیث کو وہم اور لغزش قرار دینا کس دنیا کا اصول اور کس نظریہ کی پاسداری ہے؟

جب یہ ثابت ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے اس کی اسناد بھی صحیح  
ہیں تو یہ وہم اور لغزش کیسے ہوئی؟ کیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے تلفظ اور تکلم میں وہم اور غلطی کا  
شکار ہوئے؟ یا آپ نے غیر واقعاتی بات کی۔ نعوذ باللہ ان دونوں باتوں کا آپ کے متعلق تصور کرنا  
بھی گناہ ہے اور آپ کی قصر شان ہے امام جلال الدین السیوطی نے فرمایا: ”اسلم قد یمامع ابیہ  
رہو صغیر بل روی انه اول مولود ولد فی الاسلام وابتغیہ غریبہ احد وشہد

الخندق وما بعدها وقال فيه النبي ﷺ رجل صالح“ (اسعاف المبطاء بر حال الموطأ) ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ابتدائے اسلام میں اپنے والد گرامی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یحیٰ بن میں ہی اسلام لے آئے تھے بلکہ آپ کے متعلق یہ روایت بھی کیا گیا ہے کہ آپ وہ پہلے مولود ہیں جنہوں نے اسلامی فضاء میں جنم لیا اور آغوش اسلام میں آنکھ کھولی جنگ احد میں چھوٹا ہوئی تھی وجہ سے شریک نہ ہو سکے غزوہ خندق اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرد صالح ہے۔

مقام تعجب ہے کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت جنم لیتے ہیں جب ان کے والد گرامی شرف صحابیت کی قوت سے مسلح ہو کہ مسلمانوں کی قوت بے بہا بن کر اسلام کو خفیہ خانوں سے نکال کر سرعام لے آئے ہیں جن کے ایمان اور اسلام کی خود اعتمادی کا حال یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کے درو دیوار صدیوں بعد صدائے توحید سے آشنا نور رسالت سے بہرہ ور اور مکہ کے کوچے اور بازار کلمات شہادت سے گونج اٹھے ہیں اور فضائیں ندائے تکبیر سے فیضیاب ہو رہی ہیں یہ عبداللہ بن عمر ہی ہیں جن کی دنیا میں آمد اس وقت ہوئی جب ان کا گھر تعلیم توحید و رسالت شرف صحابیت کا علمبردار اور انوار وحی کا آئینہ دار تھا چشم ہوش کھلی تو قرآن اور صاحب قرآن کے جلوے دیکھے رخ والضحیٰ کی جلتوتوں، نزول قرآن کی عظمتوں، آثار وحی کی رفعتوں، الطافہائے نبوت کی کرامتوں کو قریب سے دیکھا اور ان کا مرکزی کردار جی بھر کے لوٹا، رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت اور قدسی صفات صحابہ کرام معیت میسر آئی زندگی کے لمحات اطاعت رسول، حب رسول ﷺ کی دہلیز پر پنچھا اور کر دیئے، زمانہ امن ہو یا معرکہ ہائے حق و باطل اسلام کی سر بلندی اور سرخروئی کے لیے جان کو ہتھیلی پر رکھا، دین کے تعلیم و تعلم میں ہمیشہ پیش پیش رہے فرزند توحید ہونے اور اسوۂ رسول اپنانے میں ایسا کردار ادا کیا کہ زبان رسالت مآب سے رجل صالح کا خطاب مآب نصیب ہوا جس عبداللہ بن عمر کی بارگاہ خداوندہ میں اتنی رسائی اور دربار رسول میں اتنی پذیرائی ہو اس کے قول اور ارشاد پاک کو ابن عبدالبر اندلسی ابن شخص وہم اور تواتر بہت حیرت نہیں بلکہ حیرت تاج بادشاہ، سلسلہ اسناد کا جاب

حکمران آئمہ حدیث کا مقتداء اور پیشوا امام بخاری حضرت نافع کی زبانی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے قول کو سن کر اصح الحدیث اور اصح الاسانید کا درجہ دیتا ہے مگر امام بخاری کے لگائے ہوئے گلشن احادیث کا خوشہ چھیں اندسی اس کو وہم اور غلط کاری کہے یہ بطل الاباطیل نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

سید صاحب نے علامہ شریف جرجانی کی کتاب شرح مواقف - ص۔ 404/8 سے یہ

اقتباس نقل کیا ہے: ”والنصوص المذكورة من الطرفين بعد تعارضها لا تفيد القطع على

مالا يخفى على منصف لانا باسرها اما احاد او ظنية الدلالة مع كونها متعارضة ايضاً“

ترجمہ:- دونوں طرف سے مذکور ہونے والے دلائل آپس میں متعارض ہونے کے بعد قطعیت کے

معنی نہیں دیتے جیسا کہ کسی بھی منصف مزاج انسان پر یہ بات مخفی نہیں۔ کیونکہ وہ سارے کے

سارے یا تو اخبار واحدہ ہیں یا ظنیۃ الدلالت ہیں باوجود آپس میں متعارض ہونے کے بھی۔ (زبدۃ

ص۔ 335)

جواباً تحریر کیا جاتا ہے کہ اس اقتباس کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت

پر دلائل قطعیہ موجود ہیں یہ اقتباس حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان پائے جانے

والے مفاضلہ کے بارے میں ہے۔ یہ ہمارا موضوع ہی نہیں ہمارا موضوع حضرت ابو بکر صدیق رضی

اللہ عنہ کی افضلیت ہے جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔

سید صاحب کا یہ تحریر کرنا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 795ھ نے اپنی شرح عقائد

کے صفحہ 108 پر جو توقف کا جواز پیش کیا کہ وہ انہی دو کے درمیان کیا ہے۔ غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

سید صاحب نے لکھا کہ! یہ کہنا کس طرح ممکن ہوگا کہ سلف صالحین افضلیت حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ پر متفق تھے، قاضی ابو بکر باقلانی اشعری متوفی 403ھ اپنی کتاب مناقب آئمہ اربعہ

صفحہ 294 پر رقم طراز ہیں: ”القول بفضیل عنی رضوان اللہ علیہ مشہور عند کثیر من

الصحابة كالذى يروى عن عبدالله بن عباس وحذيفة بن ايمان وعمار بن ياسر ،  
وجابر بن عبدالله وابو الهيثم بن تيهان وغيرهم  
ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مشہور ہے  
جیسا کہ عبد اللہ بن عباس وحذیفہ بن الیمان وعمار بن یاسر جابر بن عبد اللہ ابو الہیثم بن تہان وغیرہ ،  
جو اباً کہا جائے گا کہ سید صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر ان صحابہ کا حوالہ متعدد بار  
اس سے قبل بھی پیش کر چکے ہیں ہم نے جواب بھی نقل کر دیئے ہوئے ہیں مزید یہ تحریر کرنا ضروری  
محسوس ہوتا ہے کہ ابن عبد البر اندلسی نے بھی یہی بات اپنی کتاب استیعاب میں تحریر کی ہے اور صحابہ  
کے نام بھی لکھے ہیں لیکن محدث ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقة ص- 58 شیخ محقق شاہ عبدالحق  
محدث دہلوی نے تکمیل الایمان ص- ۱۶۳ پر یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ روایت شاذ غیر مقبول اور غیر  
معتبر ہے۔

ابن عبد البر اندلسی کی وفات 463ھ میں ہوئی ہے۔ قاضی ابو بکر قلائی کا سال وفات  
403ھ ہے۔ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا قول پانچویں صدی کی پیداوار ہے صحابہ اور تابعین میں اس کا  
نام و نشان نہ تھا الصواعق المحرقة کے مقدمہ ص- ۷۰ پر ہے ”و ذکر ابن عقیل العلوی ان من  
الرافضہ زید بن ارقم والمقداد بن الاسود و سلمان الفارسی و اباذر ، و خباب ،  
وجابر بن ہاشم ، و بنی عبدالمطلب و هذا قول من جملة الدعوى التى لا تقوم  
على اساس فانهم لا ينتقصون احدا من الصحابة فضلا عن الشيخين كما ذكرناه  
(العتب الجمل)

ترجمہ:- رافضیوں کے دعویٰ میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ زید بن ارقم ،مقداد بن الاسود، سلمان  
فارسی ، ابوذر ، جناب ، جابر بن عبد اللہ انصاری ، ابو سعید الخدری ، سہیل بن حنیف ، ابو الطفیل عامر بن  
داخلمہ ، عباس ، بنو ہاشم بن عبدالمطلب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل قرار دیتے تھے ، حالانکہ  
یہ قول بے بنیاد ہے اس کی کوئی اصل نہیں ، کیونکہ یہ صحابہ کرام شیخین تو رہے درکنار کسی بھی صحابی کی

تفقیص شان نہیں کرتے تھے۔ بحوالہ بالا عبارات سے ثابت ہوا کہ ابن عبدالبر اندلسی، اور قاضی ابو بکر باقلانی کا قول بے اصل، اور بے بنیاد ہے شاذ ہونے کے وجہ سے غیر مقبول اور غیر معتبر بلکہ مردود ہے۔ یہ قول روافض کا ترشیدہ اور خود ساختہ ہے دور صحابہ اور تابعین میں اس کا وجود اور تصور تک نہیں اگر یہ قول اور ان صحابہ کی رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ہوتی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہرگز نہ ہوتا۔

سید صاحب نے لکھا کہ ابوالحسن اشعری جن کا سن وفات ایک قول کے مطابق 330ھ ہے انہوں نے پانچ مذاہب اہل سنت کے نقل کئے وہ سلف صالحین کے بھی زیادہ قریب تھے اور انہی متکلمین میں بھی بہت سابق آدمی ہیں ان کو کیوں پتہ نہیں کہ سلف صالحین حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر متفق تھے ان کے اس موجودہ بیان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول بھی موجود ہے اور توقف کا قول بھی۔

جواباً کہا جائے گا کہ غلط ہے ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے قائلین کے اقوال نقل کئے ہیں جن کو تفصیل کے مسئلہ میں پانچ اختلافی مذاہب کہا جاسکتا ہے، یہ ابوالحسن اشعری کا اپنا بیان (عقیدہ نہیں) نہیں ان کا اپنا عقیدہ یہی ہے کہ ”ان تفضیل ابی بکر علی من بعده قطعی“ (الصواعق المحرقة: ص 58) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بعد میں آنے والے خلفائے ثلاثہ پر قطعی ہے۔ اختلافی مذاہب نقل کرنے سے ناقل کا عقیدہ نہیں بن جاتا، اگر ایسا ہو تو کفریہ کلمات کا ناقل کا فر ہونا چاہیے جبکہ مسلمہ اصولوں سے نقل کفر، کفر نہ باشد، امام ابوالحسن اشعری نے پانچ مذاہب نقل کر کے عقیدہ سلف کو واضح کیا کہ اسلاف کے ہاں ابو بکر صدیق کی افضلیت مسلمہ ہے، اور جو لوگ تفصیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں، یا جو توقف کا مذہب رکھتے ہیں وہ غلط اور عقیدہ سلف کے مخالف ہیں سلف کے ہاں تمام صحابہ بشمول خلفائے ثلاثہ سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور ان کی افضلیت قطعی ہے، یہ مضمون پہلے کئی بار آچکا ہے مگر سید صاحب کو رہ، رہ کرتانے بانے یاد

آتے ہیں اور ہمیں مجبوراً قلم کو حرکت میں لانا پڑتا ہے۔

## علامہ تفتازانی پر سید صاحب کا الزام اور اس کا تفصیلی جواب

علامہ سید صاحب نے لکھا کہ اس سے معلوم ہوا کہ علامہ تفتازانی کا قول توقف در بارہ تفضیل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قول جدید نہیں بلکہ پہلے سے چلا آ رہا ہے، اور یہ قول کہ سلف صالحین افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر متفق تھے اصلاً بے بنیاد ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ:۔ سید صاحب کا مندرجہ تبصرہ سو فیصد غلط اور شرح عقائد کی مبیہ عبارت اور علامہ تفتازانی کے قول مفسر کے بالکل خلاف اور مغاڑ ہے، سید صاحب شرح عقائد کی عبارت کو سمجھ نہیں سکے اصل متن یوں ہے: ”و افضل البشر بعد نبیاً ابو بکر الصديق ثم عمر الفاروق، ثم عثمان ذوالنورین ثم علی المرتضیٰ، اس کی شرح اور تائید میں علامہ سعد الدین تفتازانی نے فرمایا ”علیٰ هذا وجدنا السلف“ یہ اس بات پر صراحت ہے کہ اسلاف کے ہاں ترتیب افضلیت اسی طرح ہے اور یہی علامہ تفتازانی کا عقیدہ ہے اگر یہ عقیدہ نہ ہوتا تو اپنا موقف اور اپنا قول فیصل علیٰ هذا وجدنا السلف کے الفاظ میں تحریر نہ فرماتے علامہ عبدالعزیز پھر ہاروی نے ”و علیٰ هذا وجدنا السلف“ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ”ای علیٰ هذا الترتیب المذكور وجدنا السلف هم الصحابة والتابعون واتباعهم والمراد اکثرهم“

ترجمہ: متن میں مندرجہ ترتیب کے مطابق ہم نے صحابہ تابعین تبع تابعین کو افضلیت کا قائل پایا ہے اور اس سے مراد اکثر اسلاف ہیں، پھر فرمایا: ”وقال بعض المحشین المراد من السلف الصحابة والتابعون فقط“ بعض محشین نے فرمایا کہ سلف سے مراد صرف صحابہ اور تابعین ہیں، ہر دو اقوال سے ثابت ہوا کہ سلف سے مراد صحابہ اور تابعین ہیں یعنی صحابہ اور تابعین کے نزدیک ترتیب افضلیت پر ترتیب خلافت ہے جس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ انبیاء اور

مرسلین کے بعد تمام انسانوں جنوں سے افضل ہیں علامہ پھر ہاروی نے نقل فرمایا:

”اعلم ان المذہب عند اهل السنة مارواه الحاكم وابن عدی والخطیب عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال ابو بكر وعمر خير الاولين والآخرين وخير اهل السموت وخير اهل الارضين الا النبيين والمرسلين. (نبراس ص. 299)  
ترجمہ:۔ اہل سنت وجماعت کا مذہب وہی ہے جو حاکم، ابن عدی اور الخطیب نے ابو ہریرہ کی روایت سے نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ابو بکر اور عمر، انبیاء اور مرسلین کے بعد تمام اگلوں، پچھلوں، زمینوں اور آسمانوں کے اہالیان سے افضل ہیں شیخین کی افضلیت میں یہ حدیث مرفوع ہے۔

علامہ پھر ہاروی نے فرمایا: ”ويمكن عندی ان يجاب بان مشار اليه بقوله على هذا وجدنا السلف هو تفضيل ابى بكر على على رضى الله عنهما وهذا التخصيص وان لم يسا عده اللفظ لكن يدل عليه ان المجو ث عنه بين اهل السنة والشيعة هو تفضيل احد هما على الآخر حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ابى بكر وعمر ومحبة الختین عثمان و على“ ترجمہ: میرے نزدیک ایک جواب یہ بھی ہے کہ علیٰ هذا وجدنا السلف سے مراد علامہ تفتازانی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تفضیل ابو بکر اور علی رضی اللہ عنہما میں ہم نے اپنے اسلاف کو ابو بکر صدیق کو تفضیل دیتے ہوئے پایا ہے اگرچہ عبارات اس کی محتمل نہیں لیکن چونکہ اہل سنت اور شیعہ کے درمیان ابو بکر صدیق اور حضرت علی کے درمیان مسئلہ افضلیت میں اختلاف ہے اہل سنت وجماعت کے نزدیک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور شیعہ کے نزدیک حضرت علی ابو بکر صدیق سے افضل ہیں اس لحاظ سے علامہ تفتازانی نے فرمایا کہ علیٰ هذا وجدنا السلف ہم نے اپنے اسلاف (صحابہ، تابعین، تبع تابعین کو تفضیل ابو بکر صدیق کا قائل پایا ہے۔ علامہ پھر ہاروی کی اس توجیہ کے تناظر میں علیٰ هذا وجدنا السلف کے دو محمل معلوم ہوئے

- ۱- خلفائے اربعہ کی ترتیب افضلیت پر صحابہ، تابعین، تبع، تابعین کا اجماع ہے،
- ۲- ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں، صحابہ تابعین نے ابو بکر صدیق کو ہی افضلیت دی ہے۔ اہل سنت و جماعت کے مذہب کا تشخص بیان کرتے ہوئے علامہ تفتازانی نے فرمایا۔ اہل سنت و جماعت کا امتیازی نشان یہ ہے کہ جو شیخین کو تمام صحابہ سے افضل نہ سمجھے تو وہ اہل تشیع میں سے ہے اہل سنت و جماعت سے نہیں معلوم ہوا کہ تفضیل ابو بکر صدیق کا عقیدہ اسلاف سے چلا آ رہا ہے تو وقف اور تفضیل علی رضی اللہ عنہما کا عقیدہ بعد کا ہے اور چند افراد کا یہ موقف ہے لیکن معتبر روایات سے ثابت ہے کہ ان افراد نے بھی آخر کار اس موقف سے رجوع کر لیا تھا جیسا کہ چند سطور بعد آ رہا ہے۔ اہل سنت کے ہاں افضلیت کا معیار کثرت ثواب ہے وہ مناقب، کمالات، اور کرامات نہیں جو ظاہری اور حسی طور پر کسی ذات میں پائے جائیں، کثرت ثواب کا علم رسول اللہ ﷺ کے فرمودات پر موقوف ہے اس پر امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ”کنا نقول و رسول اللہ ﷺ حی افضل امتہ بعدہ ابو بکر ثم عمر، ثم عثمان فبلغ ذالک رسول اللہ ﷺ فلا ینکرہ“ نقل کی ہے۔ ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں پھر عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں آپ ﷺ سنا کرتے اور اس کا انکار نہیں فرماتے تھے۔

حافظ ابوسعید السمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے

”خیر الناس فی هذه الأمة بعد ابو بکر، عمر الفاروق، ثم عثمان ذو النورین ثم انا“ ترجمہ: اس امت میں ابو بکر صدیق کے بعد سب لوگوں سے افضل عمر ہیں ان کے بعد عثمان اور ان کے بعد میں ہوں۔ بلکہ ابو منصور بغدادی نے نقل فرمایا الا جماع علی ان عثمان رضی اللہ عنہ افضل، کہ حضرت علی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے افضل ہونے پر اجماع ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ”قال اجمع المهاجرون والا انصار علی ان خیر هذه الامة ابو بکر و عمر و عثمان رواہ خیشمہ بن سعد۔ ترجمہ: تمام

مہاجرین اور انصار کا اجماع ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابو بکر، عمر، اور عثمان ہیں اس حدیث کو خیشمہ بن سعد نے روایت کیا ہے۔

شارح مسلم امام نووی نے فرمایا:

”الصحيح المشهور تقديم عثمان على علي رضي الله عنهما . ترجمہ: صحیح اور مشہور مذہب یہ ہے کہ حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں (کلبا من الحجر اس) مندرجہ بالا توضیحات سے ثابت ہوا ہے کہ کسی صحابی کسی تابعی اور آئمہ امت میں سے کسی نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں توقف کا قول نہیں کیا بلکہ خلفائے ثلاثہ کی افضلیت ترتیب خلافت کے مطابق صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے دور سے مسلمہ چلی آ رہی ہے اہل سنت و جماعت کے نزدیک افضلیت کا مدار کثرت ثواب ہے ظاہری منصب، کمالات، کرامات، اور شرف حسب و نسب نہیں امام ابی بکر بن خزیمہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تفضیل عثمان کے مقابل تفضیل علی رضی اللہ عنہما کے قائل تھے اور امام مالک کا مسلک توقف تھا۔ لیکن علامہ پھر ہاروی نے فرمایا: ”وذكر القاضي عياض عن الامام مالك انه رجع عن التوقف الى هذا وحكى القسطلاني عن سفیان الثوري انه رجع عن تفضيل علي رضي الله عنه الى تفضيل عثمان (النبراس . ص . 303) ترجمہ: القاضي عياض رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ امام مالک نے توقف سے تفضیل عثمان کی طرف رجوع کر لیا تھا، اور امام قسطلانی نے روایت فرمایا ہے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے تفضیل علی سے تفضیل عثمان کی طرف رجوع کر لیا تھا، معلوم ہوا کہ تفضیل عثمان کا مسئلہ بھی آخر کار متفق علیہ ہی قرار پایا تھا۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے موقف پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ساری امت میں افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد عمر اور ان کے بعد عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ جس کو علامہ نے، علیٰ ہذا وجدنا السلف سے تعبیر فرمایا ہے، اور علی سبیل التنزل دلیل سمعی پر موقوف ہے تفضیل عثمان پر ادلہ سمعیہ موجود ہیں یہ کیسے ممکن

ہے کہ علامہ کو ان کا علم نہ ہو۔ علامہ نے مذہب سلف و صالحین کی حقانیت اور صداقت پر دلیل دیتے ہوئے فرمایا: ”والظاهر انه لو لم يكن لهم دليل على ذلك لما حكموا بذا الك“ اگر اسلاف کے پاس ترتیب افضلیت پر دلیل نہ ہوتی تو اس ترتیب پر افضلیت کا فیصلہ ہرگز نہ فرماتے۔ علامہ پھر ہاروی نے فرمایا ”لان عادتہم شدة الاجتہاد فنی تحقیق الحق“ اسلاف کی عادت یہ تھی کہ وہ تلاش حق میں حالات و واقعات کی تہوں اور ثبوت و دلائل کی گہرائیوں میں اتر کر فیصلہ فرماتے تھے، لہذا افضلیت خلفاء اربعہ پر ان کا بدوں دلیل شرعی اجماع کرنا محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ ایک بے ثبوت بے دلیل خلاف حقیقت امر پر اجماع کر لیں موافق میں ہے:

”و حسن ظننا بهم يقتضى بانهم لو لم يعرفوا ذالك لما اطبقوا عليه فوجب علينا اتباعهم في ذالك القول (النبراس . 301) ترجمہ: ہمارا حسن ظن تقاضا کرتا ہے کہ اگر اسلاف دلیل افضلیت تک رسائی حاصل نہ کرتے تو اس افضلیت پر بالکل متفق نہ ہوتے اس قول افضلیت میں ان کی اتباع ہم پر واجب ہے ان شواہد کی موجودگی میں علامہ تقنازانی کا قول توقف علی سبیل المتزل اور بر طریق فرض ہو سکتا ہے جس سے مذہب اسلاف متاثر ہوتا ہے نہ جہت توقف کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کیونکہ علامہ نے کہا کہ توقف کا تعلق اعمال سے نہیں اور نہ ہی اس سے واجبات شرعیہ میں کوئی خلل آتا ہے یہ مفید ظن ہے اعتقادی مسئلہ ہے یعنی حضرت عثمان غنی کو افضل نہ ماننے سے نہ اعمال متاثر ہوتے ہیں نہ کسی واجب شرعی کا انکار لازم آتا ہے۔ سید صاحب نے شرح موافق کے حوالے سے لکھا کہ: ”والنصوص المذكورة من الطرفين بعد تعارضها لا تفيد القطع علی مالا يخفى علی منصف لا نها باسرها اما احاداً او ظنية الدلالة مع كونها متعارضة ايضاً: ترجمہ: دونوں طرف سے مذکور ہونے والے دلائل آپس میں متعارض ہونے کے بعد قطعیت کے معنی نہیں دیتے جیسا کہ کسی بھی منصف مزاج انسان پر یہ بات مخفی نہیں کیونکہ وہ سارے کے سارے یا تو اخبار واحدہ ہیں یا ظنیۃ الدلالة ہیں، باوجود آپس میں متعارض ہوئے کے بھی۔

سید صاحب نے اس پر اپنے تبصرہ میں لکھا کہ یہاں شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے طرفین سے جناب ابوبکر صدیق اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما مراد لیے ہیں کیونکہ گزشتہ صفحات پر جتنے دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ حضرت ابوبکر صدیق اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر ہیں ان میں سے کسی تیسرے کا نام نہیں علمائے عقائد نے اکثر و بیشتر موازنہ جو قائم کیا ہے وہ ان دو کے درمیان کیا ہے تیسرے کا کوئی نام نہیں علامہ سعد الدین النفتازانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 795ھ نے اپنی شرح عقائد کے صفحہ 108 پر جو توقف کا جواز پیش کیا وہ انہی دو کے درمیان کیا ہے۔ (زبدۃ ص-335)

جولباً کہا جائے گا کہ سید صاحب کا تبصرہ خلاف حقائق ہونے کی وجہ سے غلط اور دلائل نقلیہ قطعیہ کی موجودگی میں مردود ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر دلائل قطعیہ موجود ہیں جو مفید قطعیت ہیں اس عنوان میں دلائل کا ایک ذخیرہ پہلے آچکا ہے مزید اعادہ کی ضرورت نہیں تاہم کچھ دلائل کا ذکر کرنا ہمارری مجبوری ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”وہو ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ، ثم علی بالنص والا جماع والا فضلیة کذالک بہما (میزان العقائد) ترجمہ: - خلیفہ کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں کیونکہ وہ مقنن نہیں ، جیسے خلفاء اربعہ ، ابوبکر صدیق عمر عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ان کی خلافت نص اور اجماع سے ثابت ہے یعنی ان کی خلافت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کیونکہ نص اور اجماع دلائل قطعیہ ہیں اور اسی طرح اس ترتیب خلافت پر ہر ایک کی افضلیت نص اور اجماع سے ثابت ہے۔“

محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”وقد اجمعوا ا یضاً علی استحقا قہم

الخلافة علی هذا الترتیب لکن هذا قطعی کما مر بادلته میسوطاً (الصواعق

المحرقة 59) ترجمہ: خلفائے اربعہ کا استحقاق خلافت ان کی ترتیب خلافت پر ہے اور اس پر

صحابہ کا اجماع ہے اور یہ ترتیب خلافت قطعی ہے اس پر تفصیلی دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔ شاہ عبدالحق

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چاروں صحابہ کرام کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے

دیکھی جاسکتی ہے (تکمیل الایمان - ص-153 - مکتبہ نبویہ لاہور) محقق ابن الہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا:

”فضل الصحابة الاربعة على حسب ترتيبهم في الخلافة“ (المسائره . ص ۲۵۷) ترجمہ: صحابہ اربعہ (خلفائے اربعہ) کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت پر ہے۔ ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ خلفائے اربعہ کی افضلیت ترتیب خلافت پر ہے اور یہ ترتیب اور افضلیت نص اور اجماع سے ثابت ہے جو دلائل قطعیہ ہیں سید صاحب کا یہ تحریر کرنا کہ مفاضلہ ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ہے اور جائین کے دلائل اخبار واحدہ یا ظنی الدلائلہ ہیں اور یا ہم متعارض ہیں غلط ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خلافت پر قرآن، حدیث اور اجماع کی مہر قطعیث ثبت ہے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت اور افضلیت پر بھی قطعیث کی مہر ثبت ہے۔ محقق ابن الہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”ولما اجمعوا اعلى تقدیم علی بعد ہم دل علی انه افضل من بحضرتہ (المسائره . ص ۲۵۹) ترجمہ: خلفائے ثلاثہ کے بعد صحابہ کرام کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بالا جماع تقدیم دینا (خليفة بنانا) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے تمام اہل زمان سے افضل تھے یعنی جوان کے دور حیات میں موجود تھے۔

کمال الدین محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

”الصحابة رضی اللہ عنہم علی تقدیم علی بعد ہم ای بعد الثلاثة ابی بکر، و عمر و عثمان دل اجماعہم علی انه کان افضل من بحضرتہ، (المسائره . ص ۲۵۹) ترجمہ: خلفائے ثلاثہ، ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بعد صحابہ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے پر اتفاق کیا تو یہی اتفاق (اجماع) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے تمام اہل زمان سے افضل تھے، ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور افضلیت پر صحابہ کرام کا اجماع ہے جو دلیل قطعی ہے، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی مفاضلہ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علی الاطلاق افضلیت پر تمام صحابہ کا اجماع ہے جن میں

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور معتبران اُمت کی کتب میں یہ تصریحات واضح ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت خلفاء ثلاثہ کے بعد ثابت ہے کمال الدین محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

” نعم اذا ضم الی ذالک الا جماع علی انه افضل ممن عد الثلاثة من الخلق ثبت،

و ثبت افضلیة الثلاثة علیہ با دلة السمع ، (المسامرة . ص . ۲۵۹) ترجمہ: ہاں اگر

یہ قید لگائی جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کے بعد تمام حاضرین اور غائبین سے افضل

ہیں تو پھر حضرت حمزہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت عباس اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم سے بھی

افضل ہو گئے، اگر یہ کہا جائے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کے بعد اپنے اہل زمان سے افضل

ہیں تو یہ ثابت اور حقیقت ہے اور افضلیت کو اگر بعد الاثلاثہ کی قید سے مقید نہ کیا جائے تو لازم آئیگا کہ

خلفائے ثلاثہ سے بھی افضل ہوں، خلفائے ثلاثہ سے علی الاطلاق افضل ہونا محال شرعی ہے کیونکہ ان کی

افضلیت ادلہ سمعیہ سے ثابت ہے اور اس صورت میں ادلہ شرعیہ کی مخالفت لازم آتی ہے جو محالات

شرعیہ میں سے ہے۔ کمال الدین محمد بن محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا ”و ثبت افضلیة الثلاثة علیہ

ب ادلة السمع هذا كما ذكرنا. (المسامرة . ص . ۲۵۹) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ پر

خلفائے ثلاثہ کی افضلیت مسلمہ ہے جس کا ثبوت ادلہ سمعیہ شرعیہ سے ہے، کمال الدین محمد بن محمد رحمۃ

اللہ علیہ کی صراحت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہما کو علی الاطلاق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سے افضل قرار دینا بھی محال شرعی ہے اور ادلہ شرعیہ سمعیہ قطعیہ کو اخبار واحدہ اور ظنی الدلالة اور

متعارض قرار دینا بھی انکار کے مترادف ہے جو بھی محال شرعی ہے اور علم و دانش بے بہرہ ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر دلائل قطعیہ کا ذخیرہ پہلے نقل ہو چکا ہے یہاں ایک اور

دلیل کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اس دلیل کا تعلق فن حدیث سے ہے، وہ دلیل یہ ہے کہ سفید بنی

ساعده میں جب انصار نے خلافت کے معاملہ میں طویل بحث و تکرار کی اور زور زور کی آوازیں بلند

ہوئیں تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا: ”یا معشر الا نصارا لستم

تعلمون ان رسول اللہ ﷺ امر ابا بکر یوم الناس فی الصلوة فما لکم تو خرونہ

فقالوا معاذ الله ان نوخره "ترجمہ: اے جماعت انصار تمہیں علم ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کو پیچھے کر رہے ہو؟ انصار نے کہا کہ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو موخر کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان اگرچہ خبر واحد ہے اور اس خبر واحد سے آپ نے خلافت ابو بکر صدیق اور افضلیت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر استدلال کیا انصار اور مہاجرین نے اس پر بول کر اجماع کیا تو یہ اجماع نصی تام ہوا۔ جو دلیل قطعی ہے اس دلیل سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خلافت متحقق ہوئی، جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر استحقاق خلافت کیلئے خبر واحد سے دلیل افضلیت پیش کی جس پر بعد میں اجماع ہوا اس سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ خلافت کا معیار اور بنیادی شرط افضلیت ہے اور یہی بات ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرم فقہہ اکبر۔ ص۔ ۵۷ پر فرمائی ہے کہ خلافت کیلئے باجماع اُمت افضلیت شرط ہے، ثابت ہوا وجود افضلیت ہی خلافت کا معیار اور بنیادی شرط ہے ساری کلام کا اختصار یہ ہے کہ خلافت کے لیے افضلیت شرط ہے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، قرآن، حدیث اور اجماع صحابہ سے بشرط افضلیت معرض وجود میں آئی اور اُمت کو یہ عقیدہ رکھنا پڑا کہ انبیاء اور مرسلین کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری انسانیت میں علی الاطلاق افضل ہیں۔

مسئلہ افضلیت میں دلائل کے اخبار واحدہ ظنی الادلالتہ اور باہم متعارض ہونے کی اصطلاحات اور اقوال ان لوگوں کے تراشیدہ اور خود ساختہ ہیں جو تفضیل عثمان رضی اللہ عنہ کے قائل نہیں یا تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں سلف کا عقیدہ دربارہ افضلیت ترتیب خلافت پر ہے جیسا کہ پہلے اور ابھی چند سطور پہلے شرح عقائد تکمیل الایمان المسائیرہ اور المسامرہ کے حوالے سے نقل ہو چکا ہے سید صاحب کے تبصرے کا حقائق اور صداقت سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح علامہ سعد الدین تفتازانی کا قول توقف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے اور وہ بھی بدرجہ جواز ہے۔ سید صاحب نے علامہ کا یہ کلام نہیں پڑھا علامہ نے فرمایا: "والسلف کاناوا

متوقفین فی تفضیل عثمان حیث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضیل

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

الشريخين و محبة الختئين“ ترجمہ: بعض اسلاف حضرت عثمان کی تفضیل میں توقف سے کام لیتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اہل سنت و جماعت سے ہونے کے لیے شیخین کی افضلیت اور ختین کی محبت کو شناختی علامت قرار دے رکھا تھا علامہ نے اس عبارت سے یہ واضح کر دیا ہے کہ توقف اگر ہے تو عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں ہے شیخین کی افضلیت مسلمہ اور قطعی ہے توقف کا معنی یہ ہے کہ بے شک خاموشی اختیار کرو لیکن شیخین (ابوبکر صدیق و عمر) رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا اظہار، اقرار، اور ختین سے محبت و پیار ہر صورت ضروری ہے اور اہل سنت و جماعت کی شناختی علامت بھی یہی ہے سید صاحب نے کیسے کہہ دیا ہے کہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ کا قول توقف، ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے سنی ہونے کے لیے تو شیخین کی افضلیت کا اظہار اور اقرار ضروری ہے۔

واضح رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر جو اجماع ہوا یہ سب سے اقویٰ ہے اس کے اقویٰ ہونے کی دو وجوہات ہیں۔

۱۔ یہ اجماع انصار و مہاجرین کی طویل بحث و تکرار اور دلائل طرفین کی سماعت کے بعد ہوا ہے

۲۔ اس اجماع کا کوئی مخالف نہیں تھا حضرت سعد بن عبادہ نے بھی بلا تاخیر بیعت کر لی تھی علامہ عبدالعزیز پھر ہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ”و ذکر بعض العلماء ان ال اجماع وان كان حجة على اطلاقه لكنه بعد التنقيح والمشاوره اتم واكمل (النبراس ص ۳۰۴) ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا ہے بے شک مطلق اجماع اگرچہ حجت ہے (مفید قطعیت ہے) لیکن بحث، تکرار دلائل کی سماعت کے بعد جو اجماع معرض وجود میں آئے وہ اتم اور اکمل ہوتا ہے یہ اجماع جو افضلیت ابوبکر صدیق پر ہوا یہ اتم اور اکمل ہے اس کو خبر واحد یا ظنی الدلالۃ کا درجہ دینا آسان کو زمین کہنے کے مترادف ہے عقل فہیم اور طبع سلیم جس کے لیے آمادہ تسلیم نہیں۔

۳۔ تفضیل عثمان رضی اللہ عنہ حدیث صحیح سے ثابت ہے امام حاکم نے 28/4284 حدیث

نقل فرمائی ہے جس کے راوی حضرت سفینہ مولاے رسول ﷺ ہیں فرماتے ہیں ”لما بنی رسول اللہ ﷺ المسجد جاء ابو بكر رضى الله عنه بحجر فوضعه ثم جاء عمر بحجر فوضعه ، ثم جاء عثمان بحجر فوضعه ، فقال رسول الله ﷺ هو لآء ولاة الامر من بعدى هذا حديث صحيح الا سناد ولم يخرجاه“ (المستدرک، جلد ۳، ص ۱۵)

ترجمہ : کہ جب رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر فرما رہے تھے ابو بکر صدیق ایک پتھر لائے آپ نے اسکو دیوار میں چن دیا ان کے بعد عمر فاروق ایک پتھر لائے آپ نے اسکو بھی چن دیا پھر حضرت عثمان ایک پتھر لائے آپ نے وہ بھی لگا دیا اس کے بعد فرمایا میرے بعد اولی الامر (سلسلہ خلافت اسی طرح ہوگا) یہی ہونگے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت النص ہے کہ خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت قطعی ہے اللہ کی مرضی اور حکم کے مطابق ہے نبی کریم ﷺ نے خلفائے ثلاثہ کی موجودگی میں یہ واضح فرمادیا تھا اس حدیث میں جس طرح ترتیب خلافت کی تفضیل ہے اسی طرح اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ شیخین (ابو بکر، عمر) رضی اللہ عنہما کی افضلیت باقی صحابہ پر قطعی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ثابت ہے۔ محبت الدین طبری نے نقل فرمایا: ”عن علی قال ؛ قال رسول الله ﷺ سألت الله عزوجل ان بقدمك ثلاثا فابى علي الا تقديم ابى بكر (الرياض السورة ص ۲۱۸.۱)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اللہ عزوجل سے تین مرتبہ تجھے خلیفہ بنانے کا سوال کیا ہے۔ مگر مجھے انکار کیا گیا اور فرمایا گیا کہ خلیفہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہونگے یہ حدیث بھی افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے لیے دلیل قطعی ہے کیونکہ ایک تو اس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہما ہیں جن کا قول حجت شرعیہ ہے کیونکہ اہل تشیع کے نزدیک وہ معصوم عن الخطاء ہیں نمبر ۲ یہ حدیث مرفوع ہے جو دلیل قطعی ہے۔

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ مرفوعہ کے مقابل قاضی ابو بکر باقلانی کا قول، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت بہت سارے صحابہ کے نزدیک مشہور تھی، مرجوح بلکہ مردود ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں

کیونکہ یہ بھی اور اس قسم کی دیگر جتنی بھی روایات زبدۃ میں درج کی گئی ہیں تمام اخبار واحدہ اور شاذہ ہیں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ ان احادیث بالا سے سید صاحب کا یہ تبصرہ بھی غلط ثابت ہوا کہ سلف صالحین کا حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر اتفاق نہیں بلکہ ان کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی تھا (زبدۃ - ص 337)

محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل فرمائی ہے ”ان اترکم فان یرد اللہ بکم خیراً یجمعکم علی خیر کم کما جمعنا بعد رسول اللہ ﷺ علی خیرنا۔ (الریاض النقرۃ . ۱ . ۲۱۹) ترجمہ: میں تمہیں چھوڑے جا رہا ہوں (یعنی کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کر رہا) اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو تمہیں تم میں سے سب سے بہتر شخص پر متفق فرمائے گا یعنی تم ایک سب سے افضل شخص کو اپنا خلیفہ بنا لو گے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ہم سب سے بہتر انسان کی خلافت پر متفق ہو گئے تھے۔

محب الدین طبری رحمۃ اللہ نے نقل فرمایا: ”وقد تقدم ايضا دعائه ابو بكر يا خليفة رسول الله في موضع شتى“ (الریاض النضرۃ . ۱ . ۲۱۹) ترجمہ: پہلے گزر چکا ہے کہ متعدد مقامات پر جناب علی المرتضیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کو یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارا ہے مندرجہ اس حدیث میں جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے جناب صدیق اکبر کو نہ صرف اپنے سے بلکہ تمام صحابہ سے افضل فرمایا ہے جس پر خیرنا کا لفظ دلالت کر رہا ہے، پھر خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارنا اور متعدد بار پکارنا ثابت کرتا ہے کہ آپ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے بلکہ تمام صحابہ سے افضل سمجھ کر ہی خلیفہ تسلیم کیا تھا ورنہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ کہنے کا کیا مقصد تھا؟ علامہ سعد الدین تفتازانی کا قول علیٰ هذا وجدنا السلف انہی تقاتلوا ورواقتا پر یعنی ہے سید صاحب کا علامہ کے اس قول کو اصلاً بے بنیاد کہنا غلط ہے۔

اسلاف کا عقیدہ دربارہ افضلیت وہی تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے

بیان فرمایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان اللہ

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اختار اصحابی علی جمیع العلمین سوی النبیین والمرسلین واختار لی منهم اربعة  
 ابا بکر و عمر و عثمان علیاً فجعلهم خیرا صحابی (رواه الدیلمی شفاء قاضی عیاض ص. ۹۳)  
 ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ تمام مخلوق پر میرے صحابہ کو افضلیت عطا  
 فرمائی ہے اور میرے تمام صحابہ سے چار کو میرے لئے پسند فرمایا ہے اور وہ چار ابا بکر و عمر، عثمان و حیدر  
 رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان چاروں کو اللہ تعالیٰ نے میرا بہترین ساتھی بنایا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالیوب السخستانی سے نقل فرمایا: ”ومن احب ابا بکر فقد  
 اقام الدین ومن احب عمر فقد اوضح السبیل ومن احب عثمان فقد استغنی بنور اللہ  
 ومن احب علیا فقد اخذ بالعرفة الوثقی (شفاء شریف جلد، دوم ص. ۹۵) ترجمہ:  
 جس شخص نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے اپنے دین کو قائم رکھا اور جس نے عمر  
 فاروق سے محبت کی اس نے راہ اسلام کو واضح کر لیا اور جس نے عثمان غنی سے محبت کی وہ اللہ کے نور کو  
 پا کر باقی مخلوق سے بے نیاز ہو گیا اور جس نے علی المرتضیٰ سے محبت کی اس نے دین کی رسی کو مضبوطی  
 سے پکڑ لیا، حدیث دہلیسی اس بات پر گواہ ہے کہ خلفائے اربعہ کی افضلیت ترتیب خلافت پر ہے اور یہ  
 ترتیب خلافت اور افضلیت رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے واضح اور پیش فرما رکھی تھی  
 اسلاف کے عقیدے کی بنیاد بھی فرامین رسول اللہ ﷺ تھے قاضی عیاض اور ابوالیوب السخستانی رحمۃ اللہ  
 تعالیٰ عظماء امت میں سے ہیں ان کے اقوال حجت ہیں علامہ سعد الدین تفتازانی کا قول، علی ہذا  
 وجدنا السلف کہ ہم نے اسلاف کو اسی ترتیب افضلیت پر پایا ہے بدوں تحقیق بدوں اصل اور بے بنیاد  
 نہیں بلکہ اس کی بنیاد فرامین رسول اللہ ﷺ صحابہ اور تابعین کا اجماع اور عظماء امت کے اقوال صریحہ  
 ہیں علامہ آفاق ارضی پر پھیلے علوم و فنون کی دنیا کا بے تاج بادشاہ علمی مشکلات اور فنی مسائل کی گتھیوں  
 کو سلجھانے والا جابر حکمران تحقیق و تدقیق کی گہرائیوں میں اترنے والا واحد نقاد روایات و دراپات کی  
 تشخیص کرنے والا واحد نباض تصنیف و تالیف کا بے مثل قلم کار اور حق و صداقت کا علمبردار ہے جس کی  
 رفعت شان اور عظمت مقام کا پرچم صبح قیامت تک قصر اسلام کی چوٹی پر لہراتا رہے گا اتنے جلیل القدر

علامہ کے قول مذکور کو بے بنیاد کہنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں علامہ کی علمی نگارشات کا سلسلہ بڑا وسیع ہے جس کے نور فیضان سے قیامت تک امت مسلمہ مستنیر اور مستفیض ہوتی رہے گی۔

سید صاحب نے سیف الدین آمدی کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کیا کہ ”والذی علیہ الافاضل من اصحابنا اهل السنة والجماعة انه لا طریق الی التفضیل بمسلك قطعی فاما المسالك الظنیة فهی متعارضة وقد یتظهر بعضها فی نظر المجتهدین وقد لا یتظهر“

ترجمہ: اور جو ہمارے صف اول کے اہل السنّت والجماعت کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ تفضیل کی طرف جانے کے لیے کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکا اور جو ظنی راستے ہیں وہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور کبھی ان میں سے بعض طریقے بعض مجتہدین کی نگاہ میں آجاتے ہیں اور کبھی نہیں آتے آگے تحریر کیا کہ آمدی کی یہ عبارت مفید توقف ہے (زبدۃ ص 338)

جولباً کہا جائے گا کہ آمدی کا قول توقف سید صاحب کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اس عقیدے کی تائید اور توثیق میں انہوں نے بار بار روایات شاذہ اور اخبار واحدہ کو سپرد قلم کیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ ماخذ ہائے روایات و اخبار کی اعتقادی حیثیات کیا ہیں؟

۲۔ محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”وقد اجمعوا ایضا علی استحقاقہم الخلافة علی هذا الترتیب ، خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت پر صحابہ کا اجماع ہے یہ پہلا مقدمہ ہے پھر نقل فرمایا ”لَمْ یکن التفضیل بینہم علی هذا الترتیب قطعاً ایضاً حتی عند غیر الاشعری اجماع علیہ“ ترجمہ؛ اگر یہ کہا جائے کہ ترتیب خلافت تو قطعی ہے مگر ترتیب خلافت پر ترتیب افضلیت قطعی کیوں نہیں جبکہ اس ترتیب افضلیت پر بھی صحابہ کا اجماع ہے اور جو لوگ اشعری نہیں وہ بھی افضلیت پر اجماع صحابہ کو تسلیم کرتے ہیں۔

محدث رحمۃ اللہ نے قلت سے جواب دیا کہ: ”اما بین عثمان و علی فواضح الخلاف فیہ کما تقدم ، واما بین ابی بکر ثم عمر ثم غیر ہما وان اجمعوا علیہ الا

ان فی کون الا جماع حجة قطعياً خلاف فالذی علیہ الا کثرون انه حجة قطعیه مطلقاً فیقدم علی الادلة کلها ولا یعارضه دلیل اصلاً ویکفر، او یبدع و یضلل مخالفه وقال الامام الرازی والامدی انه ظنی مطلقاً (الصواعق المحرقة ۵۹)

ترجمہ: عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں (کہ ان دونوں میں کون افضل ہے) واضح اختلاف موجود ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن ابوبکر، پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم کے درمیان افضلیت پر بھی اجماع ہے مگر اس اجماع کے دلیل قطعی ہونے میں متکلمین اور اصولیین کا اختلاف ہے (یعنی خلفائے اربعہ کی افضلیت پر اجماع ہے مگر یہ دلیل قطعی نہیں، کیونکہ بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیتے ہیں لیکن اکثریت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ترتیب خلافت پر ہی خلفائے اربعہ کی افضلیت ہے اور اکثریت کا اجماع علی الاطلاق حجت قطعیه ہے اس کے معارض کوئی دلیل نہیں) اکثریت کے اجماع کا جو بھی مخالف ہے اس کی تکفیر تدریج اور تھلیل کی جاسکتی ہے لیکن امام رازی اور آمدی ترتیب افضلیت کو علی الاطلاق ظنی کہتے ہیں اس تفصیل کی روشنی میں آمدی کا قول توقف مردود ہے۔

۲۔ سید صاحب کی نقل سے معلوم ہوا کہ آمدی کا موقف دربارہ افضلیت توقف ہے، جبکہ محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ کے کلام سے واضح ہوا کہ آمدی افضلیت ظنی کا قائل ہے توقف اس کا موقف نہیں کیونکہ اس کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ افضلیت کے اجتہادی ہونے کا نظریہ رکھتا ہے جو مفید ظن ہے سید صاحب کو فہم عبارت میں مغالطہ لگا ہے وہ تو اجتہادی کی بات کرتا ہے کہ کبھی مجتہد کے سامنے مسئلہ کی حقیقت ظہور پذیر ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔

۳۔ حذیفہ ابن الیمان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا۔ افتد و ابالذین من بعدی ابی بکر و عمر (المستدرک) ترجمہ: میرے بعد تم ابوبکر اور عمر کی پیروی کرو گے ان کی پیروی کرنا اسی لیے لازم ہے کہ وہ افضل الامت ہیں آپ ﷺ نے شیخین رضی اللہ عنہما کو نامزد فرما کر اشارہ فرمایا کہ میرے بعد میری امت کے افضل ترین اشخاص ابو

بکر اور عمر ہیں اور میرے بعد خلافت اور افضلیت کے حوالے سے پہلے نمبر پر ابو بکر ہیں اور پھر عمر ہیں رضی اللہ عنہما اس حدیث کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے فرمایا:۔  
پیروی کنید باں دو شخص کہ پس از من باشند ابو بکر و عمر کہ بدرجہ شہرت و تواتر معنوی رسیدہ۔ (تحفہ ثناء عشریہ۔ ص۔ ۲۱۹) ترجمہ:۔ میرے بعد تم پر دو اشخاص کی پیروی لازم ہے یعنی ابو بکر اور عمر کی (رضی اللہ عنہما) یہ حدیث مشہور ہے مگر معنأً متواتر ہے یعنی دلیل قطعی ہے کہ پوری امت میں سب سے افضل ابو بکر ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر ہیں (رضی اللہ عنہما) اب غور طلب امر یہ ہے کہ ایک طرف حدیث مشہور حدیث متواتر ہے جو ابو بکر صدیق اور حضرت عمر کی افضلیت پر دلیل قطعی ہے اور دوسری طرف آمدی کا ذاتی قول اور ذاتی سوچ ہے اب واجب العمل دلیل قطعی ہوگی یا قول آمدی؟ علم حدیث سے معمولی شغف رکھنے والا شخص یہی کہے گا حدیث مشہور اور حدیث متواتر کے مقابل قول آمدی مردود اور باطل محض ہے۔

۵۔ سفیفہ بنی ساعدہ میں بیعت خاصہ سے پہلے جن امور پر اجماع ہوا وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ قول ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ اَلَا نَمْتُهُ مِنْ قَرِيْشٍ۔ ۲۔ حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کا قول انت خیرنا و افضلنا ترجمہ:۔ آپ ہم سب سے افضل اور بہتر ہیں۔ ۳۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا انصار کو یہ فرمانا: ”یا معشر الا نصار الستم تعلمون ان رسول اللہ ﷺ قد امر ابا بکر یوم الناس فایکم تطیب نفسه ان یتقدم ابا بکر رضی اللہ عنہ فقالت الا نصار نعوذ باللہ ان نتقدم ابا بکر امام حاکم نے حضرت عمر کے قول کو شیخین کی شرائط اسناد پر فرمایا۔ ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه“ (المستدرک جلد ۳، ص۔ ۷۰) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کو حکم فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تم میں سے کسی کا جی چاہتا ہے کہ وہ ابو بکر سے آگے بڑھ جائے انصار نے کہا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم ابو بکر کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے ہو جائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرائط

استاد کو پورا کرتی ہے۔ مندرجہ بالا ابو عبیدہ بن الجراح کا قول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال احادیث صحیحہ ہیں جن پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اجماع کیا اور کسی صحابی نے انصار و مہاجرین میں سے ان باتوں کا انکار نہیں کیا جس سے یہ اقوال (احادیث) اجماع کی قوت سے قطعی الدلائل تھے ہوئے اور ابو بکر صدیق کی افضلیت کے لیے قطعی الثبوت ہوئے اب فیصلہ کرنے میں کوئی خفاء اور دشواری نہیں کہ ایک طرف افضلیت ابو بکر صدیق پر صحابہ کا اجماع نصی ہے اور دوسری طرف باقلانی، سعودی اور آمدی کا قول توقف ہے کہ ابو بکر صدیق کو افضل البشر بعد از انبیاء و مرسلین کہنے سے خاموشی اختیار کرو چپ رہو، اگر کہتے ہو تو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل البشر بعد از انبیاء و مرسلین کہو، مسلمہ اصول ہے کہ اجماع صحابہ کے مقابل قول فرد، یا قول افراد مردود و باطل ہے لہذا آمدی ہو سعودی یا باقلانی ان کا قول توقف باطل ہے سید صاحب نے شریف جرجانی کا قول نقل کیا کہ: ”وثبوت الامامة وان كان قطعيا لا يفيد القطع بالا فضلية“ ترجمہ: امامت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر افضلیت کی قطعیت کا معنی نہیں دیتا خلافت اور افضلیت میں ہرگز تلازم نہیں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں ”کیف ولا قطع بان امامة المفضول لا مع وجود الفاضل“ ترجمہ: خلافت میں اول ہونا افضلیت کے معنی کیسے دے سکتا ہے جبکہ اس پر کوئی اہل ثبوت نہیں کہ مفضول کی امت افضل کے ہوتے ہوئے درست نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول خلیفہ و امام ہو سکتا ہے اس لیے خلافت میں اول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو پہلے خلیفہ ہو وہی افضل ہوگا (زبدۃ - 340)

### امام اور خلیفہ میں فرق ہے تفصیل

جواباً کہا جائے گا کہ:- خلیفہ اور امام میں عموم خصوص کی نسبت ہے امام عام ہے اور خلیفہ خاص ہے علامہ عبدالعزیز پھر ہاروی نے فرمایا: ”الامام صاحب الرياسة على المسلمين سواء كان على سنة الخلفاء الراشدين ام لا وهذا مما يسا عده فان الامام كل من يقتلدى به سواء كان على طريقة محمودة او مذمومة لقوله تعالى وجعلناهم آئمة يهدون

الى النار والخليفة من يكون نائبا خلف النبي ﷺ فلا بد ان يمشی خلفاه على طريقه (النبراس . ۳۱۱) ترجمہ: امام مسلمانوں پر صاحب ریاست (حکمران) کو کہا جاتا ہے اس کا کردار خلفائے راشدین کی سنت پر ہو یا نہ ہو لغت عرب بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے کیونکہ لغت میں امام ہر وہ شخص ہے جس کی پیروی کی جائے، خواہ اس کا طریقہ حکمرانی اور کردار اچھا ہو یا برا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ہم نے ان کو سرداری (امامت) دی ہے مگر وہ لوگوں کو جہنم کا راستہ دکھاتے ہیں اور خلیفہ اس نائب کو کہا جاتا ہے جو نبی کریم ﷺ کا خلف الرشید ہو اور اس پر لازم ہے کہ وہ آپ کے طریقہء حسنہ پر ہو معلوم ہوا کہ امام کا طریقہ گفتار و کردار محمود بھی ہو سکتا ہے اور مذموم بھی، مگر خلیفہ وہی ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کا نائب ہو اور آپ کے طریقہ حسنہ کا پیروکار ہو۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے فرمایا: "ان الامامة اعم لكن هذا الاصلاح مما لم نجد من القوم بل من الشيعة من يزعم ان الخليفة اعم ولهذا يقولون بخلافة الائمة الثلاثة دون امامتهم" (شرح عقائد . ۱۵۵)

ترجمہ: امامت عام ہے لیکن یہ اصطلاح امامت، اہل سنت اور متکلمین کی نہیں بلکہ شیعہ کی ہے اس لئے کہ ان کے ہاں امام خاص ہے اور خلیفہ عام ہے اسی لیے وہ خلفائے ثلاثہ کو خلیفہ تو تسلیم کرتے ہیں مگر امام تسلیم نہیں کرتے یعنی اہل سنت اور متکلمین کے نزدیک خلیفہ اخص اور امام اعم ہے لیکن شیعہ مذہب میں خلیفہ اعم اور امام اخص ہے، اہل تشیع خلفائے ثلاثہ کو خلیفہ مانتے ہیں مگر امام تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک "ان الامام الحق بعد رسول الله ﷺ على ثم ابنه الحسن ثم اخوه الحسين، ثم ابنه علي زين العابدين، ثم ابنه محمد التقى، ثم ابنه علي النقي ثم ابنه الحسن العسكري، ثم ابنه محمد القاسم، المنتظر المهدي،" (شرح عقائد نسفیہ . ۱۵۶) ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد امام حق حضرت علی ہیں پھر ان کے بعد ان کے بیٹے حسن، پھر ان کے بھائی حسین، پھر ان کے بیٹے علی زین العابدین، پھر ان کے بیٹے محمد باقر، پھر ان کے بیٹے محمد تقی، پھر ان کے بیٹے حسن عسکری، پھر ان کے بیٹے محمد قاسم المہدی المنتظر، رضی اللہ عنہم

ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ حق جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اس تفصیل کے جاننے کے بعد آئیے دیکھیں کہ علامہ شریف جرجانی کے قول کا مفہوم کیا ہے؟ کہ امامت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے لیکن یہ ثبوت مسئلہ افضلیت میں مفید قطعیت نہیں اب غور طلب امر یہ ہے کہ امامت سے کیا مراد ہے خلافت یا امامت؟ اگر امامت سے مراد خلافت ہو تو خلافت میں اول ہونا مفید قطعیت ہے اس لیے کہ ترتیب خلافت اور خلافت کی بنیاد پر موجود افضلیت پر بھی اجماع ہے اور اجماع جس طرح ترتیب خلافت کی دلیل قطعی ہے اسی طرح ترتیب افضلیت پر دلیل قطعی ہے پوری بحث پہلے آچکی ہے۔ اور اگر امام ہو جو خلیفہ کا مقابل ہے تو یہ شیعہ کا مذہب ہے اور اگر خلفائے ثلاثہ کو امام مان کر ترتیب افضلیت کو قطعی نہیں مانتے تو بھی یہ اجماع امت کے خلاف ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے فرمایا: ”واما الخلیفة فلیس لہم ان یولوا الخلافة الا افضلہم و ہذا فی الخلفاء خاصة و علیہ اجماع الامة (شرح فقہہ اکبر ۷) ترجمہ:۔ امر خلافت میں صحابہ نے انہی کو خلیفہ بنایا جو ان میں سب سے افضل تھے خلفاء کے لیے سب سے افضل ہونا شرط ہے۔ اور اس پر اجماع امت ہے معلوم ہوا کہ باجماع امت خلیفہ کا سب سے افضل ہونا بنیادی شرط ہے جبکہ امام کے لیے سب سے افضل ہونا ضروری نہیں خلیفہ کا نائب رسول ہونا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کا پیکر ہونا اور طریقہ محمودہ پر گامزن ہونا دلائل خلافت سے ہے جبکہ امام وہ شخص ہے جس کی پیروی کی جائے منتخب کیا گیا ہو یا جبری طور پر مسلط ہو اور اس کا کردار مذموم ہو یا محمود اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ امام کی اصطلاح اہل تشیع کی ہے اہل سنت اور متکلمین کی اصطلاح میں یہ لفظ مستعمل نہیں جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ نے فرمایا: ”لکن ہذا الا صطلاح مما لم نجدہ من القوم بل من الشیعة من یزعم ان الخلیفة اعم“ علامہ کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوا اہل تشیع، امام کو اخص اور خلیفہ کو اعم مانتے ہیں جبکہ اہل سنت اور متکلمین خلافت کو اخص کہتے ہیں اور خلافت سے مراد خلافت علی منہاج النبوة ہے جس کی مدت تیس سال ہے علامہ محمود ابوالبرکات النسفی نے فرمایا: ”والخلافة ثلاثون سنة ثم بعدھا ملک و امامة رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے

بعد تیس سال تک خلافت راشدہ کا دورانیہ ہے اس کے بعد بادشاہت اور امارت ہوگی علامہ سعد الدین التتازانی نے فرمایا کہ علامہ نسفی رحمۃ اللہ کے کلام (متن) کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے لقولہ عیہ السلام الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم بصیر بعدھا ملکا عضو ضاً  
”ترجمہ:۔ میرے بعد تیس سال تک خلافت راشدہ ہوگی اور اس کے بعد خلافت ظالم بادشاہت میں بدل جائیگی اس پر قیل وقال کو چھوڑ کر ہم رواں بمنزل ہوتے ہیں مندرجہ بالا بحث کا اجمال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو نظام خلافت تیس سالوں تک چلتا رہا، متکلمین اور اہل سنت کے نزدیک خلافت راشدہ ہے واضح رہے کہ اہل تشیع خلافت اور امامت کے عنوان میں تفریق کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ امام اپنے تمام اہل زمان سے افضل ہوتا ہے اور وہی رسول اللہ ﷺ کا نائب اور جانشین ہو سکتا ہے اور وہ صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہی امام حق ہیں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم خلفاء ضرور ہیں مگر امام حق نہیں امام حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہی رسول اللہ ﷺ کے نائب اور خلیفہ حق ہیں ان کے عقیدہ میں خلیفہ اعم اور امام اخص ہے خلیفہ کوئی بھی ہو سکتا ہے مگر امام ہر کوئی نہیں ہو سکتا امامت رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ابناء کے ساتھ مختص ہے جن کے اسمائے گرامی علامہ سعد الدین التتازانی کی شرح عقائد کے حوالے سے پہلے نقل ہو چکے ہیں اور زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی مصری رحمۃ اللہ نے حاشیہ مسائرہ میں نقل فرمائے ہیں۔

### معصومیت نبی کیلئے ہے امام کیلئے نہیں

یہاں اس بات کا ذکر کرنا یقیناً مفید اور اضافہ علم کا باعث ہوگا کہ اہل تشیع رسالت کے بعد امامت کے قائل ہیں اور امامت کے موضوع میں خواص نبوت کو ذخیل کارمانتے ہیں مثلاً ماہیت نبوت کے لیے عصمت معصومیت شرط لازم ہے جس کا سلب اور انکساک ماہیت نبوت من حیث ہی سے محالات ثابہ میں سے ہے اس کا تقاضا ہے کہ لازم بین للماہیۃ کو اسی کے ساتھ مختص رکھا جائے وجہ یہ کہ دوسری ماہیت کیلئے اس کا ثبوت اور لزوم محالات میں سے ہے جب ایک ماہیت کے خاصہ لازمہ بینہ کو دوسری

ماہیت کیلئے لازم قرار دیا جائے تو پھر سوال یہ ہے کہ پہلی ماہیت کیلئے اس کا لزوم اور ثبوت موجود ہے یا نہیں؟ اگر نہ ہو تو محال ہے بلکہ محالاتِ ثلاثہ لازم آتے ہیں، کیونکہ معصومیت ماہیت نبوت اور رسالت کے لوازمات میں سے ہے اگر پہلی ماہیت یعنی نبوت بھی اسی خاصہ لازمہ بینہ کی ملزومہ ہے اور دوسری ماہیت امامت بھی بطریق مساوات اور متواظی اس سے متصف اور اس کا مدلول ہو تو ہر دو ماہیات ماہیہ الاشتراک کی وجہ سے مساوی اور کلی متواظی ہوگی اور ہر کلی کا اطلاق دوسری کلی پر جائز اور ممکن ہوگا اور ہر کلی کے افراد موجودہ فی الخارج کے درمیان تمایز اور تغایر جاتا رہے گا اور ایک دوسرے پر حمل اور اطلاق جائز اور ممکن الوقوع ہوگا جبکہ یہ محالاتِ ثلاثہ میں سے ہے کیونکہ بدیہی امر ہے کہ امام کا امتی اور خلف ہونا تقاضائے اصول اور ضرورت قانون ہے اگر امام کیلئے بھی معصوم ہونا لازم قرار دیا جائے تو استحالہ لازم آئے گا کیونکہ معصومیت لوازم نبوت میں سے ہے بنی کے علاوہ کوئی فرد انسانیت معصوم ہو ہی نہیں سکتا، غیر نبی کیلئے اس کا نبوت اور لزوم محال ہے، اور اگر پھر بھی امامت کیلئے معصومیت کو ثابت کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ایک شی دو متضاد، مغائر ذوات کیلئے خاصہ لازمہ بینہ ہو یہ بھی محال ہے، بہر حال کوئی ضابطہ امام کو معصوم ماننے اور کہنے کی اجازت نہیں دیتا، اور نہ ہی کوئی فرد بشر انبیاء اور مرسلین کے علاوہ معصوم عن الخطاء ہو سکتا ہے،

### اہل سنت کے نزدیک امام کا مفہوم

امام کے مفہوم اور مدلول میں اہل سنت اور اہل تشیع کا موقف مختلف ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا عقیدہ ششم آنکہ امام بعد از رسول بلا فاصلہ ابو بکر صدیق است و ہمیں است مذہب اکثر اہل اسلام، و شیعہ متفرد اند بانکارا این عقیدہ۔ (تحفہ اثناعشریہ، ص ۱۸۰) ترجمہ: چھٹا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام بلا فاصلہ ابو بکر صدیق ہیں، اور اکثر اہل اسلام کا یہی مذہب ہے صرف شیعہ اس کے منکر ہیں، شیعہ کے نزدیک امام بلا فاصلہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں،

،، ہمیں معنی امام اعظم امام شافعی را کہ در فقہہ پیشوا بودند، و امام غزالی، و امام رازی را کہ در عقائد و کلام، و نافع و عاصم را کہ در قرأت امام بودند امام گویند و آئمہ اطہار در جمع ایں فنون پیشوا بوده اند، خصوصاً در ہدایت باطن و ارشاد طریقت کہ مخصوص بابائیں بود بایں جهت ایشان را اہل سنت علی الاطلاق آئمہ دانند نہ امامت مرادف خلافت است، (تحفہ اثناء عشریہ - ۱۸۰) ترجمہ: تمہیں یہ جان لینا چاہیے کہ دین میں پیشوائی کو بھی امامت کہتے ہیں، امام اعظم، امام شافعی کو فقہ میں پیشوائی کی وجہ سے امام کہا جاتا ہے، عقائد اور علم الکلام میں پیشوائی کی وجہ سے امام غزالی اور امام رازی کو امام کہا گیا ہے حضرت نافع اور حضرت اصم کو قرأت میں پیشوائی کی وجہ سے امام کہا جاتا ہے آئمہ اہل بیت اطہار ان تمام علوم و فنون میں چونکہ پیشوا ہوئے ہیں اس لئے ان کو امام کہتے ہیں۔ خصوصی طور پر وہ باطن کے ہادی ہیں اور طریقت کی راہنمائی ان کا خاصہ ہے ان وجوہات کی بناء پر اہل سنت ان کو بدوں تخصیص امام کہتے ہیں اہل سنت ان آئمہ اطہار کی امامت کو خلافت کے معنی میں نہیں لیتے، یعنی آئمہ اہل بیت اطہار کو خلفاء نہیں مانتے بلکہ دینی، روحانی پیشوا مانتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام سے واضح ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک امام کا معنی دینی پیشوا ہے، خلیفہ نہیں، جبکہ شیعہ لفظ امام خلیفہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، اہل سنت کے نزدیک خلفائے راشدین پانچ ہیں۔ (۱) ابو بکر صدیق (۲) عمر فاروق (۳) عثمان غنی (۴) علی المرتضیٰ (۵) حضرت حسن رضی اللہ عنہم جبکہ شیعہ کے امام (خلفاء) بارہ ہیں جن کے اسمائے گرامی پہلے ذکر کر دیئے گئے ہیں، اہل سنت انسانی مخلوق میں صرف انبیاء اور مرسلین کو معصوم مانتے ہیں جبکہ شیعہ اپنے بارہ اماموں (خلفاء) کو بھی معصوم مانتے ہیں۔

جبکہ معصوم ہونا انبیاء اور مرسلین کی صفت اور خاصہ ہے، امام اور امامت کے معنی اور مدلول میں اہل سنت اور اہل تشیع کا یہ بنیادی تضاد اور اختلاف ہے، جو اختصاراً ہدیہ قارئین کر دیا گیا ہے اللہ توفیق فہم عطا فرمائے۔

## حضرت شہاب الدین سہروردی کا قول اور اس کی وضاحت

سید صاحب نے حضرت شہاب الدین سہروردی کی کتاب اعلام الہدیٰ و عقیدہ ارباب التقی ص: ۵۳ سے یہ عبارت نقل کی ہے: ﴿فان قبلت النصح فامسک عن التصرف فی امرہم واجعل محبتک لکل علی السواء وامسک عن التفضیل وان خامر باطنک فضل احدہم علی الاخر فاجعل ذالک من جملة اسرارہ فلا یلزمک اظہارہ، ولا یلزمک ان تحب احدہم اکثر من الاخر بل یلزمک محبة الجميع والاعتراف بفضل الجميع ویکفیک فی العقیدة السلیمة ان تعتق صحة خلافة ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم﴾

ترجمہ: اگر تو میری نصیحت کو قبول کرے تو ان کے معاملے میں دخل دینے سے پرہیز کر اور ان میں سے ہر ایک سے مساوی (برابر) محبت کر اور تفضیل سے بھی باز رہ اور اگر ان میں سے کسی ایک کی فضیلت دوسرے پر تیرے دل میں چھا گئی ہے تو اس بات کو اپنے دل کا ایک بھید بنا لے، اس کا اظہار تجھ پر ضروری نہیں ہے کہ تو ایک سے دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ محبت کرے، بلکہ ان سب کی محبت تجھ پر ضروری ہے اور سب کی فضیلت کا اعتراف کرے اور تیرے لئے عقیدہ سلیمہ رکھنے کیلئے یہ کافی ہوگا کہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کا اقرار کرے۔ (زبدۃ: ۳۴۲)

سید صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ ایک سلسلہ طریقت کے بانی ہو کر اور علم عقیدہ کے ماہر متکلم ہو کر تعلیم دے رہے ہیں کہ خلافت کی صحت کا عقیدہ ثابت ہے لہذا اس کا معتقد ہونا ضروری ہے کیونکہ اس پر اجماع صحابہ ہوا۔ (زبدۃ: ایضاً)

جواباً کہا جائے گا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی، سلسلہ سہروردیہ کے بانی اور امام ہیں، اہل سنت کے معتبر شیخ طریقت ہیں انہوں نے تمام صحابہ کرام سے بدرجہ مساوات (یعنی بحیثیت صحابہ رسول) محبت کرنے کی تعلیم دی ہے اور یہ تلقین کی ہے کسی ایک کی محبت کا غلبہ ہو جانے سے دوسروں کی تنقیص شان سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے کسی ایک کے غلبہ محبت کا پرچار اور ڈنڈھورا نہیں پیٹنا چاہیے بلکہ اپنے دل میں محفوظ اور مستور رکھو شیخ سہروردی کی یہ نصیحت ان لوگوں کیلئے ہے جو ایک صحابی کی محبت

میں جنوں کی حد تک جا کر باقی صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے دربار گوہر بار میں جو ان کا مقام اور مرتبہ ہے اس کی نفی اور انکار کرتے ہیں، شیخ موصوف کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے جو اس کے مصداق اور مرتکب ہیں، محمد اللہ اہل سنت رسول اللہ ﷺ کے جمیع صحابہ سے محبت کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو ان کا مقام اور مرتبہ بیان فرمایا ہے اس پر ایمان کامل رکھتے ہیں بالخصوص خلفائے اربعہ کے مناصب جلیلہ کو اسی ترتیب اور اسی تناسب سے مانتے ہیں قرآن، حدیث اور اجماع امت نے جس طرح نشان دہی فرمائی ہے۔

سید صاحب نے آگے لکھا کہ گو کہ اہل علم کے ایک طبقے کو اس پر بھی کلام ہے، کیونکہ سعد بن عبادہ..... شیخین میں سے کسی کی بھی بیعت کے بغیر احتجاجاً مالک شام چلے گئے وہیں آپ کا وصال ہوا، (ردہ: ۳۳۳) جو ابابا کہا جائے گا کہ: سید صاحب نے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی کتاب سے اقتباس پیش کیا ہے مگر رائے اپنی دے رہے ہیں اقتباس کا آخری حصہ تو خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت پر ہے جس پر اجماع صحابہ ہے اور یہ ترتیب خلافت قطعی ہے تفصیل مع حوالہ جات پہلے آچکی ہے وہ کون سے اہل علم ہیں، جن کو اس اجماع صحابہ پر کلام (انکار) ہے، سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے نامزد خلیفہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے، استحقاق خلافت پر بولنے والے پہلے مقرر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے ان کی تقریر کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے الائمۃ من قریش سے استدلال کیا تھا اور براہ راست حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اس خبر کی صحت اور تصدیق طلب فرمائی تھی، انہوں نے اس کی تصدیق کی، جب حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت پر چاروں طرف سے لوگ اٹھ آئے اور انہوں نے بیعت کی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت عامہ کا سارا عمل حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں مکمل ہوا، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ”حوران“ کے مقام پر ہوا۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ: اہل علم کے ایک طبقے کو ابو بکر صدیق کی خلافت پر ہونے والے اجماع پر اعتراض ہے اس طبقے کو اہل علم کہنا، جہالت کا اظہار اور حماقت کا اقرار ہے اور درحقیقت اجماع صحابہ کا

انکار ہے جو ذی شعور انسان کیلئے روائی نہیں، کیونکہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت سے انکار نہیں کیا اور جو دلائل حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر دیئے گئے ان کی تردید نہیں فرمائی بلکہ خاموشی اختیار کی، ”السکوت فی معرض البیان“ بیان کے تحت خاموشی رضا ہے، اگر مخالفت کرتے تو اجماع کے نقض کا احتمال ممکن تھا۔

(۲) جب اہل حل و عقد (صحابہ کبار) بیعت کر چکے تو اجماع منعقد اور بیعت مکمل ہو گئی، محبت الدین طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿وهی انما تنعقد باجماع اهل الحل والعقد﴾ (الریاض النضرۃ: ۱: ۲۴۴) ترجمہ: بے شک اہل الحل والعقد کے اجتماع سے خلافت منعقد ہو جاتی ہے (۳) محبت الدین طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے شیخین کی بیعت نہیں کی تو بھی اس سے اجماع میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ:

﴿بل نقول خلاف الواحد مع ظهور العناد والحمية الجاهلية لا بعد خلافا ينتقص به الاجماع﴾ (الریاض النضرۃ: ۱: ۲۴۲)

ترجمہ: بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ذاتی عناد، اور طریق جاہلیت پر کئے جانے والے خلاف کو، خلاف شرعی نہیں کہا جاسکتا، اور نہ ہی ایسی مخالفت کو ناقض اجماع شمار کیا جاسکتا ہے، محبت الدین طبری رحمہ اللہ نے وضاحت فرمادی کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تنہا شخص تھے جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی بظاہر انہوں نے مخالفت کی لیکن ان کی مخالفت کے باوجود صحابہ کا اجتماع اجماع ہے کیونکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا الائمۃ من قریش کی تصدیق کرنے کے باوجود بیعت نہ کرنا اور خاموش بیٹھے رہنا اگرچہ بظاہر ان کی مخالفت ہے لیکن یہ خلاف شرعی نہیں، ان کا ذاتی عناد اس کے پس پردہ کار فرما ہے کیونکہ وہ بھی خلافت کے امیدوار تھے، مسلمہ اصول ہے کہ دلیل پالینے، اور علم ہو جانے کے بعد بھی کسی حقیقت کو تسلیم نہ کرنا شیوۂ جہالت ہے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب فرمان رسول آ گیا انہوں نے اس کی صحت کو تسلیم کر لیا تو بیعت کر لینا تقاضائے ضرورت تھا لہذا ان کا خلاف کرنا دلیل شرعی نہیں جو انعقاد اجماع

کیلئے نقصان یا عدم کا باعث ہو، علامہ ابولابریکات محمود النسفی نے ”منار“ میں فرمایا کہ اجماع کے ارکان دو قسم ہیں، (۱) عزیمت (۲) رخصت

عزیمت پھر دو قسم ہے، (۱) زبانی اتفاق کرنا (۲) کسی امر پر عملی طور پر اتفاق کرنا

دوسری قسم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اوشروعهم فی الفعل ان کان من بابہ﴾  
اگر اس اتفاق کا تعلق فعل سے ہو، اس فعل پر اتفاق کرنا عزیمت ہے۔

اور عزیمت دو قسم ہے قولی اور فعلی، حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر اجماع کے رکن اول، عزیمت کی

دونوں شقیں موجود ہیں قولی بھی اور عملی بھی ”منار“ کے محشی نے اوشروعهم فی الفعل ”پر فرمایا

”هذا كالاجماع على خلافة الصديق رضى الله عنه فان الصحابة بايعوا بايديهم

واقروا بالستهم﴾ ترجمہ: عزیمت فعلی کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر

صحابہ کا اجماع ہے، صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت عملی بھی کی، اور زبانوں سے

اقرار بھی کیا، یہ اجماع نصی تام ہے۔

محشی رحمہ اللہ ایک سوال اور اس کا جواب نقل کرتے ہیں: ﴿فان قلت ان الشيعة خالفوا في

هذا فكيف يتحقق الاجماع﴾

اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ اس اجماع کے مخالف ہیں یہ اجماع کیسے متحقق ہوگا؟

قلت سے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ان الشيعة من اهل الهواء ولا اعتدا دلهم في

الاجماع على ان حدوئهم بعد هذا الاجماع فان هذا الاجماع قبل دفن النبي

ﷺ ولا وجود للشيعة في ذلك الوقت فهم منكروا هذا الاجماع والاجماع

متحقق قبل حدوئهم﴾

ترجمہ: شیعہ اہل ہواء میں سے ہیں اجماع میں غیر معتبر ہیں (۲) شیعہ اجماع کے بعد پیدا ہوئے

ہیں، کیونکہ اجماع نبی کریم ﷺ کے دفن ہونے سے پہلے ہوا ہے اس وقت شیعہ کا وجود تک نہ تھا کہ وہ

اجماع کی مخالفت کرتے، اجماع کا تحقق تو شیعہ کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔

ثابت ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر منعقد ہونے والے اجماع قوی، اور فعلی (اجماع نصی تام) کا منکر فقط شیعہ ہے اہل سنت و جماعت کا کوئی فرد اس کا منکر نہیں اور نہ ہی کسی کو اس پر کلام ہے۔

ملا احمد جیون رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿و منه الاجماع على خلافة ابى بكر﴾

ترجمہ: حضرت ابو بکر کی خلافت پر ہونے والا اجماع آیت قرآنی اور خبر متواتر کے درجے اور قسم میں سے ہے۔

حتیٰ یکفر جاحدہ یہاں تک کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اہل علم ہیں سید صاحب نے جن کے معترض اور منکر ہونے کی بات کی ہے ان کا تعلق کس مکتبہ فکر سے ہے؟ ان کے کلام (انکار، اعتراض) کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جبکہ بوقت اجماع وہ عالم ارواح کے کلین تھے، نفس الامری حقیقت اور علم و دانش کے مغائر یہ بات سید صاحب کے ذہن اور نوک قلم پر کیسے آگئی؟

(۴) شیخ شہاب الدین سہروردی سلسلہ سہروردیہ کے رئیس اور سالار اعلیٰ ہیں، ان کی تقریر اور نصیحت عقیدہ اہل سنت و جماعت کی ترجمان ہے انہوں نے تمام صحابہ سے بدوں ترجیح اور بلا امتیاز محبت کرنے کا درس دیا ہے اگر کسی وجہ سے کسی ایک صحابی کی محبت دل و دماغ پر چھا جائے اس کو صیغہ خفاء اور پردہ رزا میں رکھنے کی تلقین فرمائی ہے تاکہ کسی حوالے اور کسی طریقے سے بھی ان قدسی صفات شخصیات کی عظمت شان اور رفعت مقام پر حرف نہ آئے، روحانی دنیا کا امام ہونے کے ناطے ان کا فرض یہی تھا جو انہوں نے نصیحت کی صورت میں ادا کر دیا ہے افضل و مفضل، امام و خلیفہ کی اجاث کا تعلق علم الاکلام سے ہے روحانیت اور تصوف سے نہیں، لیکن اس کے باوجود شیخ طریقت رحمہ اللہ نے بھرپور اور واضح انداز میں عقیدہ اہل سنت و جماعت کو بیان فرمایا: جس کا ہر لفظ سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے الفاظ یہ ہیں: ﴿ویکفیک فی العقیدة السلیمة ان تعتقد صحة خلافة ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم﴾ (زبدۃ: ۳۴۱)

ترجمہ: تیرے لئے عقیدہ سلیمہ رکھنے کیلئے یہ کافی ہوگا کہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی خلافت

صحیحہ کا اقرار کرے۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس آخری جملہ میں سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے جس کی معنویت بے کراں اہل علم پر پوشیدہ نہیں،،

شیخ طریقت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ ترتیب خلافت کو تسلیم کیا جائے، خلافت کے بدلے امامت، اور ترتیب امامت کو تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ اہل سنت اور متکلمین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت ہے امامت نہیں،،

خلافت کے عنوان میں سب سے اول اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بلا فصل جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں، شیخ طریقت نے اس ترتیب خلافت کے ماننے کو عقیدہ سلیمہ قرار دیا ہے، شیخ موصوف نے اس ترتیب خلافت کو عقیدہ صحیحہ قرار دیکر دو نظریات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

دوسرا یہ کہ حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں،، کا ابطال فرمایا ہے۔

شیخ سہروردی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح اور ہر قسم کی آلائشوں سے پاک عقیدہ یہی ہے کہ خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت اور اس پر مبنی ترتیب افضلیت پر ایمان رکھا جائے، کیونکہ شیخ موصوف رحمہ اللہ نے نصیحت کا خلاصہ اس آخری کلام میں یہی بیان فرمایا ہے،، خلاصہ یہ کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کا کلام تفضیل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ثابت کرتا ہے اور نہ عقیدہ توقف کو بلکہ تفضیل ابو بکر صدیق

پر واضح بیان اور عقیدہ حق کا درخشاں نشان ہے اور یہی عقیدہ اہل سنت ہے،، ☆ واللہ الحمد ☆

سید صاحب نے امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب المحتصی، ج، ۱، ص: ۱۸۳، سے نقل کیا کہ:

﴿المبتدع اذا خالف لم یعتقد الا جماع دونہ ازالہم یکفر بل ہو کالمجتہد

الفاسق و خلاف المجتہد الفاسق معتبر﴾ ترجمہ: مجتہد مبتدع جب مخالفت کرے (اجماع سے اتفاق نہ کرے تو) اجماع منعقد نہ ہوگا جبکہ بوجہ اس کی بدعت کے اس کو کافر نہ قرار دیا جائے بلکہ وہ

ایک فاسق مجتہد کی مانند ہوگا اور فاسق مجتہد کا خلاف معتبر ہے۔ (زبدۃ: ۳۲۲)

جواباً کہا جائے گا کہ: سید صاحب نے امام غزالی رحمہ اللہ کے اس قول سے کس اجماع پر معارضہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے؟ صحابہ اور تابعین کے اجماع پر یا ہر دور کے علماء مجتہدین کے اجماع پر؟ امام غزالی رحمہ اللہ کا قول کسی بھی اجماع کے معارض اور مناقض نہیں، صحابہ اور تابعین کا دور قرآن و حدیث کا دور ہے اجماع صحابہ کا دور ہے جو عدول اور مخزنہائے رشد و ہدایت کا نمونہ ہیں ان کی حیات مقدسہ کے شب و روز نبوت اور وحی کے آثار اور انوار سے تابندہ ہیں ان کے اطوار اور کردار بدعات اور اہواء کی آلودگی سے پاک ہیں، ان کے قلوب و اذہان گفتار و کردار اور دیگر معاملات حیات خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم کی لازوال، ابدی طہارتوں سے دھلے ہوئے صاف اور شفاف ہیں ان کے ہر سانس کی شاہراہ پر اسوۂ رسول اور حب الہی کے بورڈ آؤیز ایل ہیں جن سے روگردانی کرنا ان کیلئے جان دینے سے زیادہ مشکل ہے،،

اور اگر اجماع سے مراد ہر دور کے علماء مجتہدین کا اجماع ہے تو درست ہے مگر ان علمائے مجتہدین کیلئے ضروری ہے کہ وہ اہل حق ہوں، خود سید صاحب نے تحریر کیا ہے کہ اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ ہر زمانے کے اہل حق کا اجماع حجت ہے،، (زبدۃ: ۳۰۔ نحو الخزان العرفان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ)

## اہل تشیع اہل اہواء ہیں اہل اہواء کے پیچھے نماز درست نہیں

علامہ عینی نے تحریر فرمایا: ﴿وعن ابی یوسف من اتخذ من هذه الہواء شیئاً فهو صاحب البدعة﴾ جو ان چیزوں میں سے کسی کو اختیار کرنے، مثلاً خلق قرآن کا قول کرنے، ابو بکر صدیق کی خلافت کا انکار کرے یا مشبہ کا مذہب اختیار کرے وہ اہل بدعت ہے،، (زبدۃ: ۱۳۵)

(۲) ﴿وروی محمد عن ابی حنیفۃ و ابی یوسف ان الصلوۃ خلف اہل الہواء لا تجوز﴾ ترجمہ: امام محمد نے امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے کہ اہل اہواء (غیر اہل سنت) کے پیچھے نماز درست نہیں۔ (زبدۃ: ایضاً)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿اقول نعم نقل فی النزایۃ عن الخلاصۃ ان

الرافضی اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر ، وان كان يفضل عليا فهو مبتدع ﴿(رد المختار : ج، ۴: ص، ۲۳۷)﴾

ترجمہ: میں کہتا ہوں ہاں خلاصہ کے حوالے سے ”بزازیہ“ میں یہ منقول ہے کہ رافضی جب شیخین (ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو گالیاں دیتا ہوا اور لعن کرتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر گالیاں دیتا ہو نہ لعن کرتا ہو، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل قرار دیتا ہو تو وہ بدعتی ہے۔

سید صاحب نے تبصرہ صفحہ نمبر ۱۳۵ پر لکھا کہ چونکہ ہم لوگ سنی حنفی ہیں ہمارے امام صاحب (امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) کسی بھی مبتدع کے پیچھے نماز کو جائز قرار نہیں دیتے لہذا ہم کسی مبتدع کے پیچھے نہ ہی نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی جائز قرار دیتے ہیں باوجود اس بات کے کہ ہمارے آئمہ کسی بھی مبتدع کو کافر قرار نہیں دیتے،، (زبدۃ: ۱۳۵)

سید صاحب کے تبصرہ اور نقل کردہ دیگر فقہی حوالہ جات سے ثابت ہوا جو بھی مبتدع ہے سنی حنفی شخص کی نماز اس کے پیچھے جائز نہیں، سوال یہ ہے کہ مبتدع کے پیچھے جب سنی حنفی کی نماز جائز نہیں تو وہ اہل حق نہیں، اگر اہل حق ہوتا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوتا،، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ نے اہل حق علماء کے اجماع کے حجت ہونے کی بات کی ہے،، اہل بدعت تو اہل حق میں شامل ہی نہیں،، علامہ حسامی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿والصحيح عندنا ان اجماع علماء كل عصر من اهل العدالة والاجتهاد حجة ولا عبرة لقلّة العلماء وكثرتهم ، ولا بالثبات على ذلك حتى يسموتوا ولا بمخالفة اهل الهوى فيما نسبوا به الى الهوى﴾ (حسامی باب الاجماع) ہم احناف کے نزدیک صحیح مذہب یہی ہے کہ ہر دور کے عادل، مجتہد علماء کا اجماع حجت ہے، علماء کی تعداد کا کم، زیادہ ہونا معتبر نہیں، (یعنی تعداد مقرر نہیں) اور مرتے دم تک عدالت اور مرتبہ اجتہاد پر قائم رہنا بھی ضروری نہیں، اور اہل اہواء، یا اہل اہواء کے کاموں کی طرف منسوب لوگوں کی مخالفت کرنے سے بھی اجماع متاثر نہیں ہوتا (بلکہ اہل اہواء اہل بدعت کی مخالفت کے باوجود اجماع منعقد ہو جاتا ہے) معلوم ہوا، ہر دور کے عادل مجتہد علماء کا اجماع حجت اور دلیل شرعی ہے (۲) اہل اہواء اہل

بدعت اہل عدالت نہیں اس اجماع کے انعقاد میں وہ داخل ہی نہیں،، (۳) مبتدع کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں اس کی مخالفت کے باوجود اجماع منعقد ہو جاتا ہے مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں امام غزالی رحمہ اللہ کا قول باب اجماع میں قول معارض ہے نہ حجت،،

سید صاحب نے آخر میں لکھا کہ: لیکن افضلیت صحت مند اور معتد دلائل سے ثابت نہیں لہذا اس کے متعلق خاموشی اولیٰ و احری ہے،، (زبدۃ: ۳۴۳)

جواباً کہا جائے گا کہ زبدۃ سید صاحب کا تحقیقی نچوڑ اور تفصیل علی رضی اللہ عنہ کا آخری فیصلہ اور حتمی اعلان ہے جس کو مقدمہ کتاب سے لیکر ص ۴۰۰ تک پھیلا دیا گیا ہے، سید صاحب نے افضلیت ابو بکر صدیق کی نفی اور انکار میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، اقوال ضعیف، روایات شاذہ، اور غیر مسلکی مواد جمع کرنے سے بھی گریز نہیں کیا، طیش و جوش میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ یہ قول، اور یہ روایت متعدد بار پہلے آچکا ہے پھر سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، بہر حال کتاب ان کی اپنی، قلم ان کا اپنا سوچ ان کی ذاتی عقیدہ ان کا اپنا جو چاہیں لکھیں جب چاہیں لکھیں، لیکن ایک چیز کو بار بار ذکر کرنے سے ہمیں ہچکچاہٹ ضرور محسوس ہوتی ہے لیکن جواب دینا ہماری مجبوری ہے، تعجب اس بات پر ہے کہ پہلے نقل ہو چکا ہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ عمدۃ التحقیق جلد اول میں بھی سیر حاصل بحث کے ضمن میں دلائل کا ذخیرہ نقل کر دیا گیا ہے مگر سید صاحب اب پھر کہہ رہے ہیں کہ: لیکن افضلیت صحت مند اور معتد دلائل سے ثابت نہیں، دیگر دلائل کے علاوہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے قصیدہ بدء الامالی کی شرح کا حوالہ دیتے ہوئے نقل فرمایا: ﴿ای فضل واضح ثابت بالدلائل السمعیۃ و اجماع الامۃ فمن انکرہ یوشک ان فی ایمانہ خطراً﴾ ترجمہ: حاصل یہ کہ تفصیل صدیق قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت جو اس سے انکار کرے قریب ہے کہ اس کے ایمان میں خطر ہو۔

تفضیلیہ اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ

آگے تحریر فرمایا: عجب اس سے جو اجماع صحابہ و تابعین و کافراہل سنت کا خلاف کرے پھر اپنے آپ کو

سنى جانے آگے فرمایا: سنی وہ جو تمام عقائد اہل سنت میں ان کے موافق ہو اگر اس میں بھی خلاف کرتا ہے ہرگز سنی نہیں بدعتی ہے اسی لئے علمائے دین تفضیلیہ کو سنیوں میں شمار نہیں کرتے،،  
(مطلع القمرین: ۶۵)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فرمایا: ﴿ثم الخليفة لا تشترط فيه العصمة لانه ليس بمقنن، وهو ابو بكر ثم عمر، ثم عثمان ثم علي بالنص والاجماع والافضلية كذا لك بهما﴾ (میزان العقائد) ترجمہ: پھر خلیفہ کیلئے معصوم ہونا شرط نہیں (معصوم ہونا اہل تشیع کا مذہب ہے) کیونکہ وہ قانون بنانے والا نہیں قانون اسلامی کی تعبیر و تشریح کرنے والا اور نافذ کرنے والا ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ حق ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی ہیں، رضی اللہ عنہم۔ ان کی خلافت نص اور اجماع صحابہ سے معرض وجود میں آئی ہے اور اسی ترتیب خلافت کے مطابق ان کی افضلیت پر نص اور اجماع ہے،، اور یہ اجماع کو صحت مند اور معتمد دلائل نہیں مانتے؟ جمہور امت ان کو دلائل قطعیہ مانتی اور ان سے ثابت ہونے والی افضلیت کو بھی قطعی مانتی ہے۔ سید صاحب ان کی شرعی حیثیت اور اساسی اہمیت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ کیا نص اور اجماع کی مخالفت اور انکار کا نام فکر اسلام ہے؟

سید صاحب نے تحریر کیا کہ یہ کہنا بھی لغو جملہ ہوگا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو سب سے افضل نہ جانے وہ سنی نہیں ہوگا۔ (زبدۃ: ۳۳۳)

جو اباب کہا جائے گا کہ سید صاحب کا یہ کہنا بذات خود لغو ہے کیونکہ علامہ سعد الدین الشافعی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ حیث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضیل الشیخین ومحبة الختین ﴿شرح عقائد، ۱۵۰﴾ ترجمہ: اسلاف نے شیخین کی افضلیت اور ختین (حضرت عثمان، حضرت علی، رضی اللہ عنہما) کی محبت کو اہل سنت و جماعت کی علامت قرار دیا ہے۔،،

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿وفی المنتقى سنل ابو حنیفة عن مذهب اهل السنة والجماعة فقال ان فضل الشیخین ای ابابکر وعمر ونحب الختین ای عثمان

وعليا، الخ (شرح فقہہ اکبر، ص: ۹۰)

ترجمہ: المشقی میں مذکور ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم شیخین کو تمام صحابہ سے افضل قرار دیں یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو افضل کہیں اور سختین یعنی حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت کریں،

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح عقائد سے نقل فرمایا: ﴿حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة

تفضيل الشيخين ومجبة الختین﴾ (شرح فقہہ اکبر: ۷۵)

اہل سنت وجماعت میں سے ہونے کی علامت یہ ہے کہ شیخین (ابو بکر و عمر) رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ پر تفضیل دی جائے، اور سختین (عثمان و علی) رضی اللہ عنہما سے محبت کی جائے، معلوم ہوا اسلاف نے ابو بکر صدیق، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ سے افضل قرار دینا سنی ہونے کی علامت اور اہل سنت کا مذہب قرار دیا ہے مذہب اہل سنت کو لغو قرار دینا بذات خود لغو اور سنی نہ ہونے کی واضح دلیل ہے، مذہب اہل سنت وجماعت کو لغو قرار دیکر سید صاحب کس مذہب کی تبلیغ اور تشہیر کر رہے ہیں؟ یہ

کون سی فکر اسلام ہے جس نے سید صاحب کو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جمہور امت کے متفقہ عقیدہ

(افضلیت ابو بکر صدیق) کو لغو کہنے پر مجبور کر دیا ہے، الحذر، الحذر

مزید تحریر کیا کہ اگر اس جملہ میں کوئی صداقت ہوتی تو جتنے صحابہ کرام کے حوالہ جات درج کئے گئے

در بارہ افضلیت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ وہ تو سنی نہ رہتے، (زبدۃ: ۳۳۳)

جو ابابا کہا جائے گا کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک حق اور سچ ہے، صحابہ، تابعین، تبع تابعین

کے ادوار میں اس میں کوئی توقف، تردد یا انکار نہیں تھا اس پر مصدقہ، معتدہ، دلائل پہلے آچکے ہیں

، امام احمد رضا خاں بریلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہما اللہ کے حوالہ جات چند سطور پہلے

آچکے ہیں کہ ابو بکر صدیق اور دیگر خلفائے ثلاثہ کی افضلیت نص اور اجماع سے ثابت ہے نص اور

اجماع سے ثابت شدہ افضلیت کو معاذ اللہ جھوٹ کہنا نص اور اجماع کا انکار ہے ایک کلمہ گو مسلمان

جس کا بھولے سے تصور تک نہیں کر سکتا، سید صاحب کی عجیب فکر اسلام ہے جو قرآن، حدیث اور

اجماع کے الہامی تقدس اور قطعیت کو سبوتاژ کر کے افضلیت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر انکی ہوئی ہے قرآن، حدیث، اجماع امت سے صدقہ افضلیت ابو بکر صدیق کے عقیدہ کو صداقت سے عاری گردان کر اس پر لغویت کا خول چڑھا رہی ہے، سید صاحب نے افضلیت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر جتنے اقوال ”صحابہ“ یا غیر صحابہ کے نقل کئے ہیں، وہ شاذ اور اخبار واحدہ ہیں جن کی ادلائی کوئی حیثیت نہیں، الصواعق المحرقة، تکمیل الایمان، مطلع القمرین کے مندرجات سے ہم پہلے واضح اور نقل کر چکے ہیں، خلاصہء بحث یہ ہے کہ سنی ہونے اور سنیت میں رہنے کیلئے افضلیت ابو بکر صدیق کا اظہار اور اقرار ضروری ہے۔

کتب احادیث ان کی شروحات اور تواریخ اسلامی کے مطالعہ سے بتذکرہ افضلیت جو امور سامنے آتے ہیں وہ صرف دو ہیں،

(۱) انصار و مہاجرین کا استحقاق خلافت پر مکالمہ (۲) اہلیت خلافت بر بنائے افضلیت اجماع صحابہ جب الامت من قریش کے استدلال پر خلافت کا استحقاق مہاجرین کو نصیب ہوا تو پھر مسئلہ افضلیت زیر بحث و تکرار کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خواص لازمہ بینہ کی بنیاد پر افضل الصحابۃ قرار دیکر خلیفہ منتخب کیا گیا، اور دودفعہ آپ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی ایک دفعہ بیعت خاصہ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی اور دوسری دفعہ بیعت مسجد نبوی میں ہوئی جو بیعت عامہ کے نام سے مشہور ہے۔

سید صاحب کے نقل کردہ صحابہ، زبدۃ، ص: ۳۳۳، اور دیگر لوگوں کا قول اعتراض دربارہ افضلیت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ میں سامنے آیا نہ مسجد نبوی میں، جب دونوں اہم مقامات پر یہ قول یہ اعتراض پیش ہی نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ اختلاف بیعت خاصہ اور بیعت عامہ کے اجماع کے بعد اختراع کیا گیا ہے بوقت انتخاب خلیفہ صرف وہی دو امور زیر بحث آئے ہیں جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے اجماع اور بیعت خاصہ اور بیعت عامہ کے بعد پیدا ہونے والے مفروضات اور پیدا کئے جانے والے اختراعات کی کوئی حیثیت ہی نہیں،

افضلیت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سنی، غیر سنی کا اختلاف تو بہت بعد کا ہے جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع تو نبی کریم ﷺ کے دن ہونے سے پہلے ہوا ہے، اس وقت تفصیل علی رضی اللہ عنہ، سنی اور غیر سنی کا مسئلہ کہاں تھا؟  
☆ ففکر وتدبر ☆

امام شعرانی اور شیخ ابن العربی کے اقوال سے مغالطہ دہی اور اس کا جواب

سید صاحب نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی نفی پر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا مسلک پیش کرتے ہوئے ان کی کتاب الفتوحات المکیہ سے درج ذیل اقتباس نقل کیا: ﴿فما تاخر عن الاول الا لامر ایسرہ وایسنہ الزمان لان وجود الاہلیۃ فیہ من جمیع الوجوہ فیعلم ان الحکم فی تاخرہ و تقدیم غیرہ للزمان کخلافۃ ابی بکر و عمر ثم عثمان، ثم علی رضی اللہ عنہم جمیعہم فما منہم واحد الا و هو مترشح للتقدم ولا خلافۃ موہل لها فلم یبق حکم لتقدم بعضہم علی بعض منہا عند اللہ للفضل﴾ ترجمہ: پہلے سے خلافت متاخر نہیں ہوئی مگر ایک ایسی بات کیلئے جس کی آسان ترین اور واضح ترین وجہ زمانہ ہے کیونکہ متاخر میں ہر طرح کی اہلیت اور قابلیت موجود ہے، پس معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تاخیر اور دوسرے کی تقدیم محض برائے مصلحت زمانہ ہے جیسا کہ حضرات ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی خلافت ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس میں آثار تقدم و خلافت مترشح نہ ہوں ہر ایک اس خلافت کا اہل ہے تو خلافت کے بارے میں ان میں سے کسی ایک کو مقدم کرنا خدا کی بارگاہ میں بوجہ افضلیت کے نہیں اس پر سید صاحب نے تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ خلافت میں تقدم و تاخر باعتبار افضلیت کے نہیں ہوتا بلکہ مصلحت زمانہ کے لحاظ سے تقدم اور تاخیر ہوتی ہے آخر میں لکھا کہ ایک کو مقدم کر دینے کا مقصد افضلیت نہیں ہوتا بلکہ مصلحت زمانہ کا فرما ہوتی ہے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب الیوقیت والنجواہر سے مثال دیتے ہوئے نقل کیا کہ: ﴿لا یلزم التقدم بالفعل فان اللہ تعالیٰ امرنا باتباع ملۃ ابراہیم و لیس ذالک لکونہ احق من محمد ﷺ واما هو لتقدمہ بالزمان فان للزمان حکما فی التقدم من حیث ہو زمان لا من

حيث المرتبة وذاك كالخلافة بعد رسول الله ﷺ

ترجمہ: ایک شخص کا دوسرے سے پہلے ہونا وہ صرف زمانہ میں مقدم ہونا ہے اس سے افضلیت میں تقدم لازم نہیں آتا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں مذہب ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم دیا یہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ حضور ﷺ سے وہ اس کے حقدار ہیں وہ صرف ان کے زمانے میں مقدم ہو سکی وجہ سے ہے زمانہ کو تقدم بحیثیت زمانے کے حاصل ہوتا ہے مرتبہ کے اعتبار سے حاصل نہیں ہوتا، تبصرہ کے آخر میں لکھا کہ آپ ﷺ کو ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام افضل نہیں جو پہلے آئے بلکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ افضل ہیں جو پیچھے آئے۔ (زبدۃ: ۳۴۷)

جواباً کہا جائے گا کہ امام شعرانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿فان الاهلية للخلافة موجودة فيهم من جميع الوجوه فكان سبقهم لا يقتضى التفضيل بمجرده وانما ذالك بوجود نص قاطع﴾ (اليواقيت الجواهر: ۴۴۳) ترجمہ: خلفائے اربعہ میں خلافت کی اہلیت ہر لحاظ سے موجود تھی، خلافت میں محض مقدم ہونا افضلیت کا تقاضا نہیں کرتا، افضلیت کیلئے نص قطعی کا ہونا ضروری ہے یعنی پہلے خلیفہ بن جانا افضلیت کا تقاضا نہیں کرتا کہ جو پہلے خلیفہ ہو وہی افضل ہو بلکہ افضلیت کا دار و مدار نص قطعی پر ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وبالجملة فلا ينبغي الخوض في مثل ذالك الا مع وجود نص صريح، مع اننا قائلون بترتيب هؤلاء الخلفاء الاربعة كما عليه الجمهور﴾ (اليواقيت الجواهر: ۴۴۳)

ترجمہ: خلاصہ بحث یہ ہے کہ افضلیت پر ہمارا عقیدہ وہی ہے جو جمہور کا ہے جمہور کا مذہب توقف نہیں بلکہ تفضیل ابو بکر ہے سید صاحب کا توقف کوشش اکبر محمدی الدین ابن عربی کی طرف منسوب کرنا غلط ہے اگر مذہب توقف ہوتا تو پھر کیوں کہتے کہ ابو بکر صدیق کی افضلیت حضرت عمر پر قطعی ہے اور حضرت عمر کی افضلیت باقی صحابہ پر ظنی ہے اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ باقی تمام صحابہ سے افضل ہیں، ابو بکر صدیق، حضرت عمر سے افضل ہیں، افضل کا افضل افضل ہے تو ابو بکر صدیق بافضلیت قطعاً تمام صحابہ سے افضل ہوئے،، وهو المقصود،،

مزید فرمایا: ﴿كان الامام بالاجماع بعد رسول الله ﷺ ابابكر، ثم عمر رضی اللہ عنہ بنص ابی بکر علیہ، ثم عثمان بنص عمر علیہ، ثم علی بنص جماعة جعل الامر شورى بينهم﴾ (اليواقیت الجواہر: ۴۴۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد باجماع صحابہ ابو بکر خلیفہ بنے، پھر عمر رضی اللہ عنہما ان کے تحریری فرمان پر خلیفہ بنے، پھر عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان پر خلیفہ بنائے گئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابہ کی جماعت شوری کے تحت خلیفہ بنائے گئے،

امام شعرانی رحمہ اللہ کی مندرجہ بالا تصریح سے ثابت ہوا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت باجماع صحابہ معرض وجود میں آئی، امام شعرانی نے شیخ ابن عربی کا عقیدہ نقل فرمایا: ﴿وكان الشيخ محی الدین رضی اللہ عنہ يقول تقدیم ابی بکر فی الفضل علی عمر قطعی و تقدیم عمر علی غیرہ ظنی﴾ (اليواقیت الجواہر: ۴۴۲) ترجمہ: شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابو بکر کی افضلیت حضرت عمر پر قطعی ہے اور حضرت عمر کی افضلیت باقی صحابہ پر ظنی ہے، شیخ محی الدین ابن عربی اور امام شعرانی رحمہما اللہ کے کلام سے ثابت اور واضح ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت تقدم زمانی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی افضلیت نص قطعی سے ثابت ہے،

اور ابو بکر صدیق کی افضلیت تمام صحابہ پر بشمول حضرت عمر قطعی ہے، الیواقیت الجواہر کے اقتباسات اس امر کی واضح دلیل اور بین ثبوت ہیں کہ شیخ اکبر ابن العربی اور امام شعرانی رحمہما اللہ کا ترتیب خلافت اور ترتیب افضلیت میں وہی عقیدہ ہے جو عقیدہ جمہور ہے اقتباسات نقل کرنے میں سید صاحب نے امانت و دیانت کا اصول مد نظر نہیں رکھا، تجزیاتی اور تحقیقی بحث کے چند جملے نقل کر کے افضلیت ابو بکر صدیق کو مخدوش اور مسلوب بنا نیکی سعی و علا حاصل کی ہے، امام شعرانی کا کلام بڑا واضح ہے ﴿فكان سبقهم لا يقتضى التفضيل بمجرد ه وانما ذالك بوجود نص قاطع﴾ یعنی صرف پہلے خلیفہ ہونا، دلیل افضلیت نہیں، بلکہ افضلیت کیلئے نص قطعی کا ہونا ضروری ہے جناب

صدیق اکبر کی افضلیت اس وجہ سے نہیں کہ وہ پہلے خلیفہ ہیں بلکہ ان کی افضلیت کی دلیل نص قطعی ہے اور وہ اجماع صحابہ ہے، جو آپ کے خلیفہ بننے سے پہلے آپ کی افضلیت پر منعقد ہوا، افضلیت کی علت اور دلیل میں امام شعرانی رحمہ اللہ کا جمہور کے ساتھ اختلاف نہیں بلکہ ان کے موقف کی مزید وضاحت ہے کہ ابوبکر صدیق کو جو افضل کہا گیا ہے اس کی علت اور وجہ آپ کا خلیفہ اول ہونا نہیں بلکہ نص قطعی ہے جس کی بناء پر آپ کو افضل الامت قرار دیا جا کر خلیفہ اول تسلیم کیا گیا ہے۔

بلاشبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لحاظ سے تقدم زمانی حاصل ہے تقدم زمانی کو دلیل افضلیت قرار دینے میں استحالہ شرعی لازم آتا ہے تقریر استحالہ یوں ہے کہ آپ ﷺ سے قبل دنیا میں تشریف لانے والے انبیاء افضل ہوں گے کیونکہ ان کو تقدم زمانی حاصل ہے اور آپ ﷺ مفضل ہوں گے آپ کا مفضل ہونا محالات شرعیہ میں سے ہے کیونکہ مفضولیت کی صورت میں ان نصوص قطعیہ کا ترک اور انکار لازم آتا ہے جن میں آپ کا افضل الخلق ہونا بیان کیا گیا ہے لہذا تقدم زمانی کو افضلیت کی علت قرار دینا محال شرعی ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلاشبہ تقدم حاصل ہے مگر یہ تقدم صرف زمانی ہی نہیں بلکہ عنوان خلافت میں تقدم شرعی اور تہی بھی ہے اور یہی دلیل افضلیت ہے، آپ کے تقدم شرعی اور تہی پر پائے جانے والے ذخیرہ ہائے دلائل میں سے ہم صرف دو احادیث کی نقل پر اکتفاء کرتے ہیں، ”واللہ التوفیق“

حضرت ابودرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ابوبکر صدیق کے آگے آگے چلتے ہوئے دیکھ لیا، تو فرمایا کیا تم ایسے شخص کے آگے آگے چلے جا رہے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے بہتر (افضل) ہے آپ نے فرمایا: ﴿ما طلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر﴾ ترجمہ: سورج طلوع ہوا نہ غروب کسی بھی ایسے شخص پر جو انبیاء اور مرسلین کے بعد ابوبکر سے افضل ہو،

حضرت جابر سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے آپ نے فرمایا:

﴿یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احدا خیرا منه ولا افضل وله شفاعۃ

شفاعة النبيين فما برحنا حتى طلع ابو بكر فقام النبي ﷺ فقبله والترمذه ، خرجه

الحافظ الخطيب ابو بكر احمد بن ثابت البغدادي ﴿الرياض النضرة ١: ص: ١٣٦، ١٣٧﴾

ترجمہ: تمہارے سامنے ایک ایسا شخص نمودار ہونے والا ہے میرے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر کسی بھی شخص کو پیدا نہیں کیا، اس کی شفاعت انبیاء کی شفاعت جیسی ہوگی، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے ان کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اب کو بوسہ دیا، اور گلے لگایا اس حدیث کی تخریج الحافظ، الخطیب ابو بکر احمد بن ثابت البغدادی نے کی ہے ہر دو احادیث سے ثابت ہوا کہ افضلیت کی دلیل اور معیار تقدم زمانی نہیں بلکہ وہ شرف اور مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو عطا فرماتا ہے اگر تقدم زمانی افضلیت کی علت ہو تو انبیاء سابقین کے خلفاء اور امتیں ابو بکر صدیق سے افضل ہوں، جبکہ اولاد آدم علیہ السلام میں انبیاء اور رسولوں کے بعد افضل الا بشر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں،

یہ حدیث مرفوع ہے اس میں ﴿لم یخلق اللہ بعدی احدا خیرا منه ولا افضل﴾ میں بعدی قیودات اور لم تخلق مقید ہے احدا خیرا، ولا افضل بمعنی منفی نکرات ہیں، تحت النفی الجحد کے تحت آنے سے النفی العموم کیلئے مفید ہیں لم حرف نفی داخل بر مضارع مفید جو دہے جو زمانہ تخلیق آدم سے لیکر زمانہ نبوی تک کو محیط ہے معنی یہ ہوگا کہ زمانہ آدم علیہ السلام سے لیکر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس تک انبیاء اور مرسلین کے بعد ابو بکر صدیق سے افضل اللہ تعالیٰ نے کسی کو پیدا نہیں فرمایا، لم تخلق کا فعل منفی بعدی احدا خیرا وغیرہ قیود سے مقید ہے، قانون تقاضا کرتا ہے کہ کلام منفی مقید میں نفی کا عمل قید کو متاثر کرتا ہے اس کلیہ کی روشنی میں حدیث کا معنی ہوگا، انبیاء و مرسلین کے بعد اولاد آدم میں ابو بکر سے افضل پہلے کوئی ہوا ہے نہ بعد میں ہوگا، یہ النفی العموم ہے جو مفید السلب الکلی ہے انبیاء اور رسولوں کے بعد ابو بکر کے علاوہ ہر فرد بشر سے افضلیت اور خیریت کی نفی کی گئی ہے یہی سالبہ کلیہ ہے موجب تسلیم ہے ورنہ اس کی تقیض موجب جزئیہ قابل تسلیم ہوگی نقیض قابل تسلیم نہیں کیونکہ اس سے شرعی استحالہ لازم آتا ہے، وہ استحالہ شرعی اس حدیث مرفوع کا ترک اور انکار ہے، جو ہرگز روا نہیں،، واللہ الحمد،

خلاصہ یہ ہے کہ امام شعرانی رحمہ اللہ نے یہ وضاحت کی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وجہٗ  
افضلیت خلافت میں تقدم زمانی نہیں بلکہ نص ہے اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ دائیں بائیں کے تانے  
بانے بحث افضلیت میں نتیجہٗ خیز اور بار آور نہیں بلکہ افضلیت کا علم اور اس تک رسائی محتاج نص ہے  
، افضلیت ابو بکر صدیق پر ایک نص نہیں بلکہ نصوص قطعیہ موجود ہیں،، اہل علم کیلئے یہی ایک دلیل  
(نص) کافی اور شافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی علالت کے ایام میں نماز ایسے بلند مرتبہ اور اہم  
رکن دین کی ادائیگی میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر مصلیٰ امامت عطا فرمایا تھا،، جبکہ ان ایام میں حضرت  
علی الرضیٰ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کی جمعیت مدینہ طیبہ میں موجود تھی۔

سید صاحب نے لکھا شیخ محقق رحمہ اللہ کا توقف کو ترجیح دینا جبکہ شیخ رحمہ اللہ کا عقیدہ توقف نہیں ملاحظہ ہو:

**شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی توقف کا نہیں بلکہ افضلیت قطعیہ**

اور ترتیب خلافت کا عقیدہ رکھتے ہیں:

۱: چاروں صحابہ کرام کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے دیکھی جاسکتی ہے،، تکمیل الایمان :

۱۵۳،، مکتبہ نبویہ لاہور۔

۲: دوسرا مقام یہ ہے کہ ان خلفاء کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے شمار کی جائے، یعنی سب  
صحابہ سے افضل ترین سیدنا صدیق اکبر پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ

، (تکمیل الایمان: ۱۶۱، ایضاً)

۳: جمہور اہل سنت کا مذہب اسی ترتیب خلافت پر ہے (تکمیل الایمان: ۱۶۲، ایضاً)

۴: امام نووی نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ سب صحابہ سے افضل تو ابو بکر صدیق ہیں ان کے بعد  
حضرت عمر اور اس فیصلہ پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے، (ایضاً)

۵: الغرض علمائے اہل سنت کا یہ نظر یہ ہے کہ تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر کو افضلیت  
حاصل ہے۔

۶: جمہور آئمہ نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے۔

۷: اگر علمائے اہل سنت حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں۔ (تکمیل الایمان: ۱۶۹)

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوا کہ شیخ محقق کا عقیدہ توقف،، یا ترجیح توقف نہیں، بلکہ وہ تمام صحابہ پر تفصیل شیخین کا عقیدہ رکھتے ہیں جس طرح جمہور آئمہ اہل سنت شیخین کی افضلیت کو قطعی مانتے ہیں اسی طرح شیخ محقق بھی شیخین کی افضلیت کو باقی تمام صحابہ پر قطعی مانتے اور اس کو قرار دیتے ہیں سید صاحب کا قول توقف کو شیخ محقق کی طرف منسوب کرنا خطائے فاحش ہے،،

سید صاحب نے لکھا کہ دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت ہی کو ترتیب مرتبہ سمجھنا اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا بلا دلیل ہوگا کیونکہ یہ مذہب جمہور ہے اور مطلق جمہور دلیل شرعی نہیں ہے جو ابابا کہا جائے گا کہ: سید صاحب زبدۃ کے ص: ۲۲ پر یہ تحریر کر چکے ہیں کہ افضلیت ابو بکر صدیق مذہب جمہور ہے جو کہ اسلام میں کوئی قانون ساز ادارہ نہیں ہے لہذا اس پر کسی بھی قطعیت کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی،،

سواد اعظم قانون ساز ادارہ ہے، عقیدہ، قول، عمل میں اسکی اتباع واجب ہے اور یہی بات یہاں بھی دہرائی ہے،، سید صاحب کو مغالطہ لگا ہے افضلیت ابو بکر صدیق مذہب جمہور یعنی قول جمہور سے ثابت نہیں بلکہ اجماع صحابہ، قرآن، حدیث سے ثابت ہے جمہور ان ادلہ ثلاثہ سے ثابت ہونے والی افضلیت ابو بکر صدیق پر کاربند ہیں، تفضیلات پہلے آچکی ہیں، رہا یہ کہ جمہور قانون ساز ادارہ نہیں سید صاحب کا یہ کہنا بھی غلط اور فرامین رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا علیکم بالسواد الاعظم فانہ من شذذنی النار،، رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ،، تم پر جماعت کثیرہ (جمہور) کی پیروی لازم ہے جو ان کے خلاف چلا وہ جہنم میں ڈالا جائے گا،، یہ حدیث دو جملوں اور دو مضامین پر مشتمل ہے (۱) اتباع جمہور (۲) جمہور مخالف افراد کے حکم پر

مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مبارک کہ ہر دو مضامین اور ہر دو مضامین کی توضیح کر دی جائے کہ سید صاحب نے جمہور کی شرعی حیثیت اہمیت اور اس کے قانون ساز ادارہ نہ ہونے کا جو ذکر

کیا ہے اس کا بطلان بھی واضح ہو جائے،،، واضح ہو کہ ”علیکم“ کا لفظ اسم فعل ہے اور حدیث میں الزموا کے معنی میں مستعمل ہے، الزموا میں خطاب تمام مسلمانوں کو ہے جن کا دائرہ وجود صبح قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور السواد الاعظم سے مراد، بقول ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ الجماعۃ الکثیرہ ہے، اور اس سے مراد مسلمانوں کی اکثریت ہے دوسرا قول یہ ہے کہ سواد اعظم سے مراد جمع المسلمین ہے،،، (مرقات)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر مسلمانوں کی جماعت کثیرہ (جمہور) کی اتباع، اقتداء لازمی ہے، جماعت کثیرہ کے بارے میں کتاب ”الازہار“ میں فرمایا گیا ہے: ﴿اتبعوا الاعظم یدل علی ان اعظم الناس العلماء وان قل عددہم،،، مرقات،،، السواد الاعظم کے الفاظ ترکیب توصیفی کی صحت میں دلالت کرتے ہیں کہ لوگوں میں (عوام میں) اہل عظمت صرف علماء ہیں ان کی اقتداء اتباع اپنے اوپر لازم کرلو،،، یہ اتباع، اور اقتداء کن امور میں لازم اور واجب ہے کیونکہ علیکم اسم فعل بمعنی الزموا فعل امر کے ہے اور امر یہاں وجوب کیلئے ہے وہ امور تین ہیں،،،

(۱) عقیدہ (۲) قول (۳) فعل

اب حدیث کا تفسیری معنی یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان تم اپنے اوپر جمہور کا عقیدہ، جمہور کا قول اور جمہور کا فعل لازم کرلو،،، سوال یہ ہے کہ جمہور کا طریقہ ”عقیدہ“ قول، فعل،،، قبیح (غلط، برا) بھی ہو سکتا ہے اس کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ﴿وما راہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن، وما راہ المسلمون سينا فهو عند اللہ سىء﴾  
 محدث ابن حجر کی رحمہ اللہ نے فرمایا ﴿اخرجه الحاكم وصححه عن ابن مسعود﴾  
 (الصواعق المحرقة: ۱۳)

مسلمانوں کی اکثریت (بوجہ صیغہ جمع) کے نزدیک جو امر حسن ہے وہ اللہ کے ہاں بھی حسن ہے اور جس امر کو مسلمانوں کی جمعیت قبیح اور برا قرار دے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قبیح اور برا ہے نبی کریم ﷺ نے جمہور کے فیصلہ کو موید من اللہ ہوئی دلیل ارشاد فرمائی، ﴿لا تاجتمع امة محمد علی ضلالة، وید اللہ علی الجماعۃ﴾

اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ﴿قال المظهر في الحديث دليل على حقية اجماع الامة﴾ پھر فرمایا: ﴿فالحديث يدل على ان اجتماع المسلمين حق والمراد اجماع العلماء﴾ (مقرات)

ترجمہ: میری امت (یا شک راوی کی بناء پر) یا محمد ﷺ کی امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوگا، اجماع پر اللہ کا دست نصرت اور دست غلبہ ہے یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کا اجتماع حق ہے اور اس سے مراد جمہور علماء ہیں، مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور علماء ہی حق پرست ہیں ان کے ہر فیصلہ (کسی امر کی اچھائی پر ہو یا اس کے برا ہونے پر) کو اللہ کی تائید اور نصرت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ ایک امر قبیح ہے تو اس کو حسن کہنے اور اگر حسن ہے تو اس کو قبیح کہنے پر ہرگز متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے جمہور علماء کو اقدام علی المعصیت سے محفوظ رکھا ہوا ہے، اگر جمہور قانون ساز ادارہ نہ ہوتا تو ﴿وما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما راہ المسلمون سينا فهو عند الله سيء﴾ کے حکم قطعی میں کیوں ہوتا جمہور کی رائے اجتہاد اور از قسم استنباط ہے، ہر دو کا تعلق ان امور سے ہے جو منصوص علیہا نہیں جب جمہور کے اجتہادی اور استنباطی حکم کو اللہ اپنا حکم قرار دے رہا ہے تو جمہور قانون ساز ادارہ کیسے اور کیوں نہ ہو اور پھر یہ حکم وہ ہے جس پر اللہ کی مہر تائید اور توثیق ثبت ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ﴿لا يجمع امتي على ضلالة﴾ کی ضمانت بھی دے رکھی ہے، جمہور علمائے امت کو قانون ساز ادارہ تسلیم نہ کرنا ان احادیث مبارکہ سے لاعلم ہونے کی دلیل ہے، اور دانستہ صرف نظر کیا گیا ہے، تو انکار کے مترادف ہے یہ بھی شان ایمان و اسلام کے خلاف ہے،

اب آئیے سید صاحب کی نقل کردہ حدیث کے دوسرے جملے یعنی دوسرے حصے کی طرف دوسرا جملہ دوسرا حصہ ﴿من شذ شذ في النار﴾ ہے اس جملہ کا پہلے جملہ ”علیکم بالسواد الاعظم“ کے ساتھ معنوی تعلق ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غیر منصوص فروعی معاملات میں جمہور علمائے اسلام کی متفقہ رائے خواہ عقیدہ میں ہو یا قول و عمل میں اپنانے کا سختی سے حکم فرمایا ہے اور جمہور علمائے

امت کی رائے کو حکم خداوندی کا درجہ عنایت فرمایا ہے اور ساتھ ہی رائے جمہور کو خواہ کسی امر کے حسن میں ہو یا قبح میں، تا سید ایزدی سے مزین اور نصرت و غلبہ سے موثق ہو نیکی بشارت عطا فرمائی ہے، جمہور علماء کی متفقہ رائے کو سراپا ہدایت، قرار دیکر گمراہی اور بددینی کی کدورتوں سے پاک اور صاف فرمایا ہے جب جمہور علماء کی متفقہ رائے قانون خداوندی ہے اس کو نصرت اور غلبہ کی تمام عظمتیں حاصل ہیں تو لا محالہ اس جمہوری رائے پر چلنے والا مستحق جنت ہے اور اس رائے کی مخالفت کرنے والا اور موید من اللہ جمہور علماء کے خلاف صف بندی کرنے والا دوزخی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس لئے مفہوم مخالف کے طور پر فرمایا، جو جمہور علمائے امت کے عقیدہ، قول، فعل میں ان کی مخالفت کریگا الگ راہ اپنائے گا وہ جہنمی ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿من شذ﴾ (من شذ) ای انفرادی عن الجماعة باعتقاد او قول او فعل لم یكونوا عليه (شذ فی النار) ای انفرادی فیہا ومعناہ انفرادی عن اصحابہ الذین ہم اهل الجنة والقی فی النار ﴿مرفقات﴾

ترجمہ: جو اعتقاد، قول یا عمل میں جماعت کثیرہ (جمہور علماء) سے الگ چلا (جس پر جمہور علماء ہیں اس پر گامزن نہ ہوا) یعنی وہ جمہور علماء جو اہل جنت ہیں سے الگ ہوا وہ جہنم میں ڈالا گیا، حدیث میں واقع دو جملے دو مختلف معنوں پر دلالت کرتے ہیں پہلے جملے میں اتباع جمہور کا حکم اور جمہوری فیصلے کو حکم خداوندی کی تعبیر اور توضیح فرمایا گیا ہے اور اس پر سختی سے عمل کرنے اور اتباع کرنے کا حکم بخشا گیا ہے دوسرے جملے میں اس حکم، اور فیصلہ کی خلاف ورزی کرنے والے کا انجام بتایا گیا ہے سخت سرزنش کی گئی ہے دونوں معانی کے درمیان تغائر، بتائن، اور معنوی اختلاف رذر روشن سے بھی زیادہ واضح ہے، سید صاحب کا یہ کہنا کہ یہ حدیث جماعت کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ اختلاف میں مفید معنی نہیں ہے بلکہ فرد کے جماعت کے مقابلے میں اختلاف پر تشبیہ ہے،، اولاً تو محل نظر ہے،

ثانیاً: اگر سید صاحب کی اس تعبیر کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ ہمارے موقف کے خلاف نہیں کیونکہ سوال یہ ہے کہ فرد کو جماعت کے ساتھ اختلاف رکھنے پر اہل دوزخ ہو نیکی تشبیہ کیوں کی گئی ہے؟ وہ اسی لئے کہ جماعت (جمہور) کا عقیدہ، قول، فعل، اللہ کے ہاں مقبول اور درست ہے،، اور نصرت خداوندی

سے مالا مال ہے سرچشمہ ہدایت ہے جبکہ اس کے مقابل فرد واحد کا قول مخالف گمراہی اور بے دینی ہے اگر وجود جمہور قانون سازی (احکام شرعیہ کے اجتہاد، اور استنباط) میں کوئی اہمیت اور حیثیت نہ رکھتا تو ”ید اللہ علی الجماعة“

کی غیر متناہی اور لازوال عظمتوں سے کیوں اور کس طرح بہرہ ور ہوتا؟ اگر قول جمہور کسی امر کے حسن و قبح میں موثر اور نافذ الحکم نہ ہوتا تو اس کے مخالف فرد کو، ”شد فی النار“ کے سخت گیر الفاظ سے آخری اور سنگین نوعیت کی عقوبت اور سزا کیوں سنائی جاتی؟ ماننا پڑیگا کہ سید صاحب کا جمہور کے وجود اور ان کے متفقہ قول کے نفوذ کا انکار کرنا ہر صورت غلط ہے،

## فضیلت اور افضلیت کیا ہے؟ تحقیق کے اجالے میں

افضلیت کسی ایسے وصف کا نام ہے جو کسی ایک میں پایا جائے اور کسی دوسرے میں نہ پایا جائے یا کسی دوسرے میں پایا جائے مگر اس درجے میں نہ پایا جائے جس درجے کے ساتھ اول الذکر میں پایا جائے۔ (زبدۃ: ۳۵۳)

جو اباب کہا جائے گا کہ یہ تعریف غلط ہے کسی اصول کسی قاعدے نے یہ تعریف بیان نہیں کی، سید صاحب کی خود ساختہ ہے،، افضلیت کی تعریف یہ ہے کہ وصف دونوں افراد میں پایا جا رہا ہے دونوں افراد ایک ہی وقت میں ایک وصف سے متصف ہیں مگر ان میں سے ایک میں زیادہ اور اس کی نسبت دوسرے فرد مختص میں کم پایا جا رہا ہے، علامہ ابن حاجب نے افضلیت کے معنی اور مدلول و مفہوم کو واضح کرنے کیلئے فعل کا وزن مختص فرمایا ہے جہاں بھی یہ وزن ہوگا، وہاں افضلیت کا معنی متحقق ہوگا، اور یہ وزن ثابت کرے گا کہ میرے موصوف کو دوسرے فرد کی نسبت اور اس کے مقابلے میں وصف کی زیادتی حاصل ہے اور میرا موصوف اور مدلول اس وصف کی زیادتی سے متصف ہے ماخذ اور معنوی تاثیر میں فرمایا: ”اسم التفضیل ما اشتق من فعل لموصوف بزيادة علی غیرہ“ و هو افعال، اسم تفضیل اسم ہے مصدر سے مشتق کیا جاتا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ اس کے موصوف

میں دوسرے کے نسبت معنی وصفی زیادہ پایا جاتا ہے اور اس کا وزن افضل ہے،، ابن حجب رحمہ اللہ کی تعریف سے ثابت ہوا کہ وصف دو افراد میں ایک ہی وقت میں پایا جاتا ہے مگر ایک میں زیادہ پایا جاتا ہے اور دوسرے میں کم،، یہ افضل اور مفضول کی صورت ہے، افضل وہی ہے جس کے مقابل مفضول ہو،، افضل کا وجود مفضول کے وجود کے بغیر ناممکن ہے قرآن حکیم نے اس مضمون کو ” ان اکرمکم عند اللہ اتقکم“ میں بیان فرمایا ہے،، افضلیت کا تعلق، جس، تجربہ، اور عمل سے ہے، جو عمل انسان کے تابع علم اور مشاہدہ کے ماتحت ہے، جس کے احساس اور ادراک میں عقلی یا نقلی دلیل کی ضرورت نہیں، لیکن فضیلت ایک ایسا وصف اور خاصہ ہے جو دلیل شرعی کے تابع اور اس کا نتیجہ فکر ہے ابن عبد البر اندلسی نے خود نقل کیا ہے:

”واما التعیین فیہم وتفضیل بعضہم علی بعض، فہذا لایصح فی نظر ولا اعتبار ولا یحیط بذالک الا الواحد القہار المطلاع علی النیات الحافظ للاعمال الا من جاء فہ اثر صحیح“ ترجمہ: مگر ان میں تعین کرنا اور بعض کو بعض پر افضلیت دینا یہ نظر اور اعتبار میں صحیح نہیں، اس کا سوائے واحد وقہار کے کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا،، یعنی افضل اور صاحب فضیلت وہی ہوگا جس کے بارے میں دلیل شرعی قائم ہوگی اس کے تعین اور اختصاص میں پسند و ناپسند اور اعتبارات کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ یہ خالص توفیقی الہامی اور شرعی مسئلہ ہے، صاحب فضیلت وہی ہوگا جس کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وضاحت اور تصریح فرمائی ہوگی،، ابن عبد البر کی یہ توضیح ثابت کرتی ہے کہ حسب و نسب اور خاندانی تعلق کا شرف اور عظمت اس تعریف افضلیت اور وصف فضیلت میں داخل نہیں، کیونکہ اس کا علم ادراک اور احساس مخلوق کو بھی حاصل ہے مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے برادر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر نبی کریم ﷺ کی ذریت طیبہ کو جو شرف اور فضیلت نسب حاصل ہے وہ شیخین (ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما) اور دیگر کسی صحابی کو حاصل نہیں، پوری امت کا اس پر اجماع ہے،، دائرہ ایمان میں رہنے کیلئے اس کا اقرار و اظہار کرنا اور اس پر ایمان رکھنا ضروریات میں سے ہے مگر ابن عبد البر اندلسی کی تعریف فضیلت

ان پر صادق آتی ہے نہ محیط ہے کیونکہ اس افضلیت کا حسی طور پر سب کو علم ہے یہ عظمت کسی دلیل کی محتاج نہیں، سب جانتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جگر کے ٹکڑے ہیں، ان جیسا کوئی نہیں۔ ابن عبدالبر اندلسی جب یہ تسلیم کر چکا ہے کہ افضلیت/رضیلت کا وجود اور ثبوت نص قرآنی اور حدیث رسول ﷺ کا مرہون منت ہے، افضل وہی ہوگا صاحب رضیلت بھی وہی ہوگا جس کے متعلق نصوص کا ورود ہو، نبی کریم ﷺ کی پوری امت نے نصوص کو ملاحظہ کرنے کے بعد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل البشر کہا اور تسلیم کیا، اور انہی نصوص مقدسہ کی روشنی میں خلیفہ بھی منتخب کیا گیا تو اب وہ کوئی دلیل شرعی مگر الہامی ہے جس نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضلیت کے منصب سے اتار کر مفضولیت کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے،

### سید سند شریف جرجانی کے اقتباس سے مغالطہ آفرینی

سید صاحب نے سید شریف جرجانی رحمہ اللہ متوفی ۸۱۶ھ شرح مواقف صفحہ ۴۰۴، ۸ جز کے حوالے سے نقل کیا کہ: ”والنصوص المذكورة من الطرفين بعد تعارضها لا تفيد القطع على ما لا يخفى على منصف لانها باسرها اما احاد او ظنية الدلالة مع كونها متعارضة“ ترجمہ: دونوں دھڑوں (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کی حمایت میں وارد ہونے والی نصوص آپس میں متعارض ہونے کے بعد (کسی کے حق میں بھی) اٹل حکم کا فائدہ نہیں دیتیں، جیسا کہ کسی بھی منصف مزاج آدمی پر یہ امر مخفی نہیں ہے کیونکہ وہ ساری کی ساری روایات یا تو اخبار واحد ہیں، یا ظنی الدلالة (غیر یقینی معنی رکھتی ہیں) اور اس کے ساتھ ساتھ آپس میں ٹکراتی ہیں،، (زبدۃ: ۳۵۳)

سید صاحب کا ان عبارات کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ: افضلیت ابو بکر صدیق کا مذہب بے بنیاد اور بلا دلیل ہے دلائل کی روشنی میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی رضی اللہ عنہما سے افضل نہیں ہیں،، اور علامہ سید سند شریف جرجانی کا بھی یہی مذہب ہے، علامہ جرجانی رحمہ اللہ کا مذہب اور قول فیصل نقل کرنے سے قبل یہ ناخوشگوار اور غیر مفید ہے کہ جس طرح یہ عبارت ابو بکر صدیق کیلئے مفید نہیں

اسی طرح تفصیل علی رضی اللہ عنہ کیلئے بھی مثبت اور حجت نہیں کیونکہ علامہ جرجانی نے دلائل طرفین کو تین صفات سے متصف قرار دیکر قابل عمل ہونے سے روک دیا ہے،

1: دلائل اخبار واحدہ ہیں۔

2: ظنی الدلالة ہیں۔

3: باہم متعارض ہیں۔

بقول علامہ جرجانی اور بمطابق نقل سید صاحب دلائل اخبار واحدہ اور ظنی الدلالة ہیں تو پھر ان سے اجماع صحابہ تابعین جو دلیل قطعی ہے کا انکار بار بار کیا گیا؟ اور پھر ان کمزور دلائل کی اساس پر تفصیل علی المرتضیٰ کے منکر کو کافر، منافق کیوں کہا گیا؟ جبکہ نفاق اور حکم کفر کیلئے دلیل قطعی کا ہونا لازمی شرعی تقاضا ہے، اور پھر حکم کفر نافذ کرنے کیلئے اسلام کے ارکان خمسہ یا کسی امر قطعی کے انکار کا ثبوت بھی بنیادی ضرورت ہے، سید صاحب نے تفصیل علی رضی اللہ عنہ کے منکر کے کفر پر تین حدیثیں نقل کی ہیں

(۱): عن ابی حذیفہ بن یمان، قال سمعت النبی ﷺ يقول علی خیر البریة، من

ابی فقد کفر،، حذیفہ بن یمان سے روایت ہے علی رضی اللہ عنہ سب انسانوں سے (باستثنائے

انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں، جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔

(۲) ابن عساکر کے حوالے سے یہ دوسری حدیث ہے ”علی خیر البشر من ابی فقد کفر“

علی رضی اللہ عنہ سب انسانوں سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں، جو اس کا انکار کرے گا وہ

کافر ہے۔

(۳) اسی کتاب کی، جلد ۲۲، ص: ۳۷۳، پر ہے ”عن جابر علی خیر البشر لا یشک فیہ الا منافق“

حضرت جابر سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سب انسانوں سے افضل ہیں اس میں منافق کے بغیر

کوئی شک نہیں کرتا۔ (زبدۃ: ۲۶۵)

سید صاحب نے پہلی حدیث جو حذیفہ الیمان سے مروی ہے کو حدیث مرفوع کہا ہے۔

کیا افضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا منکر کافر ہے؟ نعوذ باللہ، اس کا جواب

حدیث مرفوع مفید قطع ہے مفید ظن نہیں، جب بقول سید صاحب یہ حدیث مرفوع ہے تو خبر واحدہ نہ رہی، جب خبر واحدہ ہوئی تو مفید ظن نہ ہوئی بلکہ قطع ہوئی سوال یہ ہے کہ علامہ جرجانی نے یہ حدیث نہیں دیکھی؟ اگر دیکھی ہے تو بلا دھڑک یہ کیسے کہہ دیا ہے کہ طرفین کے دلائل افضلیت اخبار واحدہ ہو کر مفید ظن ہیں، اور باہم متعارض ہیں، ان احادیث مذکورہ بالا کی موجودگی سے تو تعارض جاتا رہا کہ افضلیت ابو بکر صدیق کے دلائل مفید ظن ہیں کیونکہ وہ اخبار واحدہ ہیں، اور افضلیت علی رضی اللہ عنہ پر دلیل قطعی حدیث مرفوع موجود ہے، اس حدیث مرفوع کی روشنی میں علامہ جرجانی کا قول غلط ہے، کہ دلائل متعارض، اخبار واحدہ ہیں، مفید ظن ہیں بقول سید صاحب اگر حذیفہ الیمان والی حدیث مرفوع ہے تو اہل علم نے اس پر کلام کیوں کیا ہے؟ اگر حدیث مرفوع ہے تو مفید قطع ہو کر واجب العمل ہے، و وجوب عمل کی صورت میں حکم کفر نعوذ باللہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جمہور امت پر اطلاق کرنا پڑے گا ایسا کوئی مفکر اسلام ہے جو یہ کر سکے کہہ سکے اور پھر فکر اسلام لئے پھرے، ☆ العیاذ باللہ ☆ اگر کلام کیا ہے تو یہ حدیث مرفوع نہیں، حدیث مرفوع تو بلا کلام ہوتی ہے،

اگر اس پر محدثین نے کلام کیا ہے تو یہ حدیث شاذ ہے اور شاذ کی دوسری قسم سے ہے جس کو محدثین شاذ مردود کہتے ہیں، جب شاذ مردود ہے تو دلیل اور حجت نہ رہی، جب دلیل و حجت ہی نہیں تو سید صاحب کے ذکر کرنے اور ایک اجماعی عقیدہ میں بگاڑ پیدا کرنے اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے منکرین پر حکم کفر جاری کرنے کا مقصد؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ خیر البشر، خیر البریہ ہیں مگر اپنے زمانہ خلافت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی اور دور خلافت میں ابو بکر صدیق ہی خیر البشر بعد از انبیاء اور مرسلین ہیں اور وہی خیر البریہ ہیں بفضل اللہ ہم دلائل قاہرہ سے اس سے قبل بھی ثابت کر چکے ہیں۔

تفصیل و تصدیق کیلئے ملاحظہ ہو المسامرہ: ص: ۲۵۹“

سید صاحب نے علامہ شریف جرجانی کی کتاب شرح مواقف، جز ۸، ص: ۴۰۴، سے یہ اقتباس بھی نقل کیا ہے اور لکھا کہ کتاب مذکور کے، ص، مذکور بر علامہ جرجانی نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ

for more books click on the link

افضلیت مسئلہ عقیدہ کا ہے جس میں دلیل ظنی قابل قبول نہ ہوگی، اقتباس یہ ہے:

”واعلم ان مسألة الافضلية لا مطمع فيها في الجزم واليقين اذ لا دلالة للعقل بطريق الاستقلال على الافضلية بمعنى الاكثرية في الثواب بل مستندها النقل، وليست هذه المسئلة مسألة تتعلق بها عمل فيكتفى فيها بالظن الذي، هو كان في الاحكام العملية بل هي مسألة علمية يطلب فيها اليقين، والنصوص المذكورة من الطرفين بعد تعارضها لاتفيد القطع على مالا يخفى على منصف لانها باسرها اما احاد او ظنية الدلالة مع كونها متعارضة ايضاً وليس الاختصاص بكثرة اسباب الثواب موجبا الزيادته قطعاً بل ظناً، لان الثواب تفضل من الله كما عرفته في، ما سلف فله ان لا فضلية بل غايته الظن“ ترجمہ: یہ بات جان لیں مسئلہ افضلیت میں یقین و جزم کو کوئی دخل نہیں کیونکہ عقل کیلئے مستقل طور پر افضلیت کیلئے کوئی راہ نمائی نہیں ملتی، اکثریت ثواب کے معنی میں بلکہ ثبوت اس کا صرف نقل ہے اور یہ مسئلہ ایسا نہیں جو عمل سے تعلق رکھتا ہو جس میں ظن کو بھی کافی سمجھا جائے، جو کہ احکام عملی میں کافی ہوتی ہے بلکہ یہ مسئلہ علمیہ ہے جس میں یقین کی ضرورت ہوتی ہے اور جو نصوص دونوں طرف سے مذکور ہوتی ہیں، باہمی ٹکراؤ کے بعد قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں، جیسا کہ یہ حقیقت ایک منصف مزاج پر مخفی نہیں ہے کیونکہ وہ ساری نصوص یا اخبار واحدہ ہیں یا ظنیہ الدلالة ہیں، باوجود متعارض ہونے کے بھی اور ثواب کے اسباب کی کثرت کے ساتھ مختص ہونا، (افضل کی) زیادتی کا موجب ہونا قطعی امر نہیں ہے، بلکہ ظنی ہے کیونکہ ثواب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسا کہ تمہیں گذشتہ تفصیلات سے پتہ چل چکا ہے سو (اللہ تعالیٰ) کو حق حاصل ہے کہ وہ مطیع کو ثواب نہ دے اور غیر کو ثواب عطا فرمادے، اور امانت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر وہ افضلیت میں قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اس کی انتہا ظن ہے،“

علامہ سید سند شریف جرجانی کا عقیدہ

اس اقتباس سے سید صاحب نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ افضلیت اعتقادی علمی مسئلہ ہے

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

جس کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے، حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر جو دلائل دیئے جاتے ہیں، وہ ظنی الدلالة ہو کر مفید ظن ہیں، کیونکہ وہ اخبار واحدہ، ظنی الدلالة اور باہم متعارض ہیں لہذا ان دلائل سے حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت بطریق قطعیت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی حضرت ابوبکر صدیق کی، جہاں تک ثواب کیلئے کثرت اسباب و ذرائع کا تعلق ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ چاہے تو گنہگار کو دے اور چاہے تو نیکو کار کو حرماں نصیب بنا دے لہذا افضلیت کا کوئی قطعی طریقہ نہیں تاکہ افضلیت کو حتمی اور قطعی کہا جائے،، درحقیقت یہ ایک اعتراض ہے جو حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت کی نفی اور انکار میں منکرین افضلیت پیش کرتے ہیں یہ علامہ سید شریف جرجانی کا عقیدہ اور قول فیصل نہیں بلکہ منکرین کا اعتراض ہے جس کا جواب علامہ جرجانی ۴۰۵: پر مندرج ”لکننا وجدنا السلف، الخ“ سے دیتے ہیں، علامہ کے تجزیہ دلائل، اور بنائے انکار افضلیت کو سید صاحب نے علامہ جرجانی کا عقیدہ سمجھ لیا ہے اگر سہو ہوا ہے تو غلط ہے اور اگر دانستہ طور پر ایسا لکھا ہے تو بددیانتی اور بے اصولی کی انتہا ہے،، جو ناقل کو بالکل زیب نہیں دیتی۔

ملاحظہ ہو علامہ جرجانی نے جواب فرمایا ہے: ”ولکننا وجدنا السلف قالوا ابان الافضل ابوبکر ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی، وحسن ظننا بهم یقضی بانہم لولم یعرفوا ذالک لما اطبقوا علیہ فوجب علینا اتباعہم فی ذالک القول“ (شرح مقاصد: ۴۰۵)

ترجمہ: لیکن ہم نے اپنے اسلاف کا عقیدہ پایا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ بے شک ساری امت سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں، پھر عثمان ہیں، پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں ان کے متعلق ہمارے حسن ظن کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر وہ اس ترتیب میں معرفت نہ رکھتے ہوتے تو اس ترتیب افضلیت پر ہرگز متفق نہ ہوتے، اس قول (عقیدہ) میں ان کی اتباع کرنا ہم پر واجب ہے، مذکورہ عبارت اس بات کی تصریح اور اس امر پر مضبوط شہادت ہے کہ علامہ جرجانی مسئلہ افضلیت میں نہ توقف کے قائل ہیں نہ ابوبکر کی افضلیت ظنیہ کے تابع عقیدت ہیں، اور نہ ہی تفصیل علی رضی اللہ عنہ کے معاون یا پیروکار ہیں، بلکہ ان کا عقیدہ مسئلہ افضلیت میں وہی ہے جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جمہور امت کا ہے۔

سید صاحب نے ان کے عقیدے کو دیانت اور امانت سے تہی دامن ہو کر تحریر کیا ہے اور سادہ لوح عوام اہل سنت کو مغالطہ دہی کی سعیء بے سود کی ہے،، سید صاحب نے محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے بارے میں بھی غلط لکھا تھا اور مغالطہ دینے کی بھر پور کوشش کی تھی، بجز اللہ الصواعق المحرقة سے ہم نے محدث ابن حجر مکی کے عقیدے کی وضاحت کی تھی،، علامہ جرجانی کا عقیدہ توقف، نفی دربارہ افضلیت ابو بکر یا تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ علامہ موصوف نے المقصد الخامس: "الافضل بعد رسول اللہ ﷺ" کا عنوان قائم کیا اور پھر نقل فرمایا: "فی افضل الناس بعد رسول اللہ هو عندنا واکثر قد ماء المعتزلة ابو بکر رضی اللہ عنہ وعند الشيعة واکثر متاخري المعتزلة علی" (شرح مواقف جز ۸، ۳۹۷)

ترجمہ: پانچواں مقصد اس موضوع پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل البشر کون ہے؟

ہمارے نزدیک یعنی اہل سنت و جماعت کے نزدیک اور متقدمین معتزلہ کی اکثریت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں، اور شیعہ اور متاخرین معتزلہ کی اکثریت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل البشر علی رضی اللہ عنہ ہیں،، اس سے ثابت ہوا کہ علامہ سید شریف جرجانی کا وہ عقیدہ نہیں جو سید صاحب نے نقل کیا ہے اور نہ ہی علامہ موصوف کا عقیدہ شیعہ اور اکثر متاخرین معتزلہ والا ہے بلکہ ان کا عقیدہ وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کا ہے علامہ موصوف اسی عقیدہ کے پیروکار اور تابع عقیدت ہیں جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جمہور امت کا ہے،،

علامہ جرجانی نے آخر میں فرمایا: "وتفویض ما هو الحق فیہ الی اللہ" ہمیں اسلاف کی پیروی کرنی چاہی اور نبی الواقع جو حق ہے وہ اللہ کے سپرد کرنا چاہیے یہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ اسلاف کی پیروی اور اتباع ہی عقیدہ صحیحہ ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اہل سنت کا عقیدہ بلا دلیل نہیں،، علامہ نے آمدی کا قول نقل فرمایا: وقد یراد بالتفضیل اختصاص احد الشیخین عن الاخر اما باصل فضیلة لا وجود لها فی الاخر، كالعالم والجاهل" ترجمہ: آمدی نے کہا بعض اوقات فضیلت سے مراد ایک شخص کا خاصہ ہوتا ہے جو دوسرے شخص میں

نہیں پایا جاتا جیسے علم عالم کیلئے اور جہالت جاہل کیلئے خاصہ ہیں، جاہل خاصہ علم سے محروم ہے اور عالم وصف جہالت سے پاک ہے اسی لئے عالم جاہل سے افضل ہے، آمدی کے اس کلیہ کی روشنی میں بھی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں، مسلم اور بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے دنیا اور جو کچھ اس کے پاس ہے کے درمیان تو اس بندے نے جو کچھ خدا کے پاس تھا اس کو اختیار کیا ہے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روئے اور عرض کیا ہمارے آباء و امہات آپ پر قربان ہوں ہم لوگ اس بات پر حیران ہوئے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک ایسے بندے کے بارے میں خبر دی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے (تو ایسے میں رونے کی کیا بات تھی مگر واقعہ یہ تھا کہ وہ مخیر بندہ رسول اللہ ﷺ خود تھے (اس معاملے کو بھانپ جانا ثابت کرتا ہے کہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بڑے عالم تھے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں،

”وكان ابوبكر اعلمنا“ قال ابن كثير كان ابوبكر الصديق اقراء الصحابة، اى اعلمهم بالقرآن لانه ﷺ قد مه اماماً للصلوة بالصحابة رضی اللہ عنہم مع قوله، يؤم القوم اقرأهم لكتاب الله “ترجمہ: لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو،

ترمذی شریف میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

” لا ينبغي لقوم فيهم ابوبكر ان يومهم غيره “ترجمہ:

جس قوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں اس میں ان کے سوا کسی دوسرے کو امامت نہیں کرنی چاہیے،

مندرجہ یہ تصریحات اس امر پر شواہد ہیں کہ جناب صدیق اکبر تمام صحابہ سے زیادہ علم والے تھے صحابہ نے ان کے علم ہونے کا اعتراف کیا اور بیان بھی فرمایا اور علم ہونے کو آپ کی فضیلت منفردہ قرار دیا، بلکہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرما کر ابوبکر کی موجودگی میں کسی فرد صحابی کو امامت کا حق نہیں، آپ

کے اعلم الصحابہ ہونے پر مہر تصدیق مثبت فرمادی ہے جو آپ کی افضلیت کی واضح دلیل ہے۔

آمدی نے اسی افضلیت کے متعلق تحریر کیا: ”واما بزيادة فيها ككونه اعلم مثلاً

آمدی نے پانسہ پلٹتے ہوئے پھر کہا ”ذالك ايضاً غير مقطوع به فيما بين الصحابة اذ ما من فضيلة تبين اختصاصها بواحد من منهم الا ويمكن بيان مشاركة غيره له فيها وبتقدمه المشاركة فقد يمكن بيان اختصاص الآخر لفضيلة اخرى ولا سبيل الى ترجيح بكثرة الفضائل لاحتماله ان تكون الفضيلة الواحد ارجح من فضائل كثيرة اما لزيادة شرفها في نفسها او زيادة كميتها فلا جزم بالا فضلية بهذا المعنى ايضاً“ (شرح مواقف : ۴۰۵، جز ۸)

ترجمہ: دوسروں سے اعلم ہونا فضیلت قطعی نہیں کیونکہ جس بھی کسی صحابی میں کوئی فضیلت خاصہ پائی گئی ہے تو دوسرا کوئی نہ کوئی صحابی ضرور اس میں شریک ہوگا، اور اگر شرکت نہ پائی گئی تو دوسرا صحابی بھی کسی اور فضیلت خاصہ سے متصف ہوگا (پھر بھی افضلیت خاصہ نہ رہے گی) لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کثرت فضائل دلیل افضلیت نہیں کیونکہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ فضیلت واحدہ فضائل کثیرہ پر حاوی اور غالب ہو، لہذا کثرت فضائل کو بھی دلیل افضلیت قرار نہیں دیا جاسکتا،

افضلیت کے عنوان میں علامہ آمدی کی تقریر اور توضیح سے معلوم ہوا کہ کثرت ثواب کے عوامل اور کثرت فضائل کی حاملیت اور اتصاف افضلیت کا موجب اور سبب نہیں، کیونکہ یہ تمام امور مفید ظن ہیں اور افضلیت کیلئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

(۲) تقریر آمدی سے واضح اور ثابت ہوا کہ ایک فضیلت اپنی کمیت اور عظمت کے اعتبار سے فضائل کثیرہ پر حاوی اور غالب ہوتی ہے آئیے دیکھیں کہ جب صحابہ، تابعین، تبع تابعین، نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ ساری امت میں حضرت ابو بکر صدیق افضل ہیں، تو ان کے اجماع کی بنیاد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کون سی فضیلت ہے جو تمام فضائل کثیرہ پر حاوی، غالب اور انفرادی حیثیت کی حامل ہے ملاحظہ ہو! سفر ہجرت اور غار حراء کے حوالے سے عطا ہونے والی وہ فضیلت ہے جس کا کوئی

نعم البدل نہیں اور اس فضیلت عظمیٰ میں کوئی صحابی شریک اور مماثل نہیں اور پھر نماز میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بحیثیت امام تقرر فرمانا اور رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا اعزاز وہ بلند پایہ فضیلت سے جو صرف جناب صدیق اکبر کو ہی ارزاں ہوئی ہے، جناب عمر جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی یہ اعزاز نہیں بخشا گیا، جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سر پر جب تاج نیابت و امامت رکھا گیا تو حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما انصار و مہاجرین کے تمام عظیم المرتبت صحابہ موجود تھے، انہی مذکورہ بالا فضائل عظیمہ کو حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما نے دلیل افضلیت اور اختصاص خلافت کے طور پر صحابہ کے سامنے پیش فرمایا تھا، اگر یہ فضائل اپنی نوعیت، حیثیت اور کیت میں تمام فضائل پر حاوی اور غالب نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی موجودگی میں مصلائے امامت پر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایستادہ کیوں فرماتے؟ بلکہ سب سے بڑھ کر یہ کہ خود ابوبکر صدیق کی اقتداء اور امامت میں نماز کیوں ادا فرماتے؟ ابوبکر صدیق کی اقتداء میں نماز ادا فرمانے کا مقصد ان فضائل علیا کو چار چاند لگانا تھا جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ اقدس سے آپ کو بطور خاص عنایت ہوئے تھے،

علامہ سید سند شریف جرجانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”المقصد الرابع: الامام بعد رسول اللہ ﷺ الامام الحق بعد رسول اللہ ﷺ وهو عندنا ابوبکر وعند الشيعة علي رضي الله عنه لنا وجهان: الاول ان الطريقه (اما النص او الاجماع) بابيعة اما النص فلم يوجد واما الاجماع فلم يوجد عل غير ابى بكر اتفاقاً من الامة، (الثانى: الاجماع منعقد على حقية امامة احد الثلاثة ابى بكر وعلي وعباس ثم انهما لم ينازعا ابابكر ولو لم يكن على الحق لنا زعاه كما نازع على معاوية“ (شرح المواقف جز: ۸، ص: ۳۸۵) ترجمہ: ”چوتھا مقصد اس مسئلہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام حق کون ہے؟ اہل سنت و جماعت کے نزدیک امام حق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور شیعہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق کے

امام حق ہونے کی دو وجہیں ہیں (۱) آپ کی امامت حقہ پر کوئی نص وارد ہوئی یا تمام صحابہ نے بالا جماع آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو امام تسلیم کیا ہو، نص کوئی موجود نہ تھی لیکن حضرت ابو بکر صدیق کے علاوہ کسی صحابی پر امت کا اجماع اور اتفاق نہیں ہوا، دوسری وجہ یہ ہے کہ تین صحابہ پر اجماع ہوا کہ خلافت کے حقدار یہ تین ہیں (۱) ابو بکر صدیق، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم لیکن جناب علی المرتضیٰ اور عباس رضی اللہ عنہما نے خلافت کے مسئلہ میں حضرت ابو بکر صدیق سے جھگڑا نہیں کیا، اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت کے حقدار، اور امام حق نہ ہوتے تو حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نزاع کرتے جس طرح خلافت کے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استحقاق کی بنیاد پر جناب امیر معاویہ سے نزاع کیا تھا،

علامہ سید سند شریف جرجانی رحمہ اللہ نے فرمایا ”اما النص فلم يوجد“ نص نہیں پائی گئی، یعنی ایسی کوئی نص موجود نہیں تھی جس سے یہ استدلال کیا جاتا کہ خلافت کے حقدار ابو بکر صدیق ہیں۔

لیکن علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ میں فرمایا ہے: ”وقيل نص علي ابى بكر رضى الله عنه فقال الحسن البصرى، نصا خفيا وهو تقديمه اياه فى الصلوة وقال بعض اصحاب

الحديث نصا جليا وهو ماروى انه عليه السلام قال ائتوني بدواة، وقرطاس اكتب لابی بكر كتابا لا يختلف فيه اثنان ثم قال بأبى الله تعالى والمسلمون الا ابابكر

“ (حاشیہ : ۳۸۵) ترجمہ: کہ ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی امامت حقہ پر نص موجود ہے، خواجہ الحسن البصری رحمہ اللہ نے فرمایا امامت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نص خفی موجود

ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو نماز میں مقدم کیا گیا، اور بعض محدثین کا فرمان ہے کہ نص جلی موجود ہے اور وہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ دوات اور کاغذ میرے پاس لاؤ میں ابو بکر کو تحریر لکھ دوں

تا کہ دوسرا کوئی اس میں اختلاف نہ کرے پھر خود ہی فرمایا، اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمان ابو بکر کے علاوہ ہر کسی کی امامت کا انکار کرتے ہیں۔

شرح المواقف اور حاشیہ شرح مواقف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق، خلیفہ حق

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور وہی آپ کے بعد افضل الصحابہ اور افضل الامت ہیں۔

جیسا کہ علامہ سید سند شریف جرجانی رحمہ اللہ نے المقصد الخاس میں فرمایا: "افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ هو عندنا واكثر قد ماء المعتزلة ابوبکر رضی اللہ عنہ وعند الشيعة واكثر متاخري المعتزلة على" (شرح المواضع: جلد: ۸: ص: ۳۹۷)

ترجمہ: اہل سنت و جماعت اور متقدمین معتزلہ کی اکثریت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق افضل الامت ہیں۔

شیعہ اور متاخرین معتزلہ کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ ہیں، تفضیل ابوبکر صدیق کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے، جبکہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ شیعہ اور متاخرین معتزلہ کا ہے مقام غور ہے سید صاحب کے ہاتھوں اس کی تشہیر اور تبلیغ کیوں ہوئی؟ اور زبدۃ نے چار صد صفحات تک اپنی ضخامت کیوں بڑھائی؟

باعث حیرت یہ امر ہے کہ سید سند شریف جرجانی کے تجزیہ دلائل کو سید صاحب نے علامہ جرجانی کا نتیجہ تحقیق اور ذاتی عقیدہ سمجھ لیا ہے علامہ کا واضح اصل عقیدہ نقل نہ کر کے بے اصولی اور خیانت کے سائے میں اصول استشہاد کو پامال کیا ہے، جبکہ علامہ جرجانی رحمہ اللہ نے دس دلائل قطعیہ سمعیہ سے افضلیت ابوبکر صدیق پر استدلال فرمایا ہے جن میں سورہ واللیل کی آیت نمبر ۱۸، "وسيجزيها الاتقى الذى يؤتى ماله يتزكى" سرفہرست ہے فرمایا: "قال اكثر المفسرون وقد اعتمد عليه العلماء انها نزلت فى ابى بكر فهو اتقى ومن هو اتقى فهو اكرم عند الله لقوله تعالى ان اكرمكم عند الله اتقاكم" (الحجرات: ۱۳) و هو ابي الاكرم عند الله هو الافضل ممن عداه من الامة" اکثر مفسرین کا قول ہے اور اسی پر علمائے امت نے اعتماد کیا ہے بے شک یہ سورہ آیت ابوبکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے پس وہی مآقی ہیں (سب سے بڑے پرہیزگار) اور وہی اللہ کے نزدیک اکرم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بے شک تم میں اللہ کے نزدیک وہی اکرم ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور وہی سب سے

افضل ہے نتیجہ یہ نکلا کہ ابو بکر صدیق ساری امت سے افضل ہیں کیونکہ وہی اتقی اور وہی اکرم ہیں پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی (واللیل: ۱۹) اس پر کسی کے احسان کا بدلہ چکانا نہیں، علامہ فرماتے ہیں: ”یصرفہ عن الحمل علی علی اذ عندہ نعمۃ التریبۃ، فان النبی ربی علیا وہی نعمۃ تجزی واذلم یحمل علیہ تعین ابو بکر بالاجماع علی ان ذالک الاتقی ہو احد لا غیر“ اس آئیہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس پر حمل نہیں کیا جاسکتا ان پر احسان تربیت موجود ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی تھی، پرورش کا احسان ان پر موجود ہے جب اس آئیہ کریمہ کا محل راطلاق حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نہ ہوا تو یہ متعین ہو گیا کہ اس آیت کا محل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ اتقی دونوں نہیں ہو سکتے صرف ایک ہی ہوگا اور وہ صرف جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور وہی افضل الامت ہیں۔

پھر فرمایا: ”الثانی قولہ علیہ السلام اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر عمم الامر، بالاقتداء فیدخل فی الخطاب علی وهو یشرع بالافضلیۃ اذ لا یؤمر بالافضل ولا المساوی بالاقتداء سیماعندہم اذ لا یجوز ون امامۃ المفضول اصلاً“

دوسری دلیل افضلیت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے میرے بعد تم نے جن کی اقتداء کرنی ہے وہ ابو بکر اور عمر ہیں (رضی اللہ عنہما) رسول اللہ ﷺ نے اقتداء کے معاملہ کو عام رکھا، کسی صحابی یا صحابہ کے گروہ کو مخصوص نہیں فرمایا، حکم اقتداء میں جناب علی المرتضیٰ بھی داخل ہیں، اقتداء میں خطاب ان کو بھی ہے ان کو بھی مخاطب کیا جانا ثابت کرتا ہے کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں کیونکہ افضل کو مفضول کی اقتداء کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا، اور نہ ہی مساوی شخص کو پابند عمل کیا جاتا ہے بالخصوص فقہاء اور علماء کے نزدیک افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے نہ اقتداء، پھر فرمایا: ”الثالث قولہ علیہ السلام لا بی الدرءاء“ واللہ ما طلعت شمس ولا غربت بعد النبیین والمرسلین علی رجل افضل من ابی بکر“ ترجمہ: تیسری

دلیل رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد پاک ہے جو آپ نے ابی الدرداء سے فرمایا تھا کہ: خدا کی قسم سورج انبیاء اور مرسلین کے بعد طلوع ہوا نہ غروب جو ابوبکر صدیق سے افضل ہو۔

اور چوتھی دلیل نقل فرمائی کہ: قوله عليه السلام لابی بکر وعمر: هما سید اکھول اهل الجنة ما خلا النیین والمرسلین "رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ہے جو آپ نے ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا ہے انبیاء اور مرسلین کے بعد ابوبکر اور عمر تمام جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں۔

پانچویں دلیل نقل فرمائی: "ما ینبغی لقوم فیہم ابوبکر ان یتقدم علیہ غیرہ" کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے، جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں ان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کو پیچھے کریں اور ان میں سے کوئی فرد آگے ہو جائے۔

چھٹی دلیل نقل فرمائی: "تقدیمہ فی الصلوٰۃ مع انہا افضل العبادات" آپ رضی اللہ عنہ کا نماز میں مقدم کیا جانا (امام بنایا جانا) دلیل افضلیت ہے کیونکہ نماز افضل العبادات ہے، پھر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے "یا بئی اللہ ورسولہ الا ابابکر" ابوبکر کے علاوہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی دوسرے کی امامت کا انکار کرتے ہیں۔

ساتویں دلیل نقل فرمائی: "خیر امتی ابوبکر ثم عمر" میری امت کا سب سے افضل انسان ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

آٹھویں دلیل نقل فرمائی: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: لو كنت متخذًا خليلاً دون ربي لا اتخذت ابابكر خليلاً ولكن هو شريكي في ديني، وصاحبى الذى اوجبت له صحبتى فى الغار وخليفتى فى امتى، ترجمہ: اللہ جو میرا پروردگار ہے اس کے علاوہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن وہ میرے دینی امور میں میرے شریک کار ہیں اور میرا ایسا ساتھی ہے جس کی مصاحبت غار میں واجب کر دی گئی ہے اور وہ میری پوری امت میں میرا خلیفہ ہے۔

نانویں دلیل نقل فرمائی: رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر ہوا تو آپ

(ﷺ) نے فرمایا: ”واین مثل ابی بکر کذبنی الناس وصدقنی و آمن بی و زوجنی ابنته و جهزنی بما له و و اسانی بنفسه و جاهد معی ساعة الخوف“ ترجمہ: ابو بکر جیسا کون ہو سکتا ہے اعلان نبوت کے مسئلہ میں لوگوں نے میری تصدیق نہیں کی جبکہ ابو بکر نے تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لائے، اپنی بیٹی میرے عقد زوجیت میں دی، میری مالی بھرپور معاونت کی اور اپنی جان کو نچھاور کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، کفار و مشرکین کے ڈر اور خوف کے منڈلاتے ہوئے سایوں میں کمر بستہ جہاد رہے،“

دسویں دلیل نقل فرمائی: قول علی رضی اللہ عنہ: خیر الناس بعد النبیین ابو بکر، ثم عمر ثم اللہ اعلم“ ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اشد داعی ہے انبیاء کرام کے بعد افضل ترین انسان ابو بکر ہیں، اور پھر عمر ہیں ان کے بعد کون افضل ہے، اللہ بہتر جانتا ہے“ (الدلائل مذکورہ کلہا من شرح المواقف لعلامہ البحر جانی رحمہ اللہ تعالیٰ: جلد: ۸: ص: ۳۹۷، ابی: ۳۹۹) دلائل مذکورہ بالا سے علامہ جرجانی نے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ثابت کیا ہے جس سے واضح ہوا کہ سید صاحب نے شرح مواقف کی جو عبارت نقل کی ہے وہ تجزیہ دلائل ہے، علامہ کا عقیدہ نہیں، عقیدہ کا بیان اگلی ”لکنا والی“ عبارت سے شروع ہوتا ہے، جس کو سید صاحب نے اس لئے نقل نہیں کیا کہ وہ ان کے موقف کے خلاف ہے۔

## الاتقی صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں نفیس علمی بحث

اہل سنت و جماعت افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جو نصوص قرآنیہ پیش کرتے ہیں ان میں سورہ و اللیل کی یہ آیات مقدسہ بھی ہیں: ﴿سید جنبھا الاتقی ☆ الذی یوتی مالہ بتزکی ☆ و ما لاحد عنده من نعمۃ تجزی ☆ الا ابتغاء وجه ربہ الاعلی ☆ و لسوف یرضی ☆﴾ ترجمہ: دور رکھا جائیگا اس سے جو نہایت ہی پرہیزگار ہے جو اپنا مال دیتا ہے دل کو پاک کرنے کیلئے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں، جس کا بدلہ اسے دینا ہو، بجز اس کے کہ وہ پروردگار کی خوشنودی کا طلبگار ہے وہ ضرور اس سے خوش ہو جائیگا، (زبدتہ: ۳۵۶)

ابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا کہ: ﴿الاتقی ای المتقی الخائف﴾

ترجمہ: الاتقی اس بلند پایہ پرہیزگار کو کہا جاتا ہے جو ہر لمحہ اللہ سے ڈرتا رہے، ثابت ہو اتقی کا معنی صرف متقی نہیں، بلکہ وہ بلند مقام متقی ہے جو ہر وقت اللہ کے خوف میں مبتلا رہے اور یہ معیار صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ارازاں ہوا ہے دوسرا کوئی اس میں شریک اور مماثل نہیں، جبرالامت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

﴿ھو ابوبکر رضی اللہ عنہ یزحزح عن دخول النار﴾ الاتقی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جنہیں دخول نار سے دور رکھا جائے گا،

سید صاحب نے لکھا ”لیجیے سب سے پہلی آیت جو اس باب میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے ﴿سیجنہا الاتقی، الخ﴾،

سید صاحب نے صرف ایک ہی پہلی آیت ”سیجنہا الاتقی“ کو دلیل افضلیت سمجھ کر اس کی تردید کی ہے جبکہ سورہ واللیل پوری سورہ شان ابوبکر میں نازل ہوئی ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ﴿والاکثر ان السورۃ نزلت فی ابی بکر رضی اللہ عنہ وروی ذالک عن ابن مسعود، وابن عباس وعبد اللہ بن زبیر وغیرہم﴾

اکثر مفسرین یہی فرماتے ہیں کہ یہ سورہ ابوبکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ اجلہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے، مقام غور ہے کہ سید صاحب نے،، زبدۃ: ۳۵۵،، پر پوری سورہ واللیل لکھی ہے مگر افضلیت ابوبکر صدیق کیلئے صرف آیت ”﴿سیجنہا الاتقی﴾“ کو قرار دیا اور پھر بعد میں اس کی بھی نفی کر دی جبکہ امام قرطبی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبانی بتایا کہ پوری سورہ ابوبکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے پھر مفسر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی لئے اکثر مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے اس روش

سے سید صاحب کی کوتاہ فکری اور کوتاہ نظری کا پتہ چلتا ہے کہ سورہ مبارکہ میں منزل من اللہ اوصاف  
یکتائی ابو بکر صدیق کو دینے کیلئے تیار نہیں۔

مفسر ابی جعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ نے فرمایا: ”سیجنہا الاتقی“ الایات حضرت ابو بکر  
صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابو بکر رضی  
اللہ عنہ واعلم ان الشیعة باسراهم ینکرون هذه الروایة ویقولون انها نزلت فی حق  
علی بن ابی طالب علیہ السلام﴾

ہم اہل سنت و جماعت کے تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ الاتقی سے مراد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں  
تم جان لو کہ شیعہ سارے کے سارے اس روایت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت  
☆ سیجنہا الاتقی ☆ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے،

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿وهذه الایات علی ما سمعت نزلت فی ابی بکر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ﴾ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی نقل فرمایا ہے، ثابت ہوا کہ  
اہل سنت و جماعت کے مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان  
میں نازل ہوئی ہیں اگر اکثر مفسرین والا قول لیا جائے تو بھی ارجح ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عباس  
، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی  
ہے،، صرف شیعہ اس روایت سے انکار اور انحراف کرتے ہیں، سید صاحب نے بھی جناب صدیق  
اکبر رضی اللہ عنہ سے الاتقی کے معنی، اطلاق اور مصداق کو سلب کرنے اور ان سے نفی کر نیکی پوری علمی  
طاقت صرف کی ہے،، لیکن مذکورہ بالا جلیل القدر صحابہ کی روایت اور عظیم المرتبت مفسرین کی تصریحات  
سے واضح اور ثابت ہو چکا ہے کہ ”الاتقی“ صدیق اکبر ہیں اور بعد کی آیات بینات شان ابو بکر میں  
نازل ہوئی ہیں،، سید صاحب نے حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ کے قول کہ: جو صفات  
ان آیات میں بیان کی گئی ہیں وہ سبھی صحابہ کرام میں پائی جاتی تھیں، (ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت

ابوبکر صدیق میں ملتی تھی) سے معارضہ کرنے کی کوشش کی ہے مگر پیر صاحب کا یہ کلام کہ سبھی صحابہ تو ان اوصاف سے متصف تھے، مگر ان صفات کی علو اور رفعت پر براجمان ہونے والے فقط ابوبکر صدیق تھے،، میں افضلیت ابوبکر صدیق واضح ہے جس کو (ان کی عظیم ترین مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ملتی تھی) کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے لہذا پیر صاحب رحمہ اللہ کا قول معارضہ کہلانے کی سکت نہیں رکھتا بلکہ یہ قول عقیدہ اہل سنت کا ترجمان ہے، یعنی آیات میں بیان کئے گئے اوصاف کے مدلول اول اور مصداق حقیقی اور اعلیٰ مثال جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں دوسرا کوئی بھی فرد ان اوصاف کے اطلاق، اور اتصاف میں آپ کا ہمسرا اور ہم پلہ نہیں، ان اوصاف کے حوالے سے سب سے اعلیٰ ہیں، یہی معنی افضلیت کا ہے۔

سید صاحب نے لکھا کہ اس جملے سے (ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ملتی تھی) انہوں نے جمہور علمائے اہل سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے مگر یہ ان کا حسن عقیدت ہے جیسا کہ میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں مگر آیات مذکورہ بالا میں اس کا کوئی محل استشہاد نہیں، (زبدۃ، ۳۵۶) سید صاحب کا یہ کلام مندرجہ ذیل امور کو ثابت کرتا ہے:

۱: کہ آیت مذکورہ بالا میں حضرت ابوبکر کے اوصاف الاتقی ہونے کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں وہی الاتقی ہیں اور یہ مذہب جمہور ہے جس کو پیر کرم شاہ الازہری نے اختیار فرمایا اور نقل کیا ہے سید صاحب نے اس مذہب کے نقل کرنے اور اظہار حق فرمانے پر پیر صاحب کو حسن عقیدت کا تمغہ دیا ہے، حسن عقیدت کیا ہے؟ یہی ہے کہ انہوں نے جمہور علمائے اہل سنت کے قول کو حق اور سچ جان کر اسکی اتباع کی ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ ان آیات بینات میں بیان کئے گئے اوصاف کی عملی صورت اور بلند ترین مثال جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو زہد و تقویٰ، صرف مال و جان کی حدوں کو پھلانگ کر الاتقی کی آخری منازل کی بیکراں رفعتوں کو سمیٹ رہے ہیں پھر سید صاحب نے کہا کہ میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں،، اس کا مقصد یہ ہے کہ جمہوری رائے سے وہ متفق ہیں اسے تسلیم کرتے ہیں اگر تسلیم کرتے ہیں تو پھر دائیں بائیں کے تانے بانے جوڑ کر جمہور اور پیر صاحب کے

خلاف محاذ آرائی کیوں کرتے ہیں؟ اصول و قواعد کی متضاد تعبیرات سے مسلح ہو کر قول جمہور کو نشانہ بنا کر اعلیٰ ترین مثال تقویٰ اور ایثار جناب صدیق اکبر سے خداداد منصب الاتقیٰ کر چھیننے کے درپے کیوں ہیں؟ اور پھر یہ اعلان کرتے ہیں کہ میری رائے بھی یہی ہے پھر کہتے ہیں مگر آیات بینات صدیق اکبر کے اعلیٰ ترین مثال ہونے پر دلالت نہیں کرتیں، بالفرض اگر آیات بینات سے جناب صدیق اکبر کے اعلیٰ ترین مثال ہونے سے شہادت میسر نہیں تو رائے جمہور سے اتفاق کرنے کا مقصد؟ اگر رائے جمہور ہی سید صاحب کی رائے ہے تو بباگ دہل جمہور کی مخالفت، اور صیغہ اسم تفضیل مع الف و لام میں پوری قوت و دانش سے وسیع پیمانے پر توڑ پھوڑ کیوں؟

اب رہا سوال یہ کہ آیات بینات افضلیت ابو بکر (اعلیٰ ترین مثال) پر دلالت کرتی ہیں یا نہیں؟

آئیے دیکھیں..... چنانچہ امام قرطبی نے نقل فرمایا کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سورہ واللہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے یہ عبادلہ ثلثہ نزول قرآن، معانی و تفاسیر قرآن کی سند تسلیم کئے گئے ہیں، خلفائے اربعہ کے بعد علوم قرآن، فقہ اور اجتہاد میں تمام صحابہ میں یکتا اور منفرد مقام کے حامل ہیں، ان کا متفقہ قول ہے کہ پوری سورت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اگر یہ سورہ اور یہ آیات محل استشہاد نہیں تو ان جلیل القدر عبادلہ ثلثہ اور دیگر صحابہ نے شان نزول کی بنیاد پر افضلیت ابو بکر صدیق پر کیسے استدلال فرمایا: اگر آیات بینات میں بیان کئے گئے اوصاف سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ متصف نہ ہوتے، اور یہ آیات ابو بکر صدیق کے الاتقیٰ ہونے پر محل استشہاد نہ ہوتیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ کیوں فرماتے ﴿ثم وصف الاتقیٰ فقال الذی یؤتی مالہ یتزکی، الخ﴾ (القرطبی) ﴿پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے الاتقیٰ کی صفت الذی یؤتی مالہ یتزکی ذکر فرمائی ہے مفسر ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے فرمایا: ویکھھا الاتقیٰ الآیات، حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ثابت ہو الاتقیٰ سے مراد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، لفظ الاتقیٰ موصوف ہے اور بعد کی آیات

لفظاً اور معناً اسکی صفات ہیں اگر یہ آیات بینات ذات صدیق جو الاتی کی صفت افضلیت سے موصوف ہے محل استشہاد نہ ہوتیں تو الاتی اور ان کے درمیان ترکیب تو صفی کارشتہ کیوں قائم ہوتا؟ جب یہ امر مسلمہ ہے کہ سورہ واللیل شان ابو بکر میں نازل ہوئی ہے تو یہ ماننا پڑیگا نزول سورت نے ابو بکر صدیق کی ذات اور فعل کو افضلیت خاصہ سے متصف کر دیا ہے جس میں دوسرا کوئی فرد شریک نہیں کیونکہ شان نزول کا مقصد شخص اور واقعہ کے اختصاص اور انفرادیت کو بیان کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے ذات صدیق کی افضلیت کو بصیغہ اسم تفضیل (الاتی) اور ان کے عمل مخصوص اور نیت خالصہ کو بعد کی آیات میں بیان فرمایا ہے ان آیات قرآنیہ سے بڑھ کر افضلیت ابو بکر صدیق کیلئے اور محل استشہاد کیا ہو سکتا ہے؟ آیات بینات کے محل استشہاد نہ ہونے پر سید صاحب نے دلیل یہ پیش کی کہ: الاتی میں جو صیغہ اسم تفضیل کا ہے جس میں جملہ صحابہ کرام شریک ہیں کسی ایک کیلئے کوئی وجہ ترجیح نہیں ملتی جو ابابا کہا جائے گا کہ یہ دلیل کس قدر بھونڈی اور دور از علم ہے عبادلہ ثلثہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ پوری سورت ابو بکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”الاتی هو ابو بکر رضی اللہ عنہ“ امام قرطبی بعد والی آیات کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفات بتاتے ہیں جب یہ سب حقائق صحابہ کی زبانی ثابت ہیں تو الاتی صیغہ اسم تفضیل واحد مذکر میں جملہ صحابہ کرام کیسے آگئے؟ کیا اصول و قواعد کی دنیا میں واحد کا صیغہ جمع پر بولا جاسکتا ہے؟ سید صاحب کا یہ کہنا کہ الاتی سے جملہ صحابہ کرام مراد ہوں گے کیونکہ سارے ان ہی اوصاف سے متصف تھے، سو اس بحث سے حضرت ابو بکر صدیق کی فضیلت ثابت ہوتی ہے افضلیت ثابت نہیں ہوتی غلط ہے کیونکہ جمہور مفسرین، اور عبادلہ ثلثہ رضی اللہ عنہم نے سورہ کے نزول، اور سورہ کے مفہوم کو ابو بکر صدیق کے لئے مختص فرمایا ہے اور پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ کے کلام سے بھی یہی ثابت اور واضح ہے عبادلہ ثلثہ جمہور مفسرین، بشمول علامہ الازہری رحمہم اللہ بالخصوص حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال صریحہ کہ (الاتی صرف ابو بکر صدیق ہیں) کے مقابل سید صاحب کی توجیہ اور رائے مردود ہے

، قابل توجیہ ہی نہیں،،

(۲) سید صاحب کا کلام تضاد پر مبنی ہے کیونکہ سید صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ الاتی صیغہ اسم تفضیل کا ہے، لیکن واحد مذکر ہے الذی اسم موصول واحد مذکر ہے یوقی، تجزی، رضی، صیغہ مضارع بھی مذکر واحد کیلئے ہیں، ان میں جو ضمیر مرفوع متصل مستر عائد ہے الذی اسم موصول کی طرف اسم موصول اپنی عائد کے توسل اور جملہ فعلیہ کے صلہ واقع ہونے سے الاتی، اسم تفضیل واحد مذکر کی صفت واقع ہو رہا ہے پھر ضمائر مجرورات متصلہ بھی واحد مذکر ہیں اور الاتی کی طرف راجع ہیں، جن کی لفظی اور معنوی تاثیر وحدت شخصی پر دلیل قاطع ہے، جب یہ تمام قرائن لفظیہ اور معنویہ شخص واحد (صدیق اکبر) کے گرد گھومتے ہیں تو جملہ صحابہ کی شرکت کا جواز اور تصور کیسے درست ہے؟ بقول سید صاحب اگر باعتبار صیغہ اور بلحاظ معنی اسم تفضیل، جملہ صحابہ کو اس کا موصوف، مدلول، اور مصداق تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ ایک لفظ ایک کلمہ دو تضاد اور دو متبائن معانی پر دلالت کر رہا ہے یہ باطل ہے کیونکہ ایک لفظ، ایک کلمہ کی دلالت معنی کے ترادف اور اشتراک پر واقع ہو سکتی ہے مگر تضاد معنی پر محال عادی اور محال اصطلاحی ہے اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ وضع ایک ہو اور موضوع لہ متبائن ہوں یہ بھی محال اصطلاحی ہے وضع خاص اور موضوع لہ عام تو ہو سکتا ہے مگر وضع خاص اور موضوع لہ متبائن نہیں ہو سکتے۔

لہذا سید صاحب کا قول غلط ہے، اندریں حالات ماننا پڑیگا کہ الاتی کا موصوف، مدلول اور مصداق شخص واحد ہے اور وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، دوسرا کوئی فرد صحابی اس میں شریک نہیں۔

(۳) ابن حاجب نے فرمایا: وهو فعل، اسم تفضیل افعال کے وزن پر ہے ملا جامی نے فرمایا: "ای اسم التفضیل من حیث صیغۃ افعال للمذکر وفعلی للمونث وان کان بحیث الاصل"

ترجمہ: اسم تفضیل مذکر کیلئے بحیثیت صیغہ فعل ہے اور مونث کیلئے فعلی ہے اگر چہ ظاہر آید وزن ہو یا اصل میں ہو، یعنی واحد مذکر کیلئے اسم تفضیل کا صیغہ فعل اور واحد مونث کیلئے فعلی کے وزن پر آتا ہے، یعنی یہ وزن حقیقتاً ہو یا حکماً پھر فرمایا "فلا بد من المطابقة" اس کی تفسیر میں ملا جامی نے فرمایا:

'ای مطابقة اسم التفضیل لموصوفہ وتثنیہ وجمعاً وتذکیراً تثنیہہ او تانیثاً للزوم

مطابقتہ الصفة لموصوفها“

ترجمہ: اسم تفضیل کے صیغے اور اس کے موصوف میں مطابقت ضروری ہے یعنی اسم تفضیل کا صیغہ موصوف کے مطابق ہوگا، موصوف اگر واحد ہو تو واحد تثنیہ ہو تو تثنیہ جمع ہو تو جمع مذکر ہو تو مذکر مونث ہو تو مونث ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ موصوف کے مطابق صفت کا ہونا لازمی قانونی تقاضا ہے، سورہ مقدسہ میں اتقی کا صیغہ اسم تفضیل برائے صفت واحد، مذکر ہے کیونکہ اس کے موصوف جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واحد مذکر ہیں، واحد مذکر کا اطلاق جس طرح جمع مذکر پر ممنوع ہے اسی طرح جمع مذکر کا اطلاق واحد مذکر پر محال قانونی اور اصطلاحی ہے لہذا اسم تفضیل واحد مذکر جس کے موصوف صرف صدیق اکبر ہیں، میں جملہ صحابہ کرام جو جمع مذکر ہیں کو شامل اور شریک کرنا اصول و قواعد سے بے بہرہ ہو سکتی دلیل ہے۔

(۴) اسم تفضیل کی تعریف اور ماہیت من حیث ہی ہی کے لحاظ سے بھی اتقی میں جملہ صحابہ کرام کو شریک کرنا خطائے فاحش ہے وہ اس لئے کہ ابن حاجب نے اسم تفضیل کی تعریف میں فرمایا: ”اسم التفضیل ما اشتق من فعل لموصوف بزيادة على غيره“ ترجمہ: اسم تفضیل وہ اسم ہے جو مصدر سے مشتق کیا جاتا ہے تاکہ وہ دلالت کرے کہ میرے موصوف میں معنی مصدری دوسرے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ پایا جاتا ہے۔

یعنی اسم تفضیل کی وضع کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ دوسرے افراد کی بہ نسبت اس کے موصوف میں معنی مصدری (وصف) زیادہ پایا جاتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا موصوف دوسروں سے افضل، اور دوسرے اس سے مفضول ہوتے ہیں۔ گویا اسم تفضیل اپنی ماہیت اور تعریف کے لحاظ سے دو قسم کے افراد کا تقاضا کرتا ہے۔ (۱) افضل (۲) مفضول

افضل اور مفضول کے درمیان نسبت تساوی نہیں بلکہ اضافی ہے افضل کیلئے مفضول کا ہونا ضروری ہے اور مفضول کیلئے افضل کا ہونا ضروری ہے افضل کا وجود، وجود مفضول پر موقوف ہے اور وجود مفضول وجود افضل پر موقوف ہے اتقی صیغہ اسم تفضیل ہے اس کے موصوف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

لہذا اتقی کا صیغہ وضعی اعتبار سے دیگر جملہ صحابہ پر ابو بکر صدیق کے زیادتی تقویٰ کو اور جملہ صحابہ کیلئے صرف تقویٰ کو ثابت کرتا ہے جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے اتقی کا صیغہ اسم تفضیل تقویٰ کی زیادتی اور جملہ صحابہ کیلئے صرف تقویٰ کو ثابت کرتا ہے تو اتقی اسم تفضیل میں جملہ صحابہ کیسے شریک ہو گئے؟ اگر جملہ صحابہ کی شرکت تسلیم کر لی جائے تو خلاف وضع اور خلاف ماہیت لازم آئے گا جو غلط اور مردود ہے۔“

(۵) متقی اور اتقی میں وضعی لحاظ سے نسبت عام خاص مطلق ہے جس میں مادہ اجتماعی صرف ایک ہوتا ہے یعنی صرف ایک مقام پر ان کا اجتماع ممکن ہوتا ہے، مثلاً یوں کہنا جائز اور ممکن ہے کہ ہر اتقی متقی ہے لیکن ہر متقی اتقی نہیں، اس ضابطے کے تحت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اتقی اور متقی دونوں ہیں، مگر جملہ صحابہ کرام اتقی اور متقی کی دونوں صفات سے بیک وقت متصف نہیں پس اتقی کے صیغہ اسم تفضیل میں جملہ صحابہ کرام کو شریک کرنا غلط ہے، شریک ماننے سے نسبت تساوی متحقق ہوگی جبکہ ان کے درمیان نسبت عام خاص مطلق ہے۔“

(۶) معقولات کی دنیا کے لوگ بھی سید صاحب کے مفروضے کو تسلیم نہیں کرتے،، ارباب معقول کا کلیہ ہے کہ جب ایک شی کو دوسری شی کے ساتھ تقابل اور تناسب میں لایا جائے تو وہاں تین مراتب ظہور پذیر ہوتے ہیں جنکی تبدیلی اور اختلاف سے شی کے احکام بھی بدل جاتے ہیں، مثلاً جب انسان کا لحاظ من حیث ہوہو کے کیا جائے یعنی صرف اس کی ماہیت کا تصور کیا جائے تو یہ مرتبہ لا بشرطی کا ہے اور اگر کتابت یا کسی اور خاصے کے عدم کا لحاظ کیا جائے تو یہ بشرط لاشی کا مرتبہ ہے،“

اسی طرح جب تقویٰ کی ماہیت من حیث ہی کا لحاظ کیا جائے بغیر اس تصور کے کہ کس میں زیادہ ہے اور کس میں کم ہے تو مرتبہ لا بشرطی کا ہے اور اگر تقویٰ کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جائے کہ فلاں شخص میں تقویٰ زیادہ ہے اور وہ اتقی ہے تو یہ تقویٰ بشرطی ہے، اور اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ فلاں شخص اتقی نہیں تو یہ مرتبہ بشرط لاشی کا ہے تقویٰ بشرطی جس شخص کیلئے زیادہ ثابت کیا جائے، یا جس کسی شخص کیلئے زیادہ ثابت ہو اور اس کی وجہ سے اسکو اتقی کہا گیا ہو یہ مرکب ہے اور جن کیلئے صرف تقویٰ کا ثبوت ہو اور

اتقی کی نفی ہو یعنی (لا بشرطی ہو) یہ بسیط ہے، مرکب اور بسیط اپنے مفہومات عنوانیہ میں ایک دوسرے کے مغائر ہیں ایک دوسرے پر ان کا اطلاق اور حمل ممنوع ہے، مقصد یہ ہے کہ الاتقی میں اتقی ملحوظ بشرطی ہو کر مرکب ہے، جملہ صحابہ ملحوظ بشرط لاشی ہو کر (کہ اتقی نہیں) مفہوم بسیط ہے، شی بسیط کی مساوات بلحاظ وصف عنوانی شی مرکب کے ساتھ محال عقلی ہے، مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں سید صاحب کا اتقی صیغہ اسم تفضیل میں جملہ صحابہ کو شریک کرنا، مساوی ماننا غلط اور محال عقلی ہے اگر اتقی صیغہ اسم تفضیل معنوی طور پر ابو بکر صدیق کے حق میں آخری حدوں کو نہ چھو رہا ہوتا تو یہ کہنا ممکن تھا کہ ابو بکر صاحب فضیلت ہیں صاحب افضلیت نہیں، دیگر صحابہ کے مقابل زیادتی کی حدوں کو نہ چھو رہا ہوتا تو یہ کہنا ممکن تھا کہ ابو بکر صاحب فضیلت ہیں صاحب افضلیت نہیں، مگر الاتقی معرف بالام نے آپ کی افضلیت پر مہر قطعی ثبت فرمادی ہے۔

سید صاحب نے لکھا کہ: حضرت جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”اتقان فی علوم القرآن“ جلد ۱، ص: ۳۱۱ پر الاتقی پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے یہ آیات بالا جماع حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں، اور ان آیات میں آپ ہی کو اتقی کہا گیا ہے یہ ان کی دلیل افضلیت ہے اس جگہ انہوں نے سب نزول کو وجہ اختصاص قرار دیا ہے جو کہ علمائے تفسیر کے نزدیک سخت محل کلام ہے،، (زبدۃ: ۳۵۹)

جو ابابا کہا جائے گا کہ: حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے پہلے ایک کلیہ ذکر فرمایا ہے کہ اگر اس آیت سے کسی مدح یا ذم کی خبر دی گئی ہے تو بھی وہ اس خاص شخص معین اور اس کی مانند دیگر لوگوں کیلئے عام ہوگی، یعنی اگر آیت کے شان نزول میں کسی شخص کی تعریف یا مذمت بیان کی گئی ہو شان نزول اس شخص تک محدود اور محصور نہ ہوگا بلکہ اس کا حکم عام ہوگا اور ان اوصاف مدح و ذم کے حامل افراد سب کیلئے ہوگا، اس کلیہ کے بعد تنبیہ کے عنوان میں فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا جب لفظ میں کسی طرح (لفظی یا معنوی) کا عموم پایا جاتا ہو،،

اور اگر آیت کا نزول کسی شخص معین کے بارے میں ہو اور لفظ میں عموم بھی نہ پایا جائے تو اس کا انحصار

قطعی طور پر اسی شخص کے حق میں ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ”سب جنبہا الاتقی الذین یؤتی مالہ  
بتزکی“ اس آیت کی بابت بالاجماع مانا گیا ہے کہ یہ حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی  
ہے اسی لئے امام رازی رحمہ اللہ نے ﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾ کے ساتھ ضم کر کے یہ  
دلیل قائم کی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام آدمیوں سے برتر اور بہتر ہیں  
، لہذا جو شخص اس آیت کو مذکورہ بالا قاعدہ کے تحت لانے کی غرض سے یہ وہم کرے کہ اس کا حکم بھی ہر  
ایسے شخص کیلئے عام ہوگا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح اچھے اور نیک کام کرتا ہو تو یہ بات صحیح نہیں  
ہو سکتی، کیونکہ اس آیت میں سرے سے کوئی صیغہ عموم کا ہے ہی نہیں، (۱) الالف ولام سے عموم کا  
فائدہ اسی حالت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ وہ کسی جمع (بعض نے مفرد بھی کہا ہے) موصولہ یا  
معرفہ ہو، (۲) یہ شرط بھی ہے کہ وہاں کسی قسم کا عہد (ذہنی، یا خارجی نہ پایا جاتا ہو)  
الاتقی میں موصولہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ باجماع اہل لغت افضل التفصیل کا وصل کیا جانا صحیح نہیں،  
(۳) پھر اتقی جمع کا صیغہ نہیں بلکہ مفرد ہے (۴) اور عہد بھی اس میں موجود ہے جس کے ساتھ افضل کا  
صیغہ تیز اور قاطع مشارکت کا فائدہ دے رہا ہے ان وجوہات کی بناء پر معنی عموم باطل اور خصوص کا یقین  
کامل حاصل ہوتا ہے، اور اس آیت کے ابو بکر صدیق ہی کے حق میں نازل ہونے کا انحصار کیا جاسکتا  
ہے (الاتقان: ۷۶، مطبوعہ ادارہ اسلامیات)

مندرجہ بالا تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امام جلال الدین  
سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقی کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہونے پر فنی وجوہات، اور علمی  
دلائل ذکر کئے ہیں، فقط شان نزول کو دلیل نہیں ٹھہرایا بلکہ بتایا کہ باجماع مفسرین اہل سنت اتقی سے  
مراد فقط ابو بکر صدیق ہیں اور اس پر انحصار کی وجوہات مندرجہ بالا ہیں۔

سید صاحب کا یہ کہنا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے سب نزول کو وجہ اختصاص قرار دیا ہے جو کہ علمائے تفسیر  
کے نزدیک سخت محل کلام ہے درست نہیں، امام نے نحوی قوانین بتائے ہیں، شان نزول کے ساتھ ان  
قوانین کو بھی دلیل اختصاص ٹھہرایا ہے۔

سید صاحب نے لکھا شان نزول میں خصوص سبب مدار حکم نہیں ہوتا، بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، جو اب کہا جائے گا کہ: یہ سورۃ جناب ابو بکر صدیق کی مدح میں نازل ہوئی ہے اس کا حکم ان صفات کے حامل شخص کی طرف متعدی نہیں ہو سکتا کیونکہ تعدی حکم کیلئے ضروری ہے کہ ابو بکر کی مذکورہ صفات سے متصف اور اتقی کا مدلول اور مصداق شخص خاص الخاص خارج میں پایا جائے رہائے جائیں اس طرح کے اوصاف کا حامل اور مصداق شخص اشخاص کا خارج میں پایا جانا محال شرعی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ﴿ما طلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر﴾ حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث میں ہے ﴿لم یخلق اللہ بعدی احدا خیرا منه ولا افضل﴾ (الریاض النضرۃ: ج: ۱، ۱۳۶، ۱۳۷)

تعدی حکم کی علت اور وجہ خاص صفات ابو بکر صدیق سے متصف شخص کا خارج میں پایا جانا تھا جب ایسے شخص کا وجود محال شرعی ہے تو تعدی حکم بھی محال شرعی ہوگا، جب حکم کسی اور شخص کیلئے محال شرعی ہوا تو نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ سورۃ کا شان نزول اور اس میں بیان شدہ حکم کا اطلاق ذات صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے مخصوص اور محصور ہے۔

☆ وهو المراد ☆

جملہ صحابہ کیلئے الاتقی کا اطلاق اور ثبوت معنی کا قول کرنا محال شرعی ہے۔

(۲) تعدی حکم الی الغیر لفظ عام کے ساتھ مشروط ہے، الاتقی لفظ عام نہیں ہے بلکہ خاص اور معرفہ ہے، اور اس کا موصوف بھی خاص اور معین ہے جو حکم عام کیلئے مانع ہے، عبادلہ ثلثہ اور جلیل القدر مفسرین کے اقوال پہلے نقل ہو چکے ہیں۔

(۳) سید صاحب نے مشتق کے حکم پر مادہ اشتقاق کو علت حکم قرار دیا ہے درست ہے قال تسلیم ہے، اس قاعدے کی رو سے سیکھا کا حکم الاتقی کیلئے تقویٰ کی وجہ سے ہے جو علت حکم ہے سوال یہ ہے کہ جس نوع جس معیار اور جس کیفیت کے تقویٰ سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متصف ہیں، ایسا تقویٰ سارے صحابہ میں پایا جاتا ہے؟ آئیے بحوالہ قرآن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھیں سورہ الزمر، آیت نمبر ۳۳، میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿والذی جاء بالصدق وصدق به

اولئک هم المتقون ﴿﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص سچ لایا اس سے مراد سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے اور جس نے سچائی کی تصدیق کی اس سے مراد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے (زبدۃ: ۸۹) اور یہی لوگ پارسا ہیں، آیہ مقدسہ میں ﴿اولئک هم المتقون﴾ کی خبر ہے یا اولئک مبتدا، ہم المتقون جملہ ہو کر پھر اولئک کی خبر ہے اولئک ہم المتقون کا جملہ حصر کا فائدہ دے رہا ہے کہ متقین صرف رسول اللہ ﷺ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ سارے صحابہ کرام تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں یہ واضح تضاد ہے آیات قرآنیہ تضادات سے پاک ہیں۔

اس تضاد سے بچنے اور کلامِ الہی کو تضاد سے پاک رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کیلئے اس تقویٰ کو تسلیم کیا جائے اور ایمان لایا جائے جو بحیثیت نبی اور رسول ان کو زیبا ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے اس تقویٰ کو ثابت کیا جائے اور تسلیم کیا جائے جو بحیثیت افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین آپ کی شایان شان ہو جس طرح آپ رضی اللہ عنہ انبیاء اور مرسلین کے بعد افضل البشر ہیں اسی طرح آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد اتقی الصحابہ ہیں، آیہ مقدسہ کے دوسرے جملہ اولئک ہم المتقون میں قصر بھی ہے اور یہ قصر قلب، قصر افراد اور قصر تعین بھی ہو سکتا ہے مخاطبین کے اذہان کو جو جوڑ کر تقویٰ کے عنوان میں مخصوص اور معین فرمایا گیا کہ بحیثیت نبی اور رسول تقویٰ کی عملی اور آخری صورت دیکھنی ہو تو میرے رسول کے تقویٰ کو دیکھو اور اگر بحیثیت صدیق اور رفیق اور افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین تقویٰ کی بلند اور اعلیٰ ترین مثال دیکھنی ہو تو ابوبکر صدیق کے تقویٰ اور پرہیزگاری کو دیکھو، بزبان حیدر کرار رضی اللہ عنہ اور تصریح قرآن حکیم، رسول اللہ ﷺ کے تقویٰ کے بعد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ ہے جس کو ”سبکھا الاتقی“ کے الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے ماننا پڑیگا جس طرح ہزم کہکشاں اور ستاروں کی انجمن میں بدر کامل یکتا اور بے ہمتا ہے اسی طرح قافلہ صحابیت کے سالار اعظم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو سر پر تاج اتقی سجائے منزل قرب کے جلال و جمال میں رواں دواں ہیں، تقویٰ مادہ اشتقاق ہے اور الاتقی کیلئے علت حکم ہے لیکن علت (تقویٰ) کا ثبوت

تمام صحابہ کیلئے مساوات اور برابری کی بنیاد پر نہیں، تو لامحالہ مشتق پر حکم بھی بطریق تساوی اور بصورت  
تو اطوہ نہیں ہوگا بلکہ ابو بکر صدیق کیلئے بلحاظ اتقی اور باقی سارے صحابہ کیلئے بلحاظ متقی ہوگا، اسی لئے  
امام قرطبی نے الاتقی کا معنی ای المتقی الخائف فرمایا ہے یعنی سارے صحابہ کرام متقی ہیں اور جناب  
صدیق اکبر المتقی الخائف ہیں، یعنی ہر لمحہ تقویٰ کا شعار بننے والی اور ہر آن خوف خدا سے سرشار  
،، ہونے والی شخصیت الاتقی ہے اور وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں،

سید صاحب نے امام جلال الدین کے نقل کردہ استشہاد کو نا کافی کہا اور اس پر اپنا تبصرہ یوں کیا کہ: کسی  
کے حق میں کوئی آیت نازل ہونا سبب تخصیص نہیں ہوتا جب تک کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو، (رد المحتار: ۳۶۰)  
جواباً کہا جائے گا کہ: فرمودات، عبادلہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے مطابق پوری سورۃ کا نزول ابو بکر صدیق  
کے حق میں ہوا ہے اور مقصد نزول حضرت ابو بکر صدیق کی مدح ہے اگر مدح صدیق نہ ہوتی تو سببھا  
کا حکم متعدی الی الغیر ہوتا آیات بینات کا مدح صدیق اکبر پر دلالت کرنا، اور بطور خاص نازل ہونا  
، اور بصیغہ انحصار جناب صدیق اکبر کو موصوف بصفۃ خاصہ قرار دینا قرائن صارفہ ہیں جو حکم تجب کو غیر  
کی طرف متعدی ہونے سے روکتے ہیں،،

(۲) سببھا الاتقی الایات کا سیاق و سباق قرینہ صارفہ ہے سابق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فاما من  
اعطی واتقی“ امام قرطبی نے فرمایا: ”قال ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) یعنی ابابکر  
رضی اللہ عنہ وقاله عامة المفسرين، (القرطبی)“ اس سے مراد اور دونوں افعال کے فاعل  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں،، اور عام مفسرین کا یہی قول ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ نے شان  
نزول کے متعلق نقل فرمایا: ”فروی عن عامر بن عبد اللہ بن الزبیر قال کان ابو بکر یعتق  
علی الاسلام عجائز و نساء قال، فقال له ابوہ فحافة ای بنی لوانک اعتقت رجالا  
جلد ایمنونک و یقومون معک؟ فقال یا ابت انما اریدما ارید“ کہ عامر بن عبد اللہ  
بن الزبیر سے مروی ہے کہ ابو بکر اسلام پر (اسلام کے نام پر) بوڑھے مردوں اور بوڑھی عورتوں (جو  
کسی کی غلامی میں ہوتے تھے) خرید کر اللہ کیلئے آزاد کیا کرتے تھے راوی کہتے ہیں ابو بکر صدیق سے

ان کے والد ابو قافہ نے کہا کہ اے بیٹے، تم صحت مند نو جوان مرد غلاموں کو خرید کر کیوں آزاد نہیں کرتے کہ وہ تمہیں محنت مشقت نہ کرنے دیں، اور تیرے دست بازو نہیں اس پر جناب صدیق اکبر نے کہا ابا جان میرا ارادہ وہی ہے جو ہے یعنی میرا ارادہ ذاتی منفعت کا حصول نہیں بلکہ رضائے الہی ہے۔“

معلوم ہوا سبکھا الاتی کا سابق اور سیاق شان ابو بکر کو بیان کر رہا ہے، جس میں کسی فرد ثانی کا ذکر ہے نہ اس کو شامل کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا فامنا من اعطی واتی سابق ہے دونوں افعال کے فاعل جناب صدیق اکبر ہیں یعنی اتقی ہیں جو الاتی سے پہلے مذکور اور موجود ہیں، سبکھا الاتی میں اسی اتقی کو معرف بالام بنا کر ذکر فرمایا گیا تاکہ بتایا جائے کہ الاتی سے مراد، اور الف، ولام کا معہود خارجی وہی ہے جو اعطی اور اتقی کا فاعل ہے اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعود اور عامۃ المفسرین رضی اللہ عنہم وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ثابت ہوا سبکھا الاتی کا سابق اور سیاق قرینہ صارفہ ہے جو حکم تجب کو متعدی الی الغیر ہونے سے روکتا اور الاتی کے وصف خاص کو ذات صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے مختص کرتا ہے۔

سید صاحب نے منال العرفان فی علوم القرآن سے ایک ضابطہ نقل کیا ہے: ﴿ذهب الجمهور الى ان الحكم يتناول كل افراد اللفظ سواء منها افراد السبب وغير افراد السبب ولنضرب لك مثلاً﴾ ترجمہ: جمہور کا یہ مذہب ہے کہ کسی لفظ کے مدلول کے جتنے افراد ہوتے ہیں حکم ان سب پر مشتمل ہوتا ہے اس میں افراد سبب یا غیر افراد سبب سبھی برابر ہوتے ہیں، ان کی مثالیں ہم آپ کو بتائے ہیں۔ (زبدۃ: ۳۶۰)

جواباً کہا جائے گا کہ: جمہور کا مذہب درست اور معمول بہ ہے مذہب جمہور ہمارے موقف کے خلاف اور نقل شدہ دلائل اور تصریحات کے منافی نہیں کیونکہ جمہور کے قول میں کل افراد لفظ کے الفاظ ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں بتایا گیا اور بیان شدہ حکم لفظ کے تمام افراد پر مشتمل اور محیط اس وقت ہوگا جب لفظ کے افراد ہوں، اور افراد کب ہوں گے جب وہ لفظ عام ہو اور اس کی وضع اور

موضوع لہ بھی عام ہو اور اس کے تحت افراد ہوں، مثلاً ﴿الزانية والزانية﴾ فالجملہ واحد  
منہما مائتہ جملدۃ ﴿ترجمہ: زنا کار عورت و مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ،

”الزانية، والزانية“ صیغہائے عموم ہیں کیونکہ الزانية، والزانية میں زانية اور زانية صیغہائے اسم  
فاعل ہیں، ان پر الف ولام بمعنی الی اور الذی اسم موصول مبہم ہیں، زانية اور زانية بوجہ اسم فاعل ہونے  
تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں، یہ تمام عموماً لفظاً اور معناً ہیں، جن کے تحت افراد ہیں لہذا لفظ  
عام اور اس کے تحت پائے جانے والے افراد کی وجہ سے حکم متعدی الی الغیر ہوگا اور مادۃ اشتقاق علت  
حکم پر دلالت کرتے ہیں، اور مبہم ہیں اسی طرح واقعہ الک میں نازل ہونے والی آیت کا آغاز ”ان  
الذین جاؤ ابالافک الایہ“ اسم موصول برائے جمعیت اور بصیغہ جمع آیا ہے جن میں عموم ہے اور  
مشتمل بر افراد ہے، اور مبہم ہے،

وضع نجات کے مطابق اسمائے موصولات مبہمات ہیں ان کے صلوات بھی جمع ہیں جن میں عموم لفظ  
کے ساتھ عموم معنی بھی پایا گیا ہے۔

اور جہاں لفظ عام ہو وہاں افراد پائے جاتے ہیں علمائے اصول نے عام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا  
:”والعام لفظ ینتظم جمعاً من الافراد اما لفظاً کقولنا مسلمون، مسلمات

، ومشرکون، واما معنا کقولنا من وما (اصول الشاشی)“

ترجمہ: عام ایک ایسا لفظ ہے جو افراد کے مجموعے پر مشتمل ہوتا ہے یا لفظ صیغہ کے لحاظ سے جمعیت  
افراد پر دال ہوگا یا لفظ توجع کا نہیں ہوگا مفرد ہو کر اپنی معنویت کے بل بوتے افراد کی جمعیت پر  
دلالت کرے گا جس طرح من اور ما موصولات ہونے کی صورت میں معنایاً جمعیت افراد پر دلالت کرتے  
ہیں، مذکورہ بالا آیات بینات میں تمام اسمائے موصولات، مبہمات بصیغہائے جمع ہو کر الفاظ عامہ ہیں  
جن کے تحت افراد ہیں، اور فرد سبب سے حکم، ان افراد کی طرف متعدی ہو رہا ہے جن میں علت حکم  
پائی جا رہی ہے لیکن الاتی لفظ عام اور جمع نہیں واحد کا صیغہ ہے مبہم نہیں معین ہے حکم توجع کی علت، وہ  
اعلیٰ معیار اور بلند ترین تقویٰ ہے جو خاصہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے، لہذا قول جمہور سے الاتی کا

معارضہ کرنا خلاف ضوابط اور خلاف اصول ہے۔

سید صاحب نے الاتقی کے لفظ عام ہونے پر یہ تقریر کی ہے کہ جو ابوا عرض ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کا نام لے لیا گیا ہوتا یا ان کے کسی عمل کی تخصیص کی گئی ہوتی اور ان کے ایسے اوصاف بیان کئے گئے ہوتے جو کسی دوسرے کیلئے ممکن نہ ہوتے تو احتمال تخصیص تھا مگر جب حکم اوصاف پر لگایا تو ان اوصاف کو علت حکم مانا جائے گا۔ (زبدۃ: ۳۶۳)

جو اباب کہا جائے گا کہ: سید صاحب کو مغالطہ لگا ہے اور کج فہمی اور کوتاہ فکری کے شکار ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو مذکورہ عبارت اور من گھڑت غلط قاعدہ نقل کرنا پڑا، ہم پہلے نقل کر آئے ہیں آیت سیاق و سباق دلیل تخصص اور قرینہ صارفہ ہے یہ بھی نقل ہو چکا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اعطی اور اتقی کے فاعل ابو بکر صدیق ہیں اور یہ افعال ان کے حق میں نازل ہوئے جن میں ان کی بلند پایہ صفات سخاوت، ایثار، اور تقویٰ کو بیان کیا گیا ہے چونکہ پہلے ان کی عطاء اور تقویٰ کی صفات کا بیان ہو چکا ہے اس لئے الاتقی کو معرف بالام، بلام عہد خارجی ذکر کر کے ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے علم معانی کی زبان میں الکنایہ بلغ من التصريح کے تحت الاتقی میں ذکر صدیق، نام صدیق بطریق بلغ موجود ہے صراحت سے کنایہ اور اشارہ بلغ ہے اس لئے نام کی صراحت کو ترک کیا گیا ہے لیکن اس نکتہ تک فہم مستقیم، اور عقل سلیم ہی رسائی حاصل کر سکتا ہے سورہ مقدسہ کا زیادہ حصہ حضرت ابو بکر صدیق کے اعمال مخصوصہ پر مشتمل ہے مثلاً اعطی، وانقی، الاتقی، یؤتی، یتزکی، تجزی، یوحی، ابو بکر صدیق کے عظیم المرتبت اعمال مخصوصہ کے عنوانات ہیں، عبادلہ ثلاثہ جمہور مفسرین رحمہم اللہ نے ان اعمال کا وجود اور صدور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے متعلق اور منسوب فرمایا ہے ابن جریر طبری اور امام قرطبی رحمہما اللہ کی تفسیرات سے ثبوت نقل ہو چکا ہے لہذا سید صاحب کا یہ کہنا کہ ان آیات میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کسی عمل کی تخصیص بیان نہیں کی گئی غلط اور عبادلہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور مفسرین کے فرمودات کو ٹھکرانے کے مترادف ہے (۲) سید صاحب نے اوصاف کو علت حکم قرار دیا ہے جو غلط ہے اور ان کی اپنی تحریر اور نقل کردہ قاعدے

کے مغاّر ہے سید صاحب نے زبدۃ: ۳۵۹، پر تحریر کیا کہ سب سے پہلا قاعدہ جو حرکت میں آتا ہے وہ یہ ہے جب حکم مشتق پر لگے تو مادہ اشتقاق علت ہوتا ہے وضاحت بھی کر دی کہ چونکہ جہنم سے بچائے جانے کا حکم الاتقی پر لگا ہے اس کا مادہ اشتقاق تقویٰ ہے اب علت حکم تقویٰ ہوگا، مسئلہ زیر بحث الاتقی کا لفظ ہے یہ مشتق ہے اور تقویٰ علت ہے جو مادہ اشتقاق (مصدر) ہے ”الذی یؤتی مالہ الایہ“ اس کی صفت ہے یہ الاتقی کی علت نہیں الاتقی کی علت تقویٰ ہے، سید صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے،، سید صاحب نے تحریر کیا کہ جہنم سے بچائے جانے کی علت تقویٰ ہے جو ہر مسلمان کیلئے عام ہے لہذا یہ حکم ہر مسلمان کیلئے عام ہے کوئی وجہ خصوصیت نہیں،، جو ابابا کہا جائے گا کہ: اولاً حکم سے مراد، صدیق اکبر کیلئے الاتقی کا حکم ہے کہ صدیق اکبر الاتقی کیوں ہیں؟ وہ اس لئے کہ ان میں بلند معیار کا تقویٰ پایا جاتا ہے، جیسے زانی کو، زنا سارق کو سرقہ، اتقی اور متقی کو تقویٰ کی علت کی وجہ سے زانی، سارق، اتقی اور متقی کہا جاتا ہے، یہ تمام الفاظ مشتقات ہیں اور ان کے مصادر ان کیلئے حکم کی علت ہیں۔

ثانیاً: جناب صدیق اکبر متقی ہی نہیں بلکہ اتقی ہیں اور اتقی صیغہ اسم تفضیل اپنے موصوف کیلئے زیادتی وصف کا تقاضا کرتا اور زیادتی وصف پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ علامہ ابن حاجب نے فرمایا: ﴿ما اشتق من فعل لموصوف بزيادة علی غیرہ﴾ متقی کیلئے تقویٰ علت حکم ہے یعنی متقی کو اس کے صفت تقویٰ سے موصوف ہونے کی وجہ سے متقی کہا جاتا ہے، متقی اسم فاعل ہے اور اتقی اسم تفضیل ہے متقی کیلئے صرف تقویٰ علت ہے بدون لحاظ زیادتی، اور اتقی کیلئے زیادتی تقویٰ علت حکم ہوگی، دوسرے لفظوں میں متقی کیلئے تقویٰ لا بشرطی کے درجہ میں ہوگا،، اور اتقی کیلئے بلحاظ ماہیت، تعریف اور مدلول تقویٰ بشرطی (زیادتی تقویٰ) کے درجہ میں علت حکم ہوگا، یعنی متقی کی علت حکم تقویٰ بسیط ہے،، اور اتقی کیلئے جو تقویٰ علت حکم ہے وہ مرکب ہے اس کے درمیان تغاّر ہے، متقی اتقی نہیں، جبکہ اتقی متقی ہے،، معلوم ہوا الاتقی مشتق کیلئے جو تقویٰ علت حکم (الاتقی سے موسوم ہونے کی وجہ) ہے مطلق تقویٰ نہیں بلکہ بلند تر تقویٰ ہے قرآن حکیم نے شرک کی لعنت سے بچنے والے توحید پر لانے والے اور اس کے مقتضیات پر کاربند افراد کو متقین کے لقب سے نوازا ہے، ہدی السمتقین،

اعدت للمتقين، ان الله مع الذين اتقوا ان کے علاوہ بھی بے شمار مثالیں ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ تمام مومنین متقین ہیں مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اتقی فرمایا، یعنی تمام مومنین اور ساری امت میں سب سے بڑا پرہیزگار و واضح امر ہے کہ تمام امت میں سب سے بڑا پرہیزگار ہونا ثابت کرتا ہے کہ اس کا تقویٰ، سب سے زیادہ اور سب سے بلند ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اتقی نہ ہوتے، سید صاحب کا یہ کہنا چونکہ تقویٰ ہر مسلمان کیلئے عام ہے لہذا یہ حکم ہر مسلمان کیلئے عام ہے کوئی وجہ خصوصیت نہیں۔ (زبدۃ: ۳۶۳)

بالکل غلط ہے کہاں ایک عام مسلمان کا تقویٰ اور کہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ؟ عام مسلمان کیلئے تابع شرائط تقویٰ کا حکم مفید ظن ہے کیونکہ یہ ہماری رائے اور ہماری خوش فہمی ہے جبکہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے زیادتی تقویٰ کا ثبوت اور حکم قطعاً ہے کیونکہ حکم باری تعالیٰ ہے ظن اور قاطع کے درمیان وضع اور حکم کے لحاظ سے جو تفاوت ہے وہ ارباب علم و دانش پر پوشیدہ نہیں، علامہ ناصر الدین قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا، تقویٰ تین قسم ہے (۱) "التوقی عن العذاب المخلد، بالتبری عن الشرك" ترجمہ: "شک سے بچنا جو دائمی عذاب کا موجب ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر "الزمهم كلمة التقوی" میں فرمایا، ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انہیں کلمہ توحید کے التزام کا حکم دیا ہے۔

(۲) التجنب عن كل ما یوثم من فعل او ترک حتی الصغائر عند قوم المتعارف باسم التقوی فی الشرع وهو المعنی بقوله تعالیٰ ولو ان اهل القری امنوا واتقوا " ترجمہ: تقویٰ کی دوسری قسم یہ ہے کہ ایسی ہر چیز، سے اجتناب کرنا جس کے کرنے یا چھوڑنے سے گنہگار ہونا لازم آتا ہو یہاں تک کہ ایک جماعت نے صغیرہ گناہوں سے بچنے کو بھی تقویٰ کا حصہ قرار دیا ہے، شریعت میں تقویٰ اسی نام سے مشہور ہے اور اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے فرمان لو ان اهل القری امنوا واتقوا میں ہے (کیا اچھا تھا) اگر مکہ والے ایمان لاتے اور مکمل تقویٰ اختیار کرتے،، (۳) ان یتنزہ عما یشغل سرہ عن الحق یتبتل الیہ بشرا سرہ وهو التقوی الحقیقی

المطلوب بقوله واتقوا الله حق تقاته ﴿ترجمہ: ہر اس امر سے اپنے دل و دماغ کو پاک رکھنا جو روح کو ذکر حق تعالیٰ سے باز رکھے اور بندے کا یکسوئی کے ساتھ متوجہ الی اللہ رہنا یہ تقویٰ حقیقی ہے اور یہی وہ تقویٰ ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے واتقوا الله حق تقاته کے ذریعے پابند عمل فرمایا ہے،، ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے،، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے تقویٰ کی تین اقسام بتا کر صاحبان تقویٰ کو تین اقسام میں تقسیم فرمایا ہے،، (۱) عوام (۲) خواص (۳) اخص الخواص

(۱) عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ شرک، گناہان صغیرہ اور کبیرہ سے اجتناب کرتے ہیں اور اخص الخواص کا تقویٰ یہ ہے کہ یہ امور تو رہے درکنار، ان کے دل و دماغ میں ذکر اللہ اور تصور توحید کے علاوہ کسی چیز کا خیال اور گزرتک نہیں ہوتا،، اور یہی حقیقی تقویٰ ہے،، سید صاحب کہتے ہیں چونکہ تقویٰ ہر مسلمان کیلئے عام ہے لہذا یہ حکم (جنہم سے بچایا جانا) ہر مسلمان کیلئے عام ہے،، اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا تقویٰ کی یہ تینوں اقسام ہر مسلمان کیلئے عام ہیں؟ اگر ہر مسلمان ان تینوں اقسام سے متصف اور بہرہ ور ہوتا تو قرآن تقویٰ کی تین اقسام اور صاحبان تقویٰ کو متقی اور اتقی کے الفاظ میں کیوں ذکر فرماتا؟ اللہ تعالیٰ نے جناب صدیق اکبر کو اتقی فرمایا ہے جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ عام مسلمان میں پائے جانے والے تقویٰ یا خواص میں پاء جانے والے تقویٰ سے ہی متصف نہیں بلکہ اخص الخواص کے تقویٰ سے متصف ہیں،،

اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں محویت، فنایت اور معیت ہے،،

جس کا اظہار رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ہوا، تمام صحابہ بشمول حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے آیات موت کو حفظ کر رکھا ہے،، موت کی کیفیت اور حقیقت رسول اللہ ﷺ کی زبانی سن رکھی ہے معرکہائے حق و باطل میں موت کے پھریرے اڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں موت کی حاضری پر پورا یقین اور مکمل ایمان ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کی وفات پر حب رسول کا سیل بکھرا ان سب حقائق کو بہا کر لے گیا ہے جناب عمر اس شخص کی گردن کاٹنے کیلئے شمشیر

بلکف ہیں،

جو یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موت کو قبول فرمایا ہے قرآن کی ازلی صداقتوں کے خلاف قائم ہونے والے اس منظر کی سرکوبی کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بھیجا جس کی پوری عمر کا حاصل محبت رسول تھی، جس کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا حب رسول تھا جس کو گھربار، مال، اولاد، اور اپنی جان سے پیار تھا تو صرف اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قدموں کی دھول تھے وہ آیا پورا منظر دیکھا اس نے صحابہ کے مجمع عام میں اپنے خطبے کا آغاز ان کلمات سے فرمایا: ﴿ما بعد! من كان منكم بعد الله فان الله حي لا يموت ومن كان منكم بعد محمد ﷺ فان محمد مات قال الله تعالى وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، الخ﴾ صدیق کیلئے رسول اللہ ﷺ کی موت کا اعلان قیامت کبریٰ کے مناظر کی ہولناکیوں سے کم نہ تھا مگر آج صدیق حب رسول کا ترجمان، عظمت رسول کا پاسبان، پروانے اور چراغ، بلبل اور پھول، صدیق اور رسول کی داستان عشق کا نشان نہیں بلکہ ذات الوہیت میں تجوید، صفات تقدس میں فنائیت جلوہ توحید کی معیت کا معجز بیان ہے جس نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اتقی لئلا ہوئے پردائی اور ابدی مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے، تمام صحابہ بشمول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسول اللہ ﷺ سے بخصہ برابر فیضیاب ہوئے، ایمان، عمل، اور اخلاص کی جلو توں سے بطریق مساوات مستفید ہوئے، ہر صحابی کے سرچشمہ ہدایت اور مینارہ نور بنانے پر رسول اللہ ﷺ نے پوری توجہ دی اور نظر کرم فرمائی، لیکن مرتدین اور مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی اور ان کے ساتھ جہاد اور قتال کے مسئلہ میں تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ بھی مخالفت میں ڈٹ گئے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تنہا ہو گئے مگر جہاد اور مقاتلہ کے پختہ عزم پر قائم رہے اور اکیلے مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سے نبرد آزما ہونے کا اعلان فرمایا مقام غور ہے صحابہ کی جمعیت سے تنہا ہونے کے باوجود یہ عزم صمیم، یہ ہمت و جرأت، بلکہ تنہا جہاد کرنے کی قوت اور حوصلہ کس چیز کا غماز ہے یہ اس تقویٰ کا شعار، اور اس پرہیز گاری کا اظہار ہے جو بقول خداوندی، اور بہ تفسیر علامہ بیضاوی انحصار الخواص کو دیا جاتا ہے، رسول اللہ

for more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

ﷺ کے بعد آپ ہی انحصار الخواص تھے اس لئے تقویٰ کا یہ مقام آپ کو دیا گیا جس کا اظہار مرتدین اور مانعین زکوٰۃ کے موقعہ پر آپ ط سے کرایا گیا، اگر تقویٰ کا یہ مرتبہ ہر مسلمان کیلئے عام ہے تو پھر صحابہ کرام کو کیوں حاصل نہ ہوا؟ اگر یہ مرتبہ انہیں حاصل ہوتا تو حضرت ابو بکر صدیق کے موقف سے انکار اور انحراف کیوں کرتے؟ اور بعد میں یہ اعتراف کیوں کرتے کہ آپ حق پر تھے، ماننا پڑیگا کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی الاتقی ہیں اور وہی تقویٰ کے آخری مرتبہ پر فائز ہیں، سید صاحب کا علی الاطلاق یہ اعلان کرنا کہ تقویٰ ہر مسلمان کیلئے عام ہے بالکل غلط ہے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو الاتقی کے عنوان میں حاصل شدہ تقویٰ ان کا ہی خاصہ ہے جو کسی بھی فرد کو حاصل نہیں۔

سید صاحب نے لکھا کہ: دیکھیں گے کہ آیا انہوں نے الف لام عہدی کا ترجمہ کیا ہے یا الف لام استغراقی کا؟ آپ اسی آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں: ﴿وَالَايَةُ تَشْمَلُ مِنْ فَعَلٍ مِثْلَ فَعَلِهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قِيْعَدُ عَنِ النَّارِ وَيُنَابِ بِحَوَالِهِ جَلَالِينَ شَرِيفًا﴾ (زبدۃ: ۳۶۵)

ترجمہ: یہ آیت ہر اس آدمی کو شامل ہے جو ان کا سا کام کرے پس اس کو آگ سے دررکھا جائے گا اور اس کو ڈوب دیا جائے گا (یعنی اس میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں۔) (زبدۃ: ۳۶۶)

جواباً کہا جائے گا کہ سید صاحب کا کلام اور جواب، سوال جو اور جواب گندم کی مثل ہے، سید صاحب سوال نہیں سمجھے اس لئے جواب میں ”آیت کا حکم تحریر کر دیا ہے۔“

سوال یہ ہے کہ ”مناہل الفرقان فی علوم القرآن کے مطابق جلال الدین محلی نے الاتقی میں الف لام عہدی اور معہود حضرت ابو بکر صدیق کو تحریر کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ الاتقی کے مدلول، موصوف اور مصداق جناب صدیق اکبر ہیں،، جواب میں سید صاحب نے مذکورہ عبارت نقل کی اور اس سے استدلال کیا کہ یہ الف لام عہد خارجی نہیں بلکہ استغراقی ہے اس جواب کو پڑھ کر ہم نے سوال جو اور جواب گندم کہا ہے۔“

قابل فہم امر یہ ہے کہ سوال الاتقی میں واقع الف لام کے بارے میں ہے جس کو امام جلال الدین محلی نے عہد خارجی تحریر کیا اور معہود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا، سید صاحب نے اس کی

تردید میں آیت کے حکم کو ذکر کیا ہے جو دو وجوہات کی بناء پر غلط ہے:

(۱) سوال صرف الف لام کے بارے میں ہے سورۃ کے متعلق نہیں،

سوال الف لام اور اس کے معبود کے بارے میں ہے پوری سورۃ یا اتقی کے متعلق نہیں،

جواب الف لام کے عہدی، اور معبود کی تردید ہے آیت کا حکم نہیں، کما لا یخفی علی من له ادنی فہم،

سید صاحب نے لکھا جلال الدین محلی نے الف لام عہدی کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ الف لام استغرافی کا

ترجمہ کیا ہے جو بتاتا ہے کہ اس صفت کے جتنے بھی افراد ہیں یہ الف لام ان سب کو گھیرتا ہے اس میں

ابو بکر صدیق کی کوئی خصوصیت نہیں (زبدۃ: ۳۶۶)

جواباً کہا جائے گا کہ: الاتقی میں الف لام عہدی ہے استغرافی نہیں، سید صاحب نے جلال الدین محلی

رحمہ اللہ کی جو عبارت پیش کی ہے یہ آیت کا حکم ہے حکم مفسر کا استنباط ہے جو بعد میں متحقق ہو سکتا ہے لیکن

معبود کا پہلے حقیقتاً حکمانہ کو رہنا لوازمات میں سے ہے، ارباب اصول و قواعد کے نزدیک معبود کا

تقدم اور حکم کا تاخر قطعاً میں سے ہے۔

(۲) معبود کا تقدم بہر صورت قضیہ ضروریہ ہے اور عبارت سے استنباط حکم قضیہ ممکنہ ہے، الف لام حرفی

، یا اسی ہونے کے ناطے غیر مستقل محتاج الی امر آخر ہے، جبکہ حکم ”نسبۃ الشی الی شی ایجابا او

سلباً“ مستقل بالمابیہ ہے جس طرح تقدم بالذات کا معنی تاخر بالذات سے کرنا ممنوع ہے اسی طرح

الاتقی کے الف لام حرفی کا معنی اور معبود آیت کے حکم مستنبط کو قرار دینا غلط ہے مزید الاتقی کے علاوہ

تجرب عن النار کا حکم من فعل مثل فعلہ کیلئے ثابت کرنا غلط ہے کیونکہ الاتقی صدیق اکبر ہیں ان کیلئے

تجرب عن النار کا حکم قطعی ہے اور من فعل مثل فعلہ کیلئے ظنی ہے کیونکہ من فعل مثل فعلہ کا وجود ممکن ہے؟

اگر ممکن ہے تو امکان عام کے درجہ میں ہے یا امکان خاص کے درجہ میں؟ اگر ممکن ہے تو محال شرعی

لازم آتا ہے یا نہیں اگر لازم آتا ہے تو تجرب عن النار کا حکم من فعل مثل فعلہ کیلئے ممنوع ہوا، اگر محال

شرعی لازم نہیں آتا تو کیوں؟

بہر حال الاتقی صرف صدیق اکبر میں سمجھنا کا حکم قطعی صرف ان کیلئے ہے سمجھنا میں سین تا کید کیلئے

ہے کمافی روح المعانی۔

سید صاحب نے الاتقی سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے موصوف ہونے کے استدلال کو کمزور اور مشکوک بنانے کیلئے ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کی تفسیر تاویلات اہل السنۃ سے حوالہ نقل کیا کہ

﴿قال بعضهم هذه الآية في ابي الدحداح مالا حد عنده من نعمه تجزى آيت ابي دحداح کے حق میں نازل ہوئی۔ (زبدۃ: ۳۶۶) جواباً کہا جائے گا کہ: امام قرطبی کا حوالہ نقل ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ پوری سورۃ ابو بکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے اکثر مفسرین کا یہی قول اور اسی پر عمل ہے امام ماتریدی نے صرف ایک آیت کے بارے میں قول بعض کا ذکر کیا ہے، جو مرجوح ہے۔ سید صاحب نے تفسیر نیشاپوری سے نقل کیا:

﴿تتناول الایہ غیر ہما من الاشقیاء والاتیقاء بالتبعیۃ، الخ،﴾

جواباً کہا جائے گا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سبکبھا کا حکم دیگر اشقیاء اور اتقیاء کو شامل ہوگا تو بالذات اور بالاصل نہیں بلکہ بالتبع ہوگا، پھر بھی حضرت ابو بکر صدیق الاتقی، بالذات اور بالاصل ہوں گے بالذات اور بالتبع، بالاصل اور بالفرع میں جو وضعی اور معنوی فرق ہے وہ محتاج تحریر نہیں، ہماری بحث اس میں ہے کہ الاتقی کا مدلول، موصوف اور مصداق اصلی کون ہے؟ اور سبکبھا کا حکم مخصوص کس کیلئے ہے؟ وہ یہی ہے کہ الاتقی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت ہے اور سبکبھا کا حکم خاص آپ ہی کیلئے ہے، دوسرا کوئی فرد اس میں شریک نہیں، صاحب روح المعانی نے سین کو برائے تاکید قرار دیکر سبکبھا کا حکم آپ کیلئے حتیٰ اور قطعی قرار دے دیا ہے جس کا متعدی الی الغیر ہونا ناممکن ہے۔

الاتقی صرف سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور سبکبھا کا حکم قطعی فقط آپ کیلئے ہے اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱: الف لام عہد خارجی ہے اس کا معہود موجود فی الخارج ہے اور وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، من اہل الفرقان فی علوم القرآن، ج: ۱، ص: ۱۱۱، میں محمد

عظیم زرقانی نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔

۲: پوری امت میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور وہی اتقی ہیں جیسا

کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ﴿ای الناس کان اول

اسلاما﴾ سب سے پہلے اسلام لانے والا شخص کون تھا؟ جناب عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

تم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول نہیں سنا؟

﴿خیر البریہ اتقاہا واعدلہا بعد النبی واولاہا بما حملا﴾

ترجمہ: بعد از نبی ساری مخلوق سے وہ اچھا ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اور سب سے زیادہ

عادل ہے اور جو فراموش اپنے ذمے لئے تھے، سب سے زیادہ اچھی طرح نباہنے والا ہے، حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں کہے گئے یہ اشعار، الریاض النضرۃ، الصواعق المحرقة

، المسند رک، تاریخ الخلفاء، تفسیر روح المعانی میں منقول ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے نبی کریم ﷺ

کے بعد ساری امت میں افضل، اور اتقی صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں،، اور تمام صحابہ کا یہی

عقیدہ ہے،،

سید صاحب نے ان اشعار کو حدیث تقریری کہا ہے جو واجب العمل ہے، اور جن لوگوں نے اتقی کو اتقی

صفت مشبہ میں ڈھالنے، اور اتقی کے مفہوم اخص میں من فعل مثل فعلہ کے عموم کو شامل اور ضم کرنے کی

کوشش کی ہے وہ ان کی اپنی ذاتی سوچ ہے اور اسی طرح سید صاحب کا الف لام عہدی کو الف لام

استغراقی میں بدلنا ان کی ذات کاوش ہے جو حدیث تقریری کے مقابل مردود ہے،،

۲: تمام صحابہ کے نزدیک اتقی صرف صدیق اکبر ہیں اس کی تائید میں عبادلہ ثلثہ رضی اللہ عنہم کے

فرمودات اور جمہور مفسرین کا موقف پہلے آچکا ہے ان کے مقابل ہر شخص کی تاویل، قول باطل ہے جو

لائق توجہ نہیں،

۳: جمہور کے نزدیک سورہ واللیل کی آیات سمجھنا اتقی الخ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق

میں نازل ہوئی ہیں (شرح القاصد للتفتازانی بحوالہ زبدۃ: ص: ۳۶۷) جس سے ثابت ہوا کہ اتقی

میں الف ولام کو استغراقی کہنا ایک بہت بڑی علمی لغزش ہے۔

۴: یہ اشعار حدیث مرفوع حکمی کے درجہ میں ہیں، المستدرک للحاکم اور روح المعانی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی اشعار کہے ہیں؟ مجھے بھی سناؤ، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ اشعار پڑھے، حضرت حسان نے یہ اشعار رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں کہے،، جس سے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دو فعل زمانہ نبوی میں ہونے ثابت ہوئے۔ (۱) اشعار کا فعل تکلم (۲) رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آپ کے حکم پر سنانے کا فعل، اور رسول اللہ ﷺ کا سن کر اظہار مسرت فرمانا، صحابی کے یہ اعمال اور یہ افعال چونکہ زمانہ نبوی میں ہوئے اس لئے یہ اعمال و افعال اور یہ اشعار جن میں ابو بکر صدیق کو اتقاھا کہا گیا ہے حکماً حدیث مرفوع ہیں۔ (کما قال الامام الحافظ جلال الدین السيوطي في تدریب الراوي، والامام النوادي في التقریب: ص: ۵۷)

جب یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق کے اتقی ہونے پر حدیث مرفوع حکماً موجود ہے تو اس کے مقابل اور معارض ہر تاویل، ہر توجیہ اور ہر نتیجہء فکر باطل اور مردود ہوگا، کیونکہ حدیث مرفوع حکماً حجت شرعیہ ہے، اور واجب العمل ہے اس کے مقابل ہر مفسر، ہر اصولی اور غیر اصولی کا قول اور رائے حجت ہے نہ دلیل شرعی، فافہم“

۵: اسی طرح طرفہ وغیرہ شعراء کا اسم تفضیل کو صفت مشبہ وغیرہ میں استعمال کرنا حجت نہیں کیونکہ اصول یہ ہے جب تک معنی حقیقی کا وجود محذور نہ ہو معنی مجازی کا مراد لینا غلط ہے،، الاتقی میں معنی حقیقی وضع، مدلول، مصداق جمہور مفسرین کی رائے اور حدیث مرفوع حکماً سے ثابت موجود اور مشہور ہے تو تاویل بعید اور وہ بھی شاعر کے کہنے پر مجازی معنی مراد لینا علمی بغاوت اور خطائے فحش نہیں تو اور کیا ہے؟

۶: جنابی مذہب کے ایک جلیل القدر امام ابن بطہ اپنی اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے محمد بن الزبیر الحظلی کو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجو پوچھا آؤ، کیا رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کو اپنا خلیفہ بنانا چاہا تھا؟ تو جواب میں فرمایا کیا تمہارے

صاحب (عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ) کو اس میں شک ہے قسم ہے اللہ کی جس کے بغیر کوئی معبود حقیقی نہیں استخلفہ لہو کان اتقی للہ (شرح فقہ اکبر: ۷۴، مطبع سعید کراچی) رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق کو ہی خلیفہ بنانا چاہا تھا کیونکہ وہ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے، اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پرہیز گار تھے،

حضرت الحسن البصری جلیل القدر تابعی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تولد ہوئے، اور ۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔ معلوم ہوا صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے کہ ابو بکر صدیق ہی الاقی ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ الاقی میں الف لام عہدی ہے استغراقی نہیں، اگر ابو بکر صدیق اتقی کے موصوف اور الف لام کا معبود نہ ہوتے تو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ خدا کے معبود واحد ہونے کی قسم کھا کر جواب کو لام تاکید اور حوض میر سے موکد فرما کر جس کا مرجع جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جواب ارشاد نہ فرماتے،،

یہ اس بات کا مین ثبوت ہے کہ الف لام عہدی ہے استغراقی نہیں جس کا مرجع جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

سید صاحب نے الاقی میں الف لام کے استغراقی ہونے پر جلال الدین محلی رحمہ اللہ کے اس قول سے استشہاد کیا ہے:

﴿والایہ تشمل من فعل مثل فعلہ رضی اللہ عنہ فیبعد عن النار ویناب﴾

یہ عبارت محل استشہاد نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کا قول بحوالہ منابہل الفرقان فی علوم القرآن محررہ زبدۃ

۱۳۶۳ پہلے آچکا ہے کہ الاقی میں الف لام عہدی ہے استغراقی نہیں، اور معبود فی الخارج جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ثانیاً مثل فعلہ سے فعل مخصوص مراد ہے کیونکہ یہاں تاثیر اضافت کا فرما ہے آئیے کریمہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دو افعال، مخصوصہ پر مشتمل ہے اعطاء (سخاوت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) اور بلند پایہ تقویٰ، مثل فعلہ میں کس فعل کی طرف اشارہ ہے؟ انفاق فی سبیل اللہ، یا تقویٰ کی طرف، ہر دو کی

طرف اشارہ کرنا اور فعل من کو فعل صدیق کی مثل قرار دینا اور سمجھنا محالات شرعیہ میں سے ہے، اتفاق فی سبیل اللہ میں حضرت عمر جیسا جلیل القدر صحابی مماثلت پیدا نہ کر سکا، تقویٰ اور پرہیزگاری میں جبرالامت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مثل نہ ہو سکے تو اور کون ہو سکتا ہے؟ امام جلال الدین محلی رحمہ اللہ کا یہ قول محالات اور از قبیل مفروضات ہے جو دلیل ہے نہ حجت، پھر یہ آیت کا حکم مستتب ہے جس کا وجود ضروری نہیں۔

ثالثاً: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ﴿فلمقام احدہم ساعة یعنی مع النبی ﷺ خیر من عمل احد کم اربعین سنة﴾ (شرح فقہ اکبر: ۸۱)

ترجمہ: میرے کسی بھی صحابی کا میری مجلس میں ایک ساعت بیٹھنا تمہاری چالیس سال کی عبادت سے بہتر ہے،

حضرت وکیع کی روایت میں ہے ”خیر من عبادۃ احد کم عمرہ“ (ایضاً) ترجمہ: میرے کسی بھی صحابی کا میری صحبت میں ایک ساعت رہنا تمہاری پوری عمر کی عبادت سے بہتر ہے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور مصاحبت میں گزری ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ انبیاء اور رسولوں کے بعد دنیائے انسانیت میں کوئی شخص من فعل مثل فعلہ کا مصداق بن کر ذات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مثل اور ہم مرتبہ ہو،

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) نے یہ حدیث نقل کی ہے:

﴿فلو ان احد کم انفق مثل احد ذہبا ما بلغ مذ احدہم ولا نصیفہ﴾

ترجمہ: تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ اتنا سونا راہ خدا میں خرچ کرے، اور میرا کوئی صحابی ایک صاع جو یا گندم راہ خدا میں خرچ کرے تو تمہارے احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے کا ثواب، نصف صاع گندم، جو کے ثواب کو نہیں پہنچتا، جب ایک عام صحابی کی ساعت بھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دوسرے مسلمانوں کی پوری عمر کی عبادت سے افضل ہے، جب دوسرے مسلمانوں کے احد برابر سونے کے صدقہ سے صحابی کے نصف صاع جو کا صدقہ افضل اور زیادہ ثواب کا حامل ہے تو

جناب صدیق اکبر کے صدقہ انفاق فی سبیل اللہ اور فعل عبادت کو کون پہنچ سکتا ہے؟ عام مسلمان تو کسی کھاتے میں ہی نہیں سعیء بسیار کے بوجود عظیم القدر صحابہ وہاں نہیں پہنچ سکے، لہذا اجلال الدین محلّی کا یہ قول من فعل مثله یبعد عن النار ویثاب، از قبیل محالات اور مفروضات ہے اسی طرح اس قول سے سید صاحب کا الف لام استغراقی پر استدلال کرنا اصول و قواعد کو مسخ کرنے کے مترادف ہے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مقام اتقی کو چھیننے کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔

سید صاحب نے تفسیر نیشاپوری کا حوالہ نقل کرتے ہوئے تحریر کیا تتناول الایات غیرهما من الاشقیاء والاتیقاء بالتبعیۃ ان لا عبرة بحصوص السبب ﴿ترجمہ: یہ آیت ان کے سوا دوسرے اشقیاء و اتقیاء کو بھی گھیرتی ہے اور سبب کی خصوصیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ (زبدۃ: ۳۸۴) جو اباً کہا جائے گا کہ: یہ کلیہ اس وقت جاری ہوتا ہے جب لفظ عام ہو اور اس کے تحت افراد ہوں اور افراد اس وقت ہوں گے جب لفظ عام ہو تو آیات لعان، اکل، ظہار، کے الفاظ عام ہیں ان کے تحت افراد ہیں،

لہذا سبب خاص اور حکم عام ہوگا لیکن الاتقی کا لفظ خاص ہے اسکا مدلول فرد ہے افراد نہیں زانی اور زانیہ کے بارے میں سورہ نور میں ہے:

﴿الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدۃ﴾ زنا کار مرد و عورت میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ،

۲: ﴿والذین یرمون ازواجہم الایہ﴾ جو اپنی بیویوں پر زنا کاری کی تہمت لگائیں۔

۳: ﴿والذین یرمون المحصنات الایہ﴾

۴: ﴿والذین جاء و ابالافک﴾ جو لوگ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں۔

۵: ﴿والذین یظہرون منکم الایہ﴾ تم میں جو لوگ اپنی بیویوں سے اظہار کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت نمبر ۱، میں لفظ واحد ہے مگر اسم فاعل اور اس پر الف لام اسی ہونے، اور تجدد و حدوث پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس کے افراد ہیں اس لئے سبب خاص کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ عموم معنی مراد

ہوگا، بقیہ تین آیات میں لفظ جمع کے ہیں، لہذا سبب خاص ہی سہی مگر بوجہ افراد حکم عام ہوگا، الاتقی لفظ خاص ہے اور اس کا مدلول فرد اخص اور فرد معین ہے لہذا حکم بھی خاص ہوگا، الاتقی میں الف لام حرفی برائے عہد خارجی ہے اور معبود جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو فرد اخص، اور فرد واحد ہیں، اور وجہ نزول آپ کے وہ کارہائے نمایاں ہیں جو آپ کا ہی خاصہ ہیں شان نزول آپ کی مدح اور توصیف ہے جو سورہ مبارکہ کی آیات بینات سے واضح ہے، بزاز، ابن جریر، ابن المنذر، آجری، ابن ابی حاتم اور حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ”سبحنہا التقی الذی یؤتی مالہ یتزکی“ ابو بکر صدیق کی شان کی تعریف میں نازل ہوئی آپ ہی اس کے مدلول اور مصداق ہیں،، الاتقی صیغہ اسم تفضیل ہے جو خصوص کا تقاضا کرتا ہے اپنے موصوف اور مدلول کو میز اور اس کی تعریف میں شراکت غیر کو منع کرتا ہے،، اس لئے فعل تفضیل کو خصوص معنی سے ہٹا کر عموم معنی میں نہیں لایا جاسکتا کیونکہ خصوص معنی حقیقی ہے اور عموم معنی مجازی ہے،، معنی حقیقی معذور ہو تو معنی مجازی مراد لیا جاسکتا ہے معنی حقیقی کے تعذر پر کوئی دلیل نہیں جبکہ معنی مجازی مراد لینے کیلئے مندرجہ تمام موانع موجود ہیں لہذا زنا کاری، لعان، ظہار

اور اقلک پر وارد ہونے والی آیات الاتقی کو عموم معنی میں لینے کیلئے محل استشہاد نہیں،، اسی طرح الاتقی کو صیغہ صفت مشبہ، یا اسم فاعل کے معنی میں تبدیل کرنا خلاف اصول اور خلاف وضع ہے۔ ملا جامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن حاجب رحمہ اللہ نے بزیادۃ علی غیرہ کی قید اسم فاعل اسم مفعول اور صفت مشبہ کو اسم تفضیل کی تعریف، مدلول اور مصداق سے خارج کرنے کیلئے لگائی ہے ملاحظہ ہو ملا جامی کی عبارت وقولہ بزیادۃ علی غیرہ یخرج اسم الفاعل والمفعول والصفة المشبہ، اسم تفضیل کی تعریف کرتے وقت ان اسمائے ثلثہ کو بزیادۃ علی غیرہ کی قید سے اس لئے خارج کیا گیا کہ اسم تفضیل اور اسمائے ثلثہ کے درمیان لفظی اور معنوی منافرت اور مغائرت ہے اندریں حالات اسم تفضیل کو اسم فاعل اور صفت مشبہ کے معنی میں ڈھالنا خلاف وضع، خلاف اصول اور شاذ ہے۔

سید صاحب نے شرح ابن عقیل سے جو دو حوالے پیش کئے اور تحریر کیا کہ جب اسم تفضیل کا استعمال

اضافت اور من کے بغیر ہو اور معرف بالام ہو اس وقت غیر تفضیل کیلئے استعمال ہو سکتا ہے (اسم فاعل یا صفت مشبہ کیلئے استعمال ہو سکتا ہے) اس پر دو مثالیں پیش کی ہیں: (۱) وهو اھون علیہ (۲) اعلم بکم اھون اور اعلم صیغہائے اسم تفضیل ہیں اھون بمعنی ھین صفت مشبہ اور اعلم بمعنی عالم استعمال ہوا ہے،، جواباً کہا جائے گا کہ سید صاحب کا دعویٰ اور دلیل سوال جو اور جواب گندم کا منظر پیش کر رہا ہے، سید صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اسم تفضیل مستعمل باضافت اور من نہ ہو اور معرف بالام ہو تو اسم فاعل اور صفت مشبہ کا معنی دے سکتا ہے اور جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں اسم تفضیل معرف بالام نہیں بلکہ معرف ہے لہذا دلیل دعویٰ کے خلاف ہے مطابق نہیں، صحیح یہ ہے کہ اسم تفضیل صفت مشبہ اور اسم فاعل کا معنی دیتا ہے مگر اس وقت جب معرف بالام نہ ہو جیسا کہ وهو اھون علیہ اور بکم اعلم بکم میں بدوں الف ولام ہے،، الاتقی میں اسم تفضیل معرف بالام ہے لہذا اس کو فاعل اور صفت مشبہ کے معنی میں استعمال کرنا وضع اور اصطلاح کے مغاڑ ہے۔

سید صاحب نے لکھا کہ الاشقی کو بمعنی شقی اور الاتقی کو بمعنی تقی لینے پر کوئی استحالہ عقلی اور نقلی لازم نہیں آتا۔

جواباً کہا جائے گا کہ استحالہ نقلی لازم آتا ہے جیسا کہ ابن حاجب اور ملا جامی کے اقوال سے پہلے ثبات کیا جا چکا ہے کسی لفظ کو وضع اور اصطلاح کے مغاڑ معنی میں استعمال کرنا محال نقلی ہے عربی زبان کا ہر لفظ صحیح اور حقیقی معنی میں استعمال کرنے میں وضع اور اصطلاح کا لحاظ کرنا شرط لازم ہے لفظ کو غیر معنی موضوع نہ میں اور اب اصول کی مقررہ اصطلاح کے غیر میں استعمال کرنا محال نقلی ہے، اور جو نقل کے خلاف ہے وہ عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ وضع اور اصطلاح کا دار و مدار عقل سلیم اور فہم مستقیم پر ہے۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ نیشاپوری نے اسم تفضیل کا معنی صفت مشبہ کیا ہے۔ (زبدۃ: ۳۶۹)

امام ابوالیث سمرقندی نے اسم فاعل کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ (زبدۃ: ۳۷۰)

۳: امام طبری ابن جریر میں الاتقی کا معنی تقی کیا ہے۔

۴: امام اسماعیل آفندی نے روح البیان میں الاتقی کا ترجمہ تقی کیا ہے۔

۵: امام قرطبی نے الاتقی کا ترجمہ تقی کیا ہے۔ (زبدۃ: ۳۷۱)

جواباً کہا جائے گا کہ: امام قرطبی نے الاتقی کا معنی تقی نہیں کیا بلکہ المتقی الخائف کیا ہے اور پھر فرمایا:

﴿قال ابن عباس هو ابو بكر رضى الله عنه يزحزح عن دخول النار﴾ یعنی الاتقی ابو بکر صدیق ہیں جو المتقی الخائف ہیں جنہیں دوزخ سے دور رکھا جائے گا، اسی طرح امام ابن جریر نے الاتقی کا معنی تقی نکرہ نہیں بلکہ اتقی معرفہ بالام کیا ہے اور اس سے مراد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لئے ہیں، اور آخر میں فرمایا ہے کہ آیات بیانات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور وجہ یہ بھی بتائی کہ اعتق ناسا لم يلمس منهم جزاء ولا شكورا“

سید صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں تحریر کیا کہ قرآن مجید میں اسم تفضیل کے اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی میں استعمال ہونے کے دو نمونے مل گئے پھر کیا شک باقی رہا،، (زبدۃ: ۳۷۶)

سید صاحب نے اسی صفحہ پر تحریر کیا کہ: جواباً عرض ہے عربی قواعد میں اسم تفضیل کے تین استعمال ہیں (۱) اضافت کے ساتھ (۲) من کے ساتھ (۳) الف لام تعریف کے ساتھ جب اسم تفضیل اضافت و من کے بغیر ہو اور معرف بالام ہو اس وقت غیر تفضیل کیلئے استعمال ہو سکتا ہے۔

سید صاحب نے دو آیتیں نقل کی ہیں، پہلی آیت میں اھون صین اور دوسری آیت میں اعلم بمعنی عالم مستعمل ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ: جمیع علوم و فنون کا منبع اور سرچشمہ قرآن ہے جو منزل بوجی ربانی ہے جب اسم تفضیل کے استعمال کو تین طریقوں میں منحصر کر دیا گیا ہے تو اس کے علاوہ جو طریق استعمال ہے وہ غیر وضعی غیر اصطلاحی ہے جب یہ امر مسلمہ ہے تو قرآن کے ان دو طریق استعمال کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ کیا قواعد عربیہ کے ماہرین اور واضعین نے ان طریقوں کو نہیں دیکھا؟ تو ان کے خلاف قواعد وضع کرنا قرآن کے خلاف بغاوت نہیں؟ بغاوت نہیں ہو سکتی کیونکہ دور صحابہ سے لے کر آج تک دنیائے علم اور اہل قواعد کا یہی دستور چلا آ رہا ہے تو پھر صورت تطبیق کیا ہے؟ وہ یہی ہے کہ اسم تفضیل کے تین طریقوں کا استعمال وضعی، کلی اور اصطلاحی ہے۔

اور ان کے بغیر نادر اور شاذ ہے، اور اسی طرح اسم تفضیل کو معنی اصلی، وضعی اصطلاحی سے ہٹا کر اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی میں استعمال کرنا نادر اور شاذ ہے قابل حجت اور لائق استدلال نہیں۔

۲: سید صاحب نے یہ شرط لگائی تھی کہ وہ اسم تفضیل اضافت اور من کے بغیر استعمال ہو، اور معرف بالام ہو تو بمعنی اسم فاعل اور صفت مشبہ ہوگا۔ آیات مقدسہ میں اسم تفضیل معرف بالام نہیں لہذا سید صاحب کا کلیہ یہاں صادق نہیں آتا، عدم صدق عدم استدلال کو مستلزم ہے، اندریں حالات سید صاحب کا احوں، اعلم سے الاتقی اسم تفضیل کے حقیقی اور اصطلاحی معنی کو مجروح کرنا ثابت نہ ہو سکا۔

۳: جن حضرات نے اسم تفضیل کے حقیقی معنی کو اسم فاعل اور صفت مشبہ کے معنی میں ڈھالا ہے انہوں نے تاویل بعید کی ہے جو معنی مجازی اور حکم ہے، ہماری بحث الاتقی کے معنی حقیقی اور معہود خارجی میں ہے سید صاحب کے لکھے اور تحریرات مآخن فیہ سے نہیں،

۴: اسم فاعل اور صفت مشبہ کے معانی اور مصداق مفید ظن ہیں کیونکہ وہ مبہم ہیں، اور تجنب عن النار کے حکم کی نسبت ذات باری تعالیٰ سے ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے یغفر من یشاء ویعذب من یشاء معلوم ہوا ہر متقی کیلئے تجنب عن النار کا حکم قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے جبکہ الاتقی کیلئے تجنب عن النار کا حکم قطعی ہے

قطعیات کے محل کو نظیہ کے محل میں اتارنا خلاف اصول و قواعد ہے ”فقہر“

۵: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ الاتقی بمعنی التقی المتقی، صفت مشبہ اور اسم فاعل کے معنی میں ہے تو سوال یہ ہے کہ تعریف اسم تعریف مسمی کو مستلزم ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ تعریف اسم تعریف مسمی کو مستلزم نہیں تو پھر الرجل، اور رجل کے درمیان فرق جاتا رہا، الرجل، رجل میں تغائر لفظی ہے جو تغائر معنوی کو مستلزم ہے الرجل معرفہ معین ہے اور رجل دال بر تکبیر ہے اس طرح الاتقی معرفہ برائے شخص معین ہے جو جناب ابو بکر صدیق ہیں، متقی اور تقی کا اطلاق لفظی اور معنوی ان تمام افراد امت پر ہے جو اس کے محل، مدلول اور مصداق ہو سکتے ہیں یہ معنی عموم ہے جبکہ الاتقی معرفہ اور خاص ہے خاص بول کر عموم معنی مراد لینا کیسے جائز ہے؟ اگر جائز کہا جائے اور قول طرفہ شاعر وغیرہ کو

علت اور دلیل قرار دیا جائے تو یہ قول بعض ہوگا، جو اہل قواعد اور اصول کے مقابل، شاذ نادر اور مقبول ہوگا، ماننا پڑے گا عموم معنی کا قول حکم ہے جو ہر آیت کا ہے یہ زیر بحث ہی نہیں، ہماری بحث الاتی کے حقیقی، وضعی اور اصطلاحی معنی اور الف لام کے بارے میں ہے،

سید صاحب نے عنوان قائم کیا ”علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے قول کا جائزہ“ اور اس کے بعد ان کو غیر مسلمہ اکھاڑ پچھاڑ کے ذریعے ہدف تنقید بنانا، (زبدۃ: ۳۷۷)

سید صاحب نے نحوی اصول کے تحت الف لام اور ان کے متعلقہ امور کی توضیح میں الاتی میں الف لام کے تعین اور معبودی الخارج کے عنوان میں جتنی توضیح کی اور اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ مسلم ہے، سب سے پہلے یہ کہ کلام الامام، امام الکلام ہوتا ہے کہاں امام جلال الدین سیوطی اور کہاں سید صاحب۔۔

ہم سب سے پہلے الف لام کی اقسام بیان کریں گے اور اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی کے قول کا جائزہ لیں گے۔

بنیادی طور پر الف لام دو قسم ہے: (۱) حرفی (۲) اسمی (۳) اسمی جو اسم فاعل، اسم مفعول پر داخل ہوگا۔  
الذی اسم موصول کا معنی دیتا ہے اسم فاعل ماضی معروف اور اسم مفعول ماضی مجہول میں تبدیل ہوتے ہیں، ان میں ضمیر فاعل، نائب فاعل معبود اور مسبوق، بالذکر کی طرف راجع ہوتی ہے، اور الف لام چونکہ الذی کا معنی دے رہا ہے اس لئے الذی اپنی عائد (ضمیر) کے الحاق اور توسل سے اسم فاعل اسم مفعول جزو جملہ بنتے ہیں یعنی مسند الیہ بنتے ہیں یا مسند

الف لام حرفی دو قسم ہے زائدہ (۲) غیر زائدہ، جیسے اللات، العزى، لات، عزى اصل ہے الف لام ساکت کرنے سے تغیر معنی لازم نہیں آتا، اسی طرح البیت، اصل بیت ہے الف لام کے حذف کرنے سے معنی متاثر نہیں ہوتا۔

زائدہ پھر دو قسم ہے، (۱) لازم (۲) غیر لازم۔ لازم جو ہمیشہ اسم پر پایا جائے جیسے: البیت، کعبۃ اللہ کیلئے اور المدینۃ، مدینہ منورہ کیلئے العزى، ثریا، اور النجم، نجم کیلئے، غیر لازم جیسے الاعز، اور الاذل، ان کیلئے اور المدینۃ، مدینہ منورہ کیلئے العزى، ثریا، اور النجم، نجم کیلئے، غیر لازم جیسے الاعز، اور الاذل، ان کیلئے

استعمال اعز، اور ازل کی صورت میں ہوتا ہے، لازم پھر دو قسم ہے لازم عوض، لازم غیر عوض، جیسے اللہ، کہ اصل اللہ ہے الف لام کے دخول کے بعد ال الہ ہوا ہمزہ کا کسرہ نقل کر کے ما قبل لام کو دیا ہمزہ ساکن حذف کر دیا گیا لام کو لام میں بوجہ وحدت جنسی ادغام کیا اللہ ہوا، اسی طرح الناس، اصل الاناس ہے ہمزہ کی حرکت ”کسرہ“ لام کو دی،، ہمزہ ساقط کر دیا گیا، لام مکسورہ ہوا، لام اور نون متحدہ المخرج ہیں لام کو بوجہ اتحاد مخرج نون میں تبدیل کر دیا گیا، اور بعد ازاں نون کو نون میں ادغام کرنے سے الناس ہو گیا،، غیر لازم غیر عوض،، جیسے الکلمۃ الکلام“

غیر زائدہ چار قسم ہے: (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد ذہنی (۴) عہد خارجی

الف لام جنسی وہ ہوتا ہے جوشی کی ماہیت من حیث ہی کی طرف بدوں لحاظ افراد کل اور بعض اشارہ کرتا ہے،، اور استغراقی جوشی کی ماہیت مع ملاحظہ جمع افراد پر دلالت کرے، عہد ذہنی وہ جو معبودنی ذہن المحکم اور مخاطب ہو، اور عہد خارجی وہ جو معبودنی الخارج پر دلالت کرے، آئیے دیکھیں الاتقی کا الف لام کونسا ہے؟ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اتقی اسم تفضیل ہے اسم تفضیل کی تعریف پہلے شروع میں نقل ہو چکی ہے سید صاحب نے قواعد عربیہ کے مطابق استعمال کے تین طریقے نقل کئے ہیں یہ درست ہیں ابن حاجب نے کافیہ میں انہی تین استعمالات کو شرح جامی کا متن بنایا ہے ”سورۃ واللیل میں اتقی صیغۃ اسم تفضیل الف لام تعریف کے

ساتھ مستعمل ہے اور الاتقی کی صورت میں مذکور ہے ملا جامی رحمہ اللہ نے فرمایا جب اسم تفضیل الف لام کے ساتھ مستعمل ہو تو پھر الف لام حتمی اور قطعی طور پر عہد خارجی ہوگا، اور اس کا معبود، پہلے ظاہراً مذکور ہوگا اور الف لام سے اشارہ شخص معین کی طرف ہوگا،، مفضل علیہ اور مفضل کی تعیین کا سبب اور ذریعہ بنے گا، الاتقی اسم تفضیل معرف بالام ہے نحوی قاعدہ کے مطابق یہ الف لام عہد خارجی ہے اور اس کا معبود جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ذکر پہلے من اعطی والاتقی میں باعتبار افعال لفظاً اور باعتبار ضمیر فاعل حکماً موجود ہے علامہ جامی نے فرمایا: ”واما مع الام فهو فی حکم المذکور ظاہراً لانہ یشار بالام الی معین بتعین المفضل علیہ مذکور قبل لفظاً او معناً“

ترجمہ : اسم تفضیل معرف بالام سے ایسے معبود کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو معین اور مذکور ہے (یعنی اس کا معبود موجود فی الخارج ہوتا ہے) کیونکہ الف لام سے ایسے معبود کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو معین اور مذکور لفظاً یا معناً ہوتا ہے اور مفضل علیہ کی تعین معبود کی تعین کا وسیلہ بنتی ہے علامہ جامی نے اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا ”کما اذا طلب شخص افضل من زید قلت عمر والا افضل، ای شخص الذی قلنا انه افضل من زید فعلى هذا لا تكون الام فی افضل التفضیل الا للعهد“ ترجمہ: ایک شخص نے زید سے افضل شخص جاننے کا مطالبہ کیا (یہ جاننا چاہا کہ زید سے افضل کون شخص ہے؟) جواب میں کہا گیا کہ ”عمر و افضل من زید“ الا افضل اسم تفضیل معرف بالام ہے قانون کے مطابق الف لام کا معبود، مشار الیہ پہلے مذکور ہونا چاہیے تھا، اس لئے عمرو کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور وہ معین شخص عمر ہے، پس اس قانون کے تحت اسم تفضیل معرف بالام کا الف لام صرف اور صرف عہد خارجی ہوتا ہے ثابت ہوا الاتقی میں الف لام عہد خارجی برائے معبود شخص معین فی الخارج کیلئے ہے اور وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو سابق میں من اعطی و اتقی میں بصورت ضمیر حکماً مذکور ہیں تو گویا یہ پوچھا گیا کہ تمام صحابہ سے اتقی کون ہے تو فرمایا گیا کہ جو اعطی اور اتقی کے افعال میں معناً مذکور ہے اور وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں،

علامہ جامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی لئے اسم تفضیل معرف بالام کا الف لام عہد خارجی ہوتا ہے جو مفضل اور مفضل علیہ کی تعین کیلئے آتا ہے اتقی پر الف لام آنے سے صدیق اکبر معین ہوئے مفضل ہوئے اور دیگر صحابہ مفضل علیہ معین ہوئے،

سید صاحب نے الاتقی کے الف لام استغراقی کی بنیاد پر زبدۃ میں جو مواد جمع کیا ہے فضول، بے مقصد اور بے ربط ہے۔

سید صاحب نے کہا کہ بعض اہل علم ان دونوں آیتوں کو صغریٰ، اور کبریٰ بنا کر نتیجہ منطقیہ نکالتے ہیں، بایں طور کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ متقی ہیں، اور جو سب سے زیادہ متقی ہے افضل ہے لیکن یہ غلط ہے جب تک الاتقی جزئی حقیقی شخص نہیں بن پائے گا اس وقت تک اس کا بطور

صغریٰ کے استعمال نہیں ہو سکتا ہے (زبدۃ: ۳۸۵) جواباً کہا جائے گا کہ: الاتقی کا بطور صغریٰ ہونا، بنایا جانا، استعمال ہونا درست ہے کیونکہ الاتقی معرف بالام اسم تفضیل ہے علمائے نحو، اور وضع کے مطابق اسم تفضیل والا الف لام عہد خارجی ہی ہوتا ہے اور اس کا معبود شخص معین موجود فی الخارج ہوتا ہے اور ہمیشہ لفظاً اور معنیاً پہلے مذکور ہوتا ہے جیسا کہ ملا جامی رحمہ اللہ کی عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے الاتقی جزئی حقیقی ہے اور اس سے مراد شخص معین موجود فی الخارج جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، اس کے صغریٰ بننے، بنائے جانے استعمال ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔

سید صاحب نے تاویلات بعیدات کا ایک انبار لگایا، اسم تفضیل (الاتقی) کے شان نزول، مدلول، مصداق، الف لام کے عہد خارجی ہونے شخص معین کیلئے وضع ہونے اور معبود فی الخارج ہونے کیلئے

نظر نہ آیا نظر آیا تو الاتقی کا حکم نادر، اور شاذ اور مفروضہ نظر آیا۔ ☆ یا للعجب ☆

ثانیاً: علمائے تفسیر کا کام، آیت کا شان نزول، سباق و سیاق اور حکم بیان کرنا ہے لفظی، معنوی، وضعات، اصول و استعمالات بیان کرنا علمائے اصول و قواعد کی ذمہ داری ہے، علمائے اصول کا کلیہ ملا جامی رحمہ اللہ نے توضیح سے بیان فرمادیا ہے جلال الدین سیوطی اور جلال الدین محلی نے بھی الاتقی کے الف لام کو عہد خارجی تسلیم کیا، اور قرار دیا ہے، جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے والایۃ تشتمل من فعل مثل فعلہ رضی اللہ عنہ عند فیعد عن النار ویناب “ سے حکم بیان فرمایا ہے الاتقی کا معنی بیان نہیں فرمایا، اور پھر الف لام کا استغراقی ہونا بیان نہیں فرمایا، بحث تو الف لام میں ہے آیت اور اس کے حکم میں نہیں، سید صاحب کو اسم تفضیل اور اس پر مدخولہ الف لام، اور آیت میں فرق معلوم نہیں ہو سکا الف لام کی صنف،، مدلول، اور معبود فی الخارج شخص معین مذکور لفظاً معنیاً اور آیت اور اس کے حکم کے درمیان لفظی معنوی، وضعی اور اصطلاحی تغائر کا علم نہیں ہوا؟ یہ کس علم کا کلیہ اور قانون ہے کہ بحث صیغہ اور اس پر مدخولہ الف لام کے وضعات، معبودات موجودہ فی الخارج میں ہو مگر معنی اور دلیل میں آیت کا حکم پیش کر دیا جائے اور وہ بھی از قبیل محالات۔

واضح رہے کہ جمہور مفسرین نے الاتقی کا معنی تقی نہیں کیا، جنہوں نے صفت مشبہ یا اسم فاعل کا معنی

کیا ہے، وہ صرف اسم تفضیل منکر کا کیا ہے،، الاتقی اسم تفضیل المعروف بالام کا نہیں کیا، پہلے بیان ہو چکا ہے ”فتفکر“

سید صاحب نے کہا کہ الاتقی کو صغریٰ میں لا کر اور الاکرم کو کبریٰ میں لا کر بصورت شکل اول نتیجہ حاصل کرنا غلط ہے کیونکہ صغریٰ کا موجب ہونا، اور کبریٰ کا کلیہ ہونا شرط ہے جو یہاں نہیں۔

جواباً کہا جائے گا کہ: شکل اول کے صحیح نتیجہ دینے کیلئے کلیت کبریٰ شرط ہے لفظ کل کا لفظاً مذکور ہونا، ضروری نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ اگر کبریٰ میں لفظ کل لفظاً موجود نہیں لیکن اگر لفظ کل وہاں لگا دیا جائے تو معنی درست رہے، اور نتیجہ مختلف برآمد نہ ہو اگر لفظ کل لانا صحیح نہ ہو تو یہ صورت عقیم کہلاتی ہے کیونکہ صغریٰ کبریٰ صحیح نتیجہ نہیں دے سکے صورت زیر بحث میں اگرچہ لفظاً لفظاً آئیہ مقدرہ میں موجود نہیں لیکن اتقکم اکرمکم، صیغہ اسم تفضیل مستعمل بمن، ہیں اور کم ضمیر ہر دو جگہ برائے جمع مخاطب ہے اتقی اور اکرم اسم تفضیل کا موصوف واحد مذکر ہے جو عموم کا فائدہ دے رہا ہے اور یہ مرادف لفظ کل ہے اب آیت معنوی طور پر اس ترکیب میں ہوگی صدیق اکبر اتقی ہیں تم میں سے جو بھی اتقی ہے وہ اکرم ہے ”الصدیق الاکبر اتقی وکل اتقی منکم اکرم“ یہاں کلیت کبریٰ بھی ہے اور نتیجہ بھی صحیح ہے کہ صدیق اکبر اکرم ہیں اس کا عکس مستوی بھی صحیح ہے ”الصدیق الاکبر اکرم وکل اکرم منکم اتقی“ نتیجہ صحیح ہے کہ اتقی صدیق ہیں، شکل اول اس وقت عقیم ہوتی ہے جب نتیجہ مختلف اور صحیح نہ ہو یہاں نتیجہ ہر دو صورتوں میں صحیح ہے،، اور اگر اکرم کم کو مستعمل بمن نہ مانا جائے تو بھی بوجہ اضافت اکرم اور اتقی معرفہ ہوں گے اور شخص معین پر دال ہوں گے اور وہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

برہان انی اور لمی سے بھی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے برہان لمی کہ حد اوسط اکبر کی جو نسبت ذہن متکلم، اور خارج میں ہے دونوں کیلئے علت بنے، منطقیوں کی مثال یہ ہے ہذا متعفن الاخلاط، وکل متعفن الاخلاط محموم، فہذا محموم، یوں ہی،، الصدیق الاکبر الاتقی، وکل الاتقی اکرم“ نتیجہ..... الصدیق الاکبر اکرم“ صدیق اکبر اکرم ہیں۔

برہان انی حد اوسط فقط نسبت ذہنی کیلئے علت بنے ”الصدیق الاکبر اکرم وکل اکرم اتقی“ نتیجہ صدیق اکبر اتقی ہیں کیونکہ ”ان اکرمکم عند اللہ اتقکم“ میں اکرم اور اتقی کے درمیان نسبت تساوی اور حمل بالمواطات موجود ہے۔

سید صاحب نے ”ان اکرمکم عند اللہ اتقکم“ کو قضیہ مہملہ کہا ہے جو غلط ہے یہ قضیہ شخصیت موجبہ جزئیہ ہے کیونکہ اتقکم میں اتقی سے مراد الاتقی ہے جس کا مدلول، معبود فی الخارج جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ شکل اول ہو، یا برہان انی یا ملی یا عکس مستوی، نتیجہ صحیح اور مفید ہے، الاکرم بھی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور الاتقی بھی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

سید صاحب نے خود ایک سوال وارد کیا اور خود ہی اس کا جواب بھی دیا: سوال یہ ہے کہ لفظ اهل البیت اگرچہ عام ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے پانچ شخصیات پر چادر ڈالی اور فرمایا: اللهم هؤلاء اهل بیتی پھر المنہاج الواضح سے یہ کلیہ نقل کیا کہ: مسند الیہ کو اسم اشارہ لایا جاتا ہے کئی ایک وجوہات کے پیش نظر جن کو یلیغ لوگ مد نظر رکھتے ہیں، (۱) مسند الیہ کو مکمل طور پر ممتاز کرنا ہوتا ہے، کیونکہ حال اس بات کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ مقام، مقام مدح ہو، (۲) یا مسند الیہ کسی انوکھے حکم سے مختص ہو، مثال نقل کی آیت تطہیر میں اهل بیت (آل محمد ﷺ) کو حکم تطہیر سے مختص ہونا تھا، یعنی هؤلاء مسند الیہ اسم اشارہ ہے اس کے لانے کا مقصد اہل بیت کی مدح اور ان کیلئے حکم طہارت کو مختص کرنا تھا، جو اب کہا جائے گا کہ بعینہ یہی قاعدہ والذی جاء بالصدق وصدق به اولئک هم المتقون میں جاری ہوتا ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق والذی جاء بالصدق سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور جس نے سچائی کی تصدیق کی اس سے مراد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے (زبدۃ ۸۹)

اولئک اسم اشارہ اور ہم ضمیر مسند الیہ کے مقام پر واقع ہے اس مقام پر ان کا وقوع رسول اللہ ﷺ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح کیلئے ہے (۲) اور اس بات کیلئے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کیلئے بحیثیت نبی اور رسول تقویٰ مختص ہے، اور بحیثیت غلام، صحابی، عاشق اور مرتبہ صدیقیت کے لحاظ

سے مخصوص قسم کا تقویٰ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے مختص ہے، اس تقویٰ خاصہ میں کوئی فرد صحابی آپ کا ہم پلہ نہیں، یہی الاتقی کا معنی ہے جو ذات صدیق کیلئے مدح اور خاصہ لازمہ بینہ ہے۔ اہل البیت کا لفظ عام ہے مگر اس میں نزول آیت سے پہلے بھی اور بعد میں تخصیص پائی گئی ہے لہذا اس میں عموم لفظ کا اعتبار ہو گا نہ حکم کا (زبدۃ: ۳۸۹) یہ کلیہ ہمارے موقف کے معارض اور مناقض نہیں کیونکہ

(۱) الاتقی کا لفظ عام نہیں، خاص معین معبود موجود فی الخارج کیلئے ہے۔

(۲) الاتقی کی تخصیص پر حدیث مرفوع حکمی موجود ہے رسول اللہ ﷺ نے الاتقی کے مخصوص ہونے پر

مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے، لہذا الاتقی کو کسی صورت عموم معنی، یا عموم افراد پر حمل نہیں کیا جاسکتا۔

الاتقی اصطلاحی اور وضعی اعتبار سے خاص ہے اور خاص فرد واحد موجود فی الخارج مذکور لفظاً یا معنیاً کیلئے

ہے کیونکہ مستعمل بالام ہے،، جمہور مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ سورہ، بالخصوص یہ آیت جناب صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے خود سید صاحب نے علامہ زرکشی کے حوالے سے نقل

کیا ہے کہ: جس جگہ کوئی شان نزول متعین ہو جائے پوری امت بھی اگر ملے تو اس میں کمی کر سکتی ہے نہ

بیشی کر سکتی ہے یعنی شان نزول کو پوری امت کے اجماع کے ذریعے بھی خارج نہیں کیا جاسکتا

،، (نعرۃ حیدری: ۱۱) اگر آیت کے شان نزول کو اجماع کے ذریعے بھی خارج نہیں کیا جاسکتا، تو الاتقی

والی آیت کا شان نزول جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں تو اس کے شان نزول کو سید صاحب اپنی

ذاتی شخصی رائے سے کیسے نکال سکتے ہیں؟ اور الاتقی کے موصوف شخص واحد معین موجود فی الخارج سے

ہٹا کر کلیتی کے عموم مطلق کی طرف کیسے لے جاسکتے ہیں؟

سید صاحب نے قیاس اقترانی اور قیاس استثنائی کی اشلہ پیش کر کے الاتقی کے لفظ عام ہونے پر

استدلال کیا ہے جو ان الفاظ میں ہے: "اللفظ العام الوارد علی سبب خاص هو الحجۃ

وحدہ عند الشارع وکل ما کان کذاک يعتبر عمومہ فاللفظ العام الوارد علی

سبب خاص يعتبر عمومہ وهو المطلوب" ترجمہ: جو لفظ عام کسی خاص سبب پر وارد ہو وہی

اکیلا ہی شارع کے نزدیک دلیل اور ہر وہ لفظ جو ایسا ہو اس کا عموم معتبر ہوتا ہے اور یہی مطلوب ہے۔  
جواباً کہا جائے گا کہ:

☆ واعلم ان عموم اللفظ والخصوص معتبر بحسب الوضع لا بالا اعتبار والقرض، ومعنى العموم والخصوص متعين ومتعارف بين القوم، وصيغتهما ايضا مخصوصة باوازن لا شك ان الاتقى اسم تفضيل بحسب الوضع والوزن، معرف بالام الحرفي، يشار الى المعهود المعين الموجود في الخارج، باقتضاء الاصطلاح كما نقل عن العلامة الجامي رحمه الله فالالاتقى لفظ خاص، والام للعهد، معهوره شخص معين وموجود في الخارج مذکور باعتبار الآية، واما من اعطى واتقى لفظاً، ومراداً، وباعتبار ضمير الفاعل معناً وهو الصديق الاكبر، لا غيره كما ظن عبد القادر شاه المعترض،، فللفظ الاتقى خاص بحسب الوضع والاصطلاح، والموصوف والمدلول، والمعهود،، كما قاله العبادلة الثلاثة، واكثر المفسرين وحمله على لفظ العام وعموم المعنى فمردود باطل، فاحفظ،، والحمد لله على تكميل الجلد الثاني الموسوم بعمدة التحقيق في عنوان افضلية ابي بكر الصديق رضي الله عنه، والصلوة والسلام على رسوله الكريم، وعلى آله الطيبين الطاهرين، واصحابه المتطهرين المرضين، وعلماء امته الراسخين المهديين ☆

العبد المذنب:

قاضي محمد عظيم، النقشبندی عفی اللہ عنہ

کوئی رتہ، کشمیر الحرہ



## زبدۃ التحقیق کے بڑے مصادر: مؤلفہ سید عبد القادر شاہ

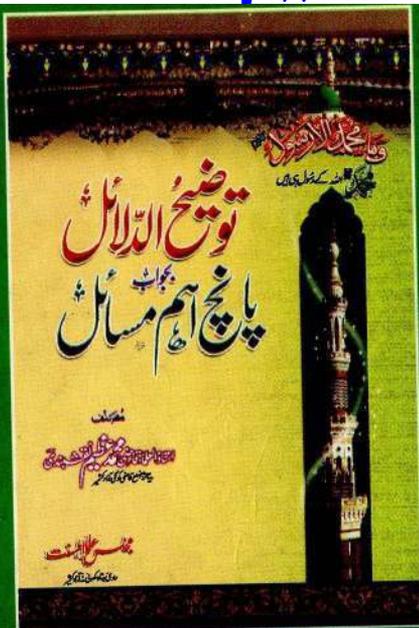
- 1: مناقب آئمہ اربعہ..... مؤلفہ: قاضی ابوبکر قلائی  
معزلی ہے، بحوالہ شرح فقہ اکبر، مصنفہ علی بن سلطان محمد القاری، ص، ۱۵۱۔
- 2: مروج الذهب، مؤلفہ امام ابوالحسن علی بن الحسین بن علی  
شیعہ ہے..... بحوالہ الکنی واللقاب، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، اعیان الشیعہ، تنقیح  
ال مقال منتخب التواریخ، بحوالہ، (میزان الکتب مؤلفہ علامہ محمد علی لاہوری رحمہ اللہ  
3: حلیۃ الاولیاء، مصنفہ، حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی شیعہ ہے،..... ملا باقر مجلسی کاجد اعلیٰ  
ہے،..... الذریعہ، اعیان الشیعہ، الکنی واللقاب، بحوالہ (میزان الکتب)  
4: ینایع المودۃ..... مصنفہ حافظ سلیمان بن ابراہیم قندوزی، شیعہ ہے،  
(الذریعہ الی تصانیف الشیعہ)، بحوالہ میزان الکتب۔  
5: الملل والنحل، مصنفہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی،..... غالی شیعہ ہے۔  
طبقات الشافعیہ، منہاج السنۃ امام تیمیہ بز ثالث، ص: ۲۰۷، ۲۰۹، الکنی واللقاب، بحوالہ، میزان الکتب  
6: الفصل فی الملل، مصنفہ ابن حزم اندلسی، فرقہ ظاہریہ کاپیروکار، شریعت کی چوتھی دلیل قیاس کا منکر  
ہر بات کو منطق کی کسوٹی پر پرکھتا تھا، معاصرین علماء نے اس کو رد کر دیا تھا، اصولیات میں تاویلات کرتا  
تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج: ۱۲، ص: ۹۸)  
7: الاستیعاب..... مصنفہ ابن عبدالبر اندلسی، امام ابن حجر مکی ہتھی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام اہل  
سنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی نے اس کی روایت کو تسلیم نہیں کیا بلکہ شاذ، غیر مقبول اور  
غیر مستند گردان کر رد کر دیا ہے اس نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مروی حدیث جو بخاری  
میں ہے کو ”وہم“ اور غلط کہا ہے جبکہ وہ حدیث مرفوع ہے، اصل عبارت ملاحظہ ہو: ”واختلف السلف  
ایضا فی تفضیل علی وابی بکر، وفی اجماع الجمع، الذی وصفناہ دلیل علی ان حدیث  
ابن عمر وہم وغلط وانہ لا یصح معناه وان کان اسنادہ صحیحا (زبدۃ: ص: ۳۳۲)

## عمدة التحقيق کے مصادر

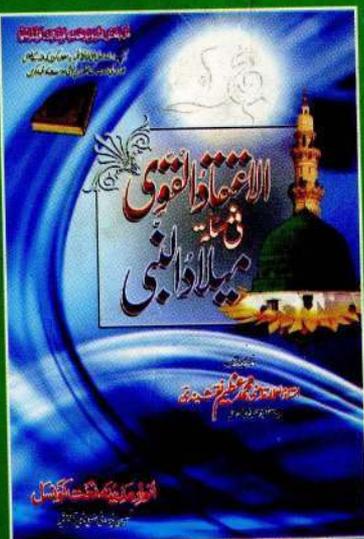
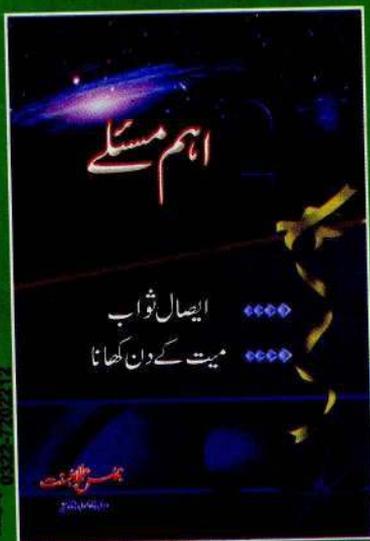
- 1: قرآن حکیم
- 2: تفسیر کبیر ..... امام فخرالدين رازى رحمه الله
- 3: تفسیر قرطبی ..... ابى عبد الله محمد بن احمد انصارى القرطبی
- 4: تفسیر الطبری ..... محمد بن جریر الطبری
- 5: تفسیر ابن کثیر ..... حافظ عمادالدين ابن کثیر
- 6: تفسیر بیضاوی ..... عبد الله بن عمر الشیرازى البیضاوى
- 7: تفسیر اتقان ..... جلال الدين عبد الرحمن السیوطی
- 8: تفسیر روح المعانی ..... سید محمود آلوسى بغدادی
- 9: بخاری، شریف ..... امام محمد بن اسماعیل البخاری
- 10: مسلم شریف ..... امام ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری
- 11: ترمذی شریف ..... امام ابى عیسیٰ محمد بن عیسیٰ
- 12: ابو دائود شریف ..... ابى دائود سلیمان ابن الاشعث السجستانی
- 13: ابن ماجه شریف ..... ابو عبد الله محمد بن یزید بن ماجه
- 14: نسائی شریف ..... عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائی
- 15: مشکوٰۃ شریف ..... ولی الدین ابى عبد الله محمد بن عبد الله الخطیب
- 16: مرقات شرح مشکوٰۃ ..... علی بن سلطان محمد القاری
- 17: فتح الباری شرح بخاری ..... شهاب الدين ابن حجر العسقلانی
- 18: ارشاد الساری شرح بخاری ..... امام احمد بن محمد قسطلانی
- 19: شرح مسلم ..... امام ابو ذکریا یحییٰ بن شرف النوای
- 20: فتح الملهم شرح مسلم ..... علامه شبیر احمد عثمانی دیوبندی
- 21: قوت المقتدی ..... علامه سید علی بن سید سلیمان الشاذلی المالکی
- 22: کنز العمال ..... علامه علاء الدین المتقی الہندی
- 23: المستدرک ..... امام حافظ ابى عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم نیشاپوری
- 24: الریاض النضرۃ ..... الشیخ امام احمد بن عبد الله (المحب الطبری)

- 25: تدریب الراوی ..... امام عبد الرحمن جلال الدین السیوطی
- 26: الصواعق المحرقة ..... شهاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی مکی
- 27: موطا امام مالک (اسعاف المبطاء برحال الموطاء امام جلال الدین السیوطی)
- 28: اکمال الرجال فی اسماء الرجال ..... شیخ ولی الدین صاحب المشکوٰۃ
- 29: تاریخ الخلفاء ..... امام عبد الرحمن السیوطی
- 30: المسائره ..... کمال الدین محمد بن عبد الواحد الحنفی المعروف ابن الہمام
- 31: المسامره ..... محمد بن ابی بکر بن علی بن ابی شریف
- 32: شفاء شریف ..... قاضی عیاض مالکی اندلسی
- 33: شرح شفاء ..... علی بن سلطان محمد قاری
- 34: الیواقیت والجواهر ..... الشیخ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی
- 35: البدایہ والنہایہ ..... عماد الدین ابن کثیر الدمشقی
- 36: فقه اکبر ..... الامام الہمام ابوحنیفہ
- 37: شرح فقه اکبر ..... علی بن سلطان محمد قاری
- 38: التمهید ..... علامہ ابوشکور محمد بن عبد السعید السالمی
- 39: شرح المواقف ..... سید سند شریف علی بن محمد الجرجانی
- 40: حاشیہ المواقف ..... علامہ عبد الحکیم السیالکوٹی
- 41: تکمیل الایمان ..... شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی
- 42: تحفہ اثناء عشریہ ..... شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
- 43: میزان العقائد ..... شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
- 44: مطلع القمرین ..... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی
- 45: تصفیہ مابین سنی وشیعہ ..... اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی
- 46: کشف المحجوب ..... داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری
- 47: سبع سنابل ..... میر عبد الواحد بلگرامی
- 48: کافیہ ..... ابن حاجب
- 49: شرح جامی ..... ملا عبد الرحمن جامی ابوسعید خانی حاشیہ شرح مائۃ عامل
- 50: قطبی ..... علامہ قطب الدین الرازی

- 51: لواء الهداى ..... علامه عبد الحى الكهنوى
- 52: اصول الشاشى ..... علامه نظام الدين الشاشى
- 53: نور الانوار ..... علامه شيخ احمد ملا جيون
- 54: قمر الاقمار ..... علامه عبد الحكيم الكهنوى
- 55: منار ..... ابوالبركات محمود احمد النسفى
- 56: حسامى ..... علامه حسام الدين الحنفى
- 57: ردالمختار ..... علامه ابن عابدين الشامى
- 58: نعرته حيدرى ..... سيد عبد القادر شاه
- 59: زبدة التحقيق ..... سيد عبد القادر شاه
- 60: جوده ستاره ..... نجم الحسن كراوى
- 61: شرح عقائد ..... علامه سعد الدين التفتازانى
- 62: خيالى ..... علامه خيالى
- 63: نبراس ..... علامه عبد العزيز فرهاروى ملتانى
- 64: ميزان الكتب ..... علامه محمد على لاهورى
- 65: عمدة القارى شرح بخارى ..... علامه بدرالدين ابى محمد محمود ابن العينى
- 66: المنجد
- 67: مکتوبات شريف ..... مجدد الف ثانى شيخ احمد سرهندي فاروقى ﴿رحمهم الله اجمعين﴾



استاذ العلماء  
کی دیگر  
علمی تصانیف



مجلس علماء اہلسنت  
دادی بناہ کھوئی رٹا آزاد شیر

0344-5751600, 0355-8103999, 0301-5802417  
0346-5286259, 0300-9536420, 0312-9537375

For more books click on the link

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>